PAKSOCIETY.COM
ماہنامہ
روحانی ڈائجسٹ
کراچی
دسمبر ۲۰۱۴ء
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
"قیامت تب تک قائم نہ ہو گی جب تک زمانے آپس میں قریب نہ ہو جائیں....
بس سال مہینے کے برابر ہو جائے گا، اور مہینہ ہفتے کے برابر....
ہفتہ دن کے برابر.... دن گھڑی (گھنٹہ) کے برابر......
اور گھڑی (گھنٹہ) ایک چنگاری کی طرح....جو چمک کر فوراً بجھ جاتی ہے...." (ترمذی)
WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

پڑھ تیرا رب بڑا کریم ہے جس نے علم سکھایا قلم سے

پیغمبرانہ تعلیمات، روحانی و سائنسی علوم اور نظریہ رنگ و نور کا نقیب

ماہنامہ

روحانی ڈائجسٹ

کراچی

ممبر: آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

جلد: 37 شمارہ: 1

دسمبر 2014ء/صفر، ربیع الاول ۱۴۳۶ھ

فی شمارہ: 75 روپے

سالانہ خریداری کی شرح

پاکستان (بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک)....سالانہ 800روپے

بیرونِ پاکستان کے لیے........سالانہ 70 امریکی ڈالر

خط کتابت کا پتہ

1-D, 1/7، ناظم آباد کراچی 74600

پوسٹ بکس 2213

فون نمبر: 021-36685469

فیکس: 021-36606329

ای میل / فیس بک / ویب سائٹ

roohanidigest@yahoo.com

digest.roohani@gmail.com

facebook.com/roohanidigest

www.roohanidigest.net

پبلشر، پرنٹر، ایڈیٹر: ڈاکٹر وقار یوسف عظیمی طابع: روحانی ڈائجسٹ پرنٹر

مقام اشاعت: 1-D, 1/7، ناظم آباد کراچی 74600

اس ماہ بطورِ خاص......

بابا فرید گنج شکرؒ.... بیت المقدس میں

بابا فرید نے بیت المقدس میں قیام کیا، اور عبادت میں مصروف رہے.... بیت المقدس میں بابا گنج شکر فرید کا آستانہ آج بھی موجود ہے۔
سہارن پور کے شیخ محمد منیر انصاری اس آستانہ کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔

خوشی اور غم

ایک انسان کا غم ضروری نہیں کہ دوسرے کا بھی غم ہو، بلکہ اس کے بالکل برعکس ایک کا غم دوسرے کی خوشی بن سکتا ہے۔

واصف علی واصف

برکت کا مفہوم

مال و دولت کی کثرت نے بندوں کا رشتہ رب سے توڑ دیا ہے۔

مفتی تنظیم عالم قاسمی
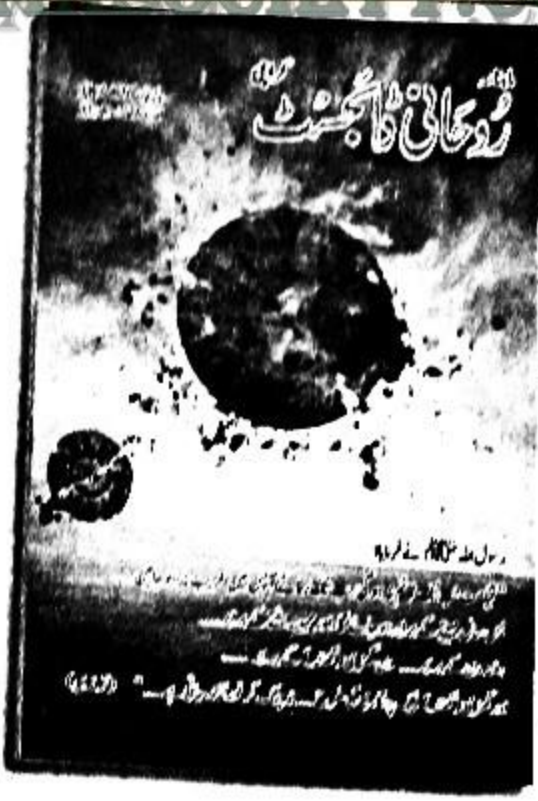
مجرم شناس

جرائم کے موضوع پر ناول اور کتابیں پڑھنے والوں کے لیے "جیک دی رپر" Jack the Ripper کا نام نامانوس نہیں ہوگا۔
"جیک دی رپر" پر چالیس سے زائد فلمیں، ڈاکیومنٹریز، کتابیں اور ناول لکھے جاچکے ہیں، اسے دنیا کا پہلا سیریل کلر Serial Killer کہا جاتا ہے۔
غیر معمولی حسِ بصارت رکھنے والے انسان کی حیرت انگیز کہانی

پراسرار بندے....

جن پر عقل حیران ہے، سائنس خاموش ہے....
یہ لوگ اپنے زمانے میں بھی پراسرار تھے۔ برسوں گزر جانے کے بعد بھی ان کا اسرار واضح نہیں ہوسکا ہے۔

اسلام و تصوف، روحانی علوم

شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ کے مزار پر حاضری.....

اور مظفر آباد، آزاد کشمیر میں منعقد ہونے والے روحانی سیمینار کی رپورٹ

ادب، معاشرت، ساحل

دنیا، سائنس، حیرت الگیز

WWW.PAKSOCIETY.COM

عبادات واحکام کے اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ دین اسلام سہولت والا دین ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے دین اسلام میں مشقت اور تعب نہیں رکھی،۔(سورۃ الحج:78)

ترجمہ: "اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور سختی نہیں چاہتا۔" (سورۃ بقرہ: 185)

ترجمہ: "خدا تم پر کسی طرح کی تنگی نہیں کرنی چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کرے۔ تاکہ تم شکر کرو۔" (سورۃ مائدہ:6)

حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے:

ان الدین یسر.... دین آسان ہے۔(صحیح بخاری)

ایک اور حدیث میں حضور ارشاد فرماتے ہیں:

احب الدین الی اللہ الحنیفیۃ السمحۃ.... اللہ تعالیٰ کو آسان اور توحید والا دین محبوب ہے۔(بخاری)

حضرت ابن عباسؓ نے روایت کیا کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، علم سکھاؤ اور آسانی پیدا کرو، علم سکھاؤ اور آسانی پیدا کرو اور یہ تین مرتبہ فرمایا۔[بخاری]

نبی کریم ﷺ نے ایک جگہ اور ارشاد فرمایا "لوگوں کو (دین) سکھاؤ اور خوشخبریاں سناؤ اور دشواریاں پیدا نہ کرو اور جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اسے چاہئے کہ خاموشی اختیار کرلے۔" [مسند احمد]

صحابی رسولؐ حضرت عثمان بن مظعونؓ اور بعض صحابیوں نے عہد کیا کہ ہمیشہ دن کو روزہ رکھیں گے، راتوں کو بستر پر نہ سوئیں گے بلکہ جاگ جاگ کر عبادت کرتے رہیں گے، گوشت اور چکنائی استعمال نہ کریں گے، عورتوں سے واسطہ نہ رکھیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنے پاس بلوایا۔

وہ آپ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا "کیا تم نے میری سنت (طور طریقے) سے اعراض کر لیا ہے؟" انہوں نے کہا: نہیں، قسم اللہ کی! آپ ﷺ نے فرمایا "میں تو سوتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں۔ روزے رکھتا بھی ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں۔ عورتوں سے نکاح بھی کیا ہے۔ پس اللہ سے ڈرو، اے عثمان! یقیناً تمہارے گھر والوں کا بھی تم پر حق ہے۔ تمہارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے۔ تمہاری جان کا بھی تم پر حق ہے۔ لہٰذا روزے رکھو اور چھوڑ بھی دیا کرو۔ نماز پڑھا کرو اور سویا بھی کرو۔"

کہتے ہیں کہ کسی ملک پر ایک نہایت سمجھدار بادشاہ حکومت کرتا تھا، ایک مرتبہ اس نے اپنے ملک کے تمام مفکروں اور دانشوروں کو جمع کر کے ان سے پوچھا کہ کیا کوئی ایسا مشورہ یا مقولہ ہے کہ جو ہر قسم کے حالات میں کام کرے، الگ الگ صورتحال اور مختلف اوقات میں اس ایک مقولے سے رہنمائی مل جائے.... کوئی ایسا مشورہ؟.... جب میرے پاس کوئی مشورہ دینے والا موجود نہ ہو تب مجھے صرف اس ایک بات یا مقولے سے رہنمائی مل سکے....؟

تمام دانشور بادشاہ کی اس خواہش کو سن کر پریشان ہوگئے کہ آخر ایسی کون سی بات ہے جو کہ ہر وقت، ہر جگہ کام آئے....؟ اور جو ہر قسم کی صورتحال، خوشی، غم، الم، آسائش، جنگ و جدل، ہار، جیت، غرض یہ کہ ہر جگہ مفید ثابت ہو....؟

کافی دیر آپس میں بحث و مباحثہ کے بعد ایک سن رسیدہ مفکر نے ایک تجویز پیش کی جسے تمام دانشوروں نے پسند کیا اور وہ بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوگئے....

عمر رسیدہ مفکر نے بادشاہ کی خدمت میں ایک لفافہ پیش کیا اور کہا کہ اس لفافے میں وہ مقولہ موجود ہے، جس کی خواہش آپ نے کی تھی.... لیکن شرط یہ ہے کہ آپ اس لفافے کو صرف اس وقت کھول کر دیکھیں گے جب آپ بالکل تنہا ہوں اور آپ کو کسی کی مدد یا مشورہ درکار ہو....

بادشاہ نے یہ تجویز مان لی اور اس لفافے کو نہایت احتیاط سے اپنے پاس رکھ لیا....

کچھ عرصے کے بعد کسی دشمن ملک نے اچانک بادشاہ کے ملک پر حملہ کر دیا.... حملہ اس قدر اچانک اور شدید تھا کہ بادشاہ اور اس کی فوج بری طرح شکست سے دوچار ہوئی.... ایک ایک سپاہی نے بادشاہ کے ساتھ

مل کر اپنے ملک کے دفاع کی سر توڑ کوشش کی لیکن بالآخر انہیں جنگ کے محاذ سے پسپائی اختیار کرنی پڑی.... دشمن فوج کے سپاہی بادشاہ کو گرفتار کرنے کیلئے چپہ چپہ چھاننے لگے.... بادشاہ اپنی جان بچانے کیلئے بھاگتے بھاگتے ایسے پہاڑی مقام پر پہنچ گیا کہ جہاں ایک طرف گہری کھائی تھی اور دوسری جانب دشمن کے سپاہی اس کا پیچھا کرتے ہوئے قریب سے قریب ہوتے جا رہے تھے۔

اس صورتحال میں بادشاہ کو اچانک اس لفافے کا خیال آیا جو کہ اسے عمر رسیدہ دانشور نے دیا تھا.... اس نے فوراً اپنی جیب سے وہ لفافہ نکال کر کھولا، اس میں ایک کاغذ تھا، جس پر لکھا تھا کہ....

"یہ وقت بھی گزر جائے گا"....

بادشاہ نے حیران ہو کر تین چار مرتبہ اس تحریر کو پڑھا.... اسے خیال آیا کہ یہ بات تو بالکل صحیح ہے.... ابھی کل تک وہ اپنی سلطنت میں نہایت سکون کی زندگی گزار رہا تھا اور زندگی کے تمام عیش و آرام اسے میسر تھے.... جبکہ آج وہ دشمن کے سپاہیوں سے جان بچانے کیلئے دشوار گزار راستوں پر بھاگتا پھر رہا ہے....؟ جب آرام و عیش کے دن گزر گئے تو یقیناً یہ وقت بھی گزر جائے گا....!

یہ سوچ کر اس کی بے چین کیفیت کو قرار آ گیا اور وہ پہاڑ کے آس پاس کے قدرتی مناظر کو دیکھنے لگا.... کچھ ہی دیر میں اسے گھوڑوں کے سموں کی آوازیں معدوم ہوتی محسوس ہوئیں، شاید دشمن کے سپاہی کسی اور طرف بڑھ گئے تھے۔

بادشاہ ایک بہادر انسان تھا.... جنگ کے بعد اس نے اپنے ہمدردوں اور وفاداروں کا کھوج لگایا، جو آس پاس کے علاقوں میں چھپے ہوئے تھے.... اپنی بچی کھچی قوت کو جمع کرنے کے بعد اس نے دشمن پر حملہ کیا، کئی حملوں کے بعد انہیں شکست دے دی اور اپنے وطن سے انہیں نکال دیا.... جب وہ جنگ جیت کر اپنے دارالحکومت میں داخل ہو رہا تھا تو لوگوں کی بڑی تعداد اس کے استقبال کیلئے جمع تھی....

اپنے بہادر بادشاہ کا خیر مقدم کرنے کیلئے لوگ شہر کی فصیل، گھروں کی چھتوں غرضیکہ ہر جگہ پھول لئے کھڑے تھے اور تمام راستے اس پر پھول نچھاور کرتے رہے.... اور بادشاہ کی شان میں قصیدے گا رہے تھے....

اس لمحے اس نے سوچا.... دیکھو! لوگ ایک بہادر کا استقبال کیسے کرتے ہیں۔ میری عزت میں اب اور اضافہ ہو گیا ہے....

یہ سوچتے سوچتے اچانک اسے عمر رسیدہ مفکر کے دیئے ہوئے مقولے کا خیال آ گیا....

"یہ وقت بھی گزر جائے گا"....

اس خیال کے ساتھ ہی اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے.... اس کا فخر اور غرور ایک ہی لمحہ میں ختم ہو گیا اور اس نے سوچا کہ اگر یہ وقت بھی گزر جائے گا تو یہ وقت بھی میرا نہیں.... یہ لمحے اور یہ حالات میرے نہیں.... یہ ہار اور یہ جیت میری نہیں.... ہم صرف دیکھنے والے ہیں.... ہر چیز کو گزر جانا ہے اور ہم صرف ایک گواہ ہیں....

حقیقت یہی ہے کہ ہم صرف محسوس کرتے ہیں.... زندگی کے لمحات آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں.... خوشی اور غم کا بھی یہی حال ہے.... اپنی زندگی کی حقیقت کو جانچیں.... خوشی، مسرتوں، جیت، ہار اور غم کے لمحات کو یاد کریں.... کیا وہ وقت مستقل تھا؟....

وقت چاہے کیسا بھی ہو، آتا ہے اور چلا جاتا ہے....! زندگی گزر جاتی ہے.... ماضی کے دوست بھی بچھڑ جاتے ہیں.... آج جو دوست ہیں وہ کل نہیں رہیں گے.... ماضی کے دشمن بھی نہیں رہے اور آج کے بھی ختم ہو جائیں گے!.... اس دنیا میں کوئی بھی چیز مستقل اور لازوال نہیں.... ہر شئے متغیر ہے....! ہر چیز تبدیل ہو جاتی ہے لیکن تبدیلی کا یہ قانون نہیں بدلتا.... جب ہم اپنی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں یہ علم حاصل ہوتا ہے کہ ہر نیا لمحہ ہمارے اندر ایک نیا تغیر پیدا کر رہا ہے.... پیدائش کے بعد بچہ اپنے ماں باپ کا محتاج ہوتا ہے.... وہی بچہ پچیس تیس برسوں کے بعد اپنے ماں باپ کا سہارا بن جاتا ہے....! پچیس برس قبل کا جسم، شعور اور علم، سب کچھ تبدیل ہو گیا.... پچیس تیس برس مزید گزریں گے تو یہی نوجوان چہرہ جھریوں زدہ ہو جائے گا.... کیا کوئی ایسی چیز بھی ہے اس دنیا میں جس کے اندر تغیر نہیں ہے....؟

قلندر بابا اولیاءؒ اپنی رباعیات میں فرماتے ہیں:

اچھی ہے بری ہے دہر فریاد نہ کر
جو کچھ کہ گزر گیا اُسے یاد نہ کر
دو چار نفس عُمر ملی ہے تجھ کو
دو چار نفس عُمر کو بُرباد نہ کر

دنیا کی ہر چیز ایک ڈگر پر چل رہی ہے۔ نہ یہاں کوئی چیز اچھی ہے نہ بُری ہے۔ ایک بات جو کسی کے لیے خوشی کا باعث ہے وہی دوسرے کے لیے پریشانی اور اضمحلال کا سبب بن جاتی ہے۔ یہ دنیا معانی و مفہوم کی دنیا ہے جو جیسے معانی پہنا دیتا ہے اس کے اوپر ویسے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ پھر کیوں دنیا کے جھمیلوں میں پڑ کر وقت کو برباد کیا جائے۔ یہ جو دو چار سانس کی زندگی ہے اسے ضائع کر۔

سلسلۂ عظیمیہ کے زیرِ اہتمام
محفلِ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم
محفلِ میلاد کی اس بابرکت تقریب
میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
کی سیرتِ طیبہ کے مختلف گوشوں کا
بیان پیش کیا جائے گا۔
معروف نعت خواں خواتین و حضرات بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں
ہدیۂ نعت و صلوٰۃ والسلام پیش کریں گے۔
سلسلۂ عظیمیہ کے مرشد حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کی جانب سے اراکینِ سلسلۂ عظیمیہ اور
وحانی ڈائجسٹ کے محترم قارئینِ کرام کو اہلِ خانہ اور احباب کے ساتھ شرکت کی دعوت دی جاتی ہے۔
انشاء اللہ 4 جنوری 2015ء بروز اتوار
راچی میں ٹاؤنز کی سطح پر محافلِ میلاد کا انعقاد مورخہ 25 دسمبر 2014ء بروز جمعرات ہوگا۔
مزید تفصیلات کے لیے رابطہ کریں
کزی مراقبہ ہال: 021-36912786، روحانی ڈائجسٹ: 021-36688931
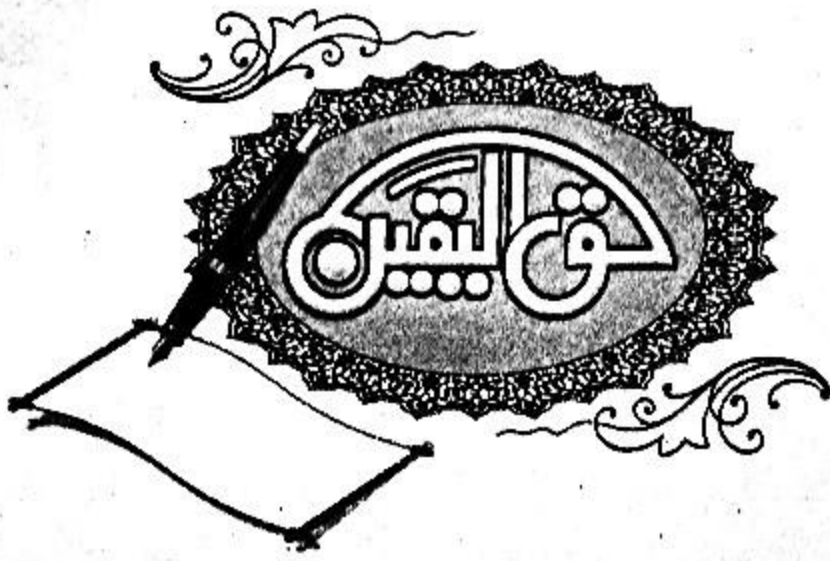
تصوف کیا ہے.....؟

انسان کو تصوف کی کیوں ضرورت ہے.....؟

ایک مسلمان کے لیے تصوف کی کیا اہمیت وافادیت ہے.....؟

تصوف کو علمی انداز میں سمجھنے اور اس سے بہتر طور پر استفادہ کے خواہشمند بہت سے لوگ مندرجہ بالا نکات کو سمجھنا چاہتے ہیں۔ ان نکات پر تصوف کے ایک طالب علم کی حیثیت سے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

انسان کی ہر کوشش ہر عمل کسی نہ کسی مقصد کے لیے ہوتا ہے۔ انسان کا ہر ظاہری کام اس کے باطن میں موجود نیت سے جڑا ہوا ہوتا ہے۔ کتنے ہی بظاہر اچھے کام، اچھے نتائج نہیں دیتے کیونکہ ان کاموں کے کرنے والوں کی نیت دراصل کچھ اور ہوتی ہے۔ اچھے اور مثبت نتائج کے لیے نیت کی سچائی، اخلاص اور خیر خواہی ضروری ہے۔ صدق نیت، اخلاص اور خیر خواہی کا تعلق ظاہر سے نہیں باطن سے ہے۔ انسان کی ذاتی زندگی میں جذبات واحساسات کی بہت اہمیت ہے۔ احساس اپنا اظہار فرد کی طرز فکر یا سوچ کے رنگ میں کرتا ہے۔ احساسات وجذبات اور طرز فکر یا سوچ کا تعلق باطن سے ہے۔

انسان کی اجتماعی یا معاشرتی زندگی میں ظاہری کاموں کی اہمیت ہے۔ مثال کے طور پر دنیا بھر میں فوج یا پولیس میں افسر کے احترام کے کچھ انداز مقرر کردیے گئے ہیں۔ ماتحت افسر کے پاس حاضر ہوگا یا ماتحت کا افسر سے آمنا سامنا ہوگا تو ماتحت افسر کو سلیوٹ کرے گا۔ اب جو ماتحت کسی افسر کو سلیوٹ کر رہا ہے ضروری نہیں کہ وہ دل سے بھی اس کا احترام کر رہا ہو بلکہ ہوسکتا ہے کہ اپنے افسر کو سلیوٹ کرنے والا کوئی ماتحت دل ہی دل میں اس افسر کو برا بھلا کہہ رہا ہو۔ کوئی ماتحت اپنے افسر کو سلیوٹ نہ کرے تو اسے سزا کا سامنا ہوسکتا ہے لیکن سلیوٹ کرتے وقت دل میں احترام نہ رکھے تو اسے کوئی سزا نہیں دی جاتی کیونکہ ضابطوں کی کاروائی کا اطلاق ظاہری عمل پر ہوتا ہے، نیت پر یا باطن میں موجود جذبوں پر نہیں، البتہ باطن میں موجود جذبہ کا منفی اثر اس ٹیم کی مجموعی کارکردگی پر پڑے گا۔ کوئی حکمران یا سیاسی لیڈر اپنے علاقے میں ترقیاتی کاموں کے لیے کروڑوں روپے مختص کرنے کا اعلان کرتا ہے۔ لوگ اس کے اعلان پر تالیاں بجاتے ہیں لیکن ہوسکتا ہے کہ اس کے ذہن میں یہ بات ہو کہ ترقیاتی منصوبے کی آڑ میں اپنے خاندان والوں یا اپنے سیاسی ورکروں کو ناجائز فائدہ پہنچایا جائے۔ ضابطوں کی تکمیل کرلینے کے باعث ایسا شخص بدعنوانیوں کے باوجود قانون کی پکڑ میں نہیں آتا تاہم اس کی بدنیتی کا منفی اثر عوام کی

حالت پر کسی نہ کسی طرح ظاہر ہوگا۔ عوام کی طرف سے ملنے والے اختیارات یا عوامی رقم کے درست استعمال کے لیے حکمرانوں اور اہلکاروں کو ضابطوں سے زیادہ صدقِ نیت اور اخلاص کی ضرورت ہے۔ معاشی قوانین و ضابطے ظاہری اعمال کی نگرانی کرتے ہیں جبکہ صدقِ نیت اور اخلاص کا تعلق باطن سے ہے۔

تصوف کا تعلق پہلے تو انسان کے باطن سے اور پھر ظاہر سے ہے۔ تصوف انسان کے باطن پر اثر انداز ہو کر اس کے ظاہر کو سنوارتا ہے۔ تصوف کے زیرِ اثر تربیت و تعلیم کے ذریعہ انسان تزکیہ نفس کے مراحل طے کرتا ہے۔ اس کی باطنی صفائی ہوتی ہے۔ انسان کی سوچ میں پازیٹیوٹی اور نیت میں سچائی آتی ہے۔ اس صفائی اور تزکیہ کا ایک نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان کے ظاہری کام اور اس کی نیت میں تضاد نہیں رہتا۔

تصوف دنیا بیزاری یا بدخشک کا نام نہیں۔ صوفی مرشد کا ارادت مند یہ بات جان لیتا ہے کہ حقیقی خوشی انسان کے اندر سے پھوٹتی ہے۔ تصوف کا ایک کمال یہ ہے کہ اس کے وابستگان خوشی کے ظاہری و عارضی ذرائع کے محتاج نہیں رہتے بلکہ ان کی رسائی خوشی کے باطنی سرچشموں تک ہو جاتی ہے۔ صوفی اپنی ذات میں یقین اور اطمینان کا مرکز ہوتا ہے۔ خوشی اس کے اندر سے پھوٹتی ہے اور خوشی اور سکون کی ان لہروں کو کئی دوسرے لوگ بھی محسوس کرتے ہیں۔ تزکیہ نفس کے مراحل طے کرواتے ہوئے تصوف انسان کو اس کی اصل سے واقف کرواتا ہے۔ انسان کو اس کے واحد و یکتا خالق اللہ کے عرفان کی اہمیت بتاتا ہے اور عرفانِ الٰہی کی راہوں پر چلاتا ہے۔

اپنے ان افعال یا کردار کے باعث تصوف ہر انسان کی ضرورت ہے خواہ اس کا تعلق کسی بھی مذہب یا معاشرے سے ہو۔

آیئے! اب اس نکتہ پر غور کرتے ہیں کہ ایک مسلمان کے لیے تصوف کی کیا اہمیت و افادیت ہے.....؟

اسلام کے پیغام کا مرکزی نکتہ توحید ہے۔ اسلامی تعلیمات کا مرکز و محور اس کائنات کے خالق و مالک اللہ پر دل سے ایمان لانا ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ کے آخری نبی و رسول ﷺ ہیں۔ حضرت محمد ﷺ کے قلب اطہر پر اللہ کی آخری کتاب قرآن کا نزول ہوا۔ قرآنی آیات اور حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات نوعِ انسانی کی فلاح و کامرانی کا ذریعہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ مسلمانوں کو اللہ کی مرضی، اللہ کی مشیت اور اللہ کے احکامات سے آگاہی ہوئی۔ صلوٰۃ (نماز)، صوم (روزہ)، زکوٰۃ اور حج کی فرضیت کے احکام مسلمانوں کو قرآن کے ذریعہ دیے گئے۔ ان احکامات کے مقاصد کیا ہیں؟ امت مسلمہ کو ان باتوں کا علم قرآنی آیات اور حضرت محمد ﷺ کے ارشادات سے ہوا۔

اللہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے پانچ وقت صلوٰۃ کیسے قائم کی جائے یہ حضرت محمد ﷺ نے خود عمل کرکے بتایا۔ صلوٰۃ کے طریقہ ادائیگی کے ساتھ ساتھ حضرت محمد ﷺ نے اپنی امت کو صلوٰۃ کے مقاصد سے بھی واضح طور پر آگاہ فرمادیا۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ مومن کو عبادت میں، صلوٰۃ میں مرتبہ احسان حاصل ہوتا ہے۔ مرتبۂ احسان یہ ہے کہ جب تم عبادت کرو تو یہ محسوس کرو کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم یہ محسوس نہ کرسکو تو یہ محسوس کرو کہ اللہ تم کو دیکھ رہا ہے۔

صلوٰۃ کی ادائیگی کے لیے کچھ شرائط ہیں مثلاً صلوٰۃ قائم کرنے والے بندے کا جسم پاک ہو، وہ باوضو ہو، جس جگہ صلوٰۃ قائم کی جائے وہ پاک ہو، صلوٰۃ ادا کرتے وقت بندہ قبلہ رُخ ہو، جو صلوٰۃ ادا کی جارہی ہے مثلاً فجر یا ظہر کا وقت ہو۔ اس کے بعد صلوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ معلوم ہونا چاہیے یعنی کس صلوٰۃ میں کتنی رکعات ادا کرنی ہیں۔ قیام، رکوع، سجود، قعدہ میں کیا پڑھنا

ہے...... ان سب اُمور کا تعلق دینِ اسلام کے شعبہ فقہ سے ہے۔ وضو، استقبال قبلہ، ادائیگی صلوٰۃ کے طریقے سیکھنے کے لیے ایک مسلمان کو فقہ کے عالم کی یا عالم ظاہر کی شاگردی کی ضرورت ہے۔

بہت سے لوگ یہ بتاتے ہیں کہ وہ جیسے ہی نماز شروع کرتے ہیں ان کے ذہن میں اِدھر اُدھر کے خیالات کی یلغار شروع ہو جاتی ہے۔ بعض لوگوں کو تو کئی مرتبہ یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ ہم کس رکعت میں ہیں۔

دورانِ نماز یکسوئی نہ ہونا یا نماز میں دل نہ لگنا مسلمان مردوں اور عورتوں کا ایک بہت عام مسئلہ ہے۔ صلوٰۃ میں ذہنی یکسوئی اور حضوری قلب کیسے ہو؟ یہ معاملہ عالم ظاہر سے متعلق نہیں ہے۔ عبادات میں حضوریٔ قلب کا تعلق انسان کے قلب و روح سے ہے۔ انسان کے باطن سے ہے۔ چنانچہ حضوریٔ قلب سے متعلق رہنمائی عالم باطن یعنی اہل تصوف سے یا صوفی سے ملے گی۔

ایک مسلمان کے لیے دین کے ظاہری و باطنی دونوں پہلوؤں کو سمجھنا اور انہیں قرار واقعی اہمیت دینا ضروری ہے۔ اسلام کی خصوصیت یہ ہے کہ اس دین میں ظاہری و باطنی اور روحانی و مادی زندگی کا بہترین توازن اور اعتدال پایا جاتا ہے۔

ایک مسلمان کو دینی معاملات میں رہنمائی کے لیے ظاہری علوم کے ماہر کی بھی ضرورت ہے اور باطنی علوم کے ماہر یعنی صوفی کی بھی ضرورت ہے۔ یہ دونوں ذمہ داریاں کسی ایک ہستی کے ذریعہ بھی ادا ہو سکتی ہیں یا علیحدہ علیحدہ ہستیوں سے رہنمائی مل سکتی ہے۔ علمائے ظاہر سے ملنے والی رہنمائی احکامات کی درست انداز تعمیل کے لیے ضروری ہے جبکہ علمائے باطن کی رہنمائی اُن احکامات کے مقصد کی تکمیل کے لیے ضروری ہے۔

تصوف خالقِ حقیقی کو جاننے اور پہچاننے کے لیے ایک ایسے راستے پر قدم رکھ دینا ہے جو راستہ اللہ تک لے جاتا ہے۔ تصوف کا منتہا اللہ وحدہٗ لاشریک کی صفات کا عارف ہونا اور توحید باری تعالیٰ کا حقیقت شناس بننا ہے۔ ان اوصاف کا حامل صوفی سچا اور پکا موحد ہوتا ہے گویا وہ مسلم سے مومن کے درجے میں داخل ہو جاتا ہے۔

تصوف کی تعلیمات دراصل مسلم سے مومن کا سفر طے کرنے کی تعلیمات ہیں.....!

حضرت امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں:

"سزاوارِ حمد وہ ذات ہے جس نے اپنے بندوں کو اپنی حمد کا الہام فرمایا۔ دین میں سب سے پہلی چیز اللہ کی معرفت ہے"۔

معرفت کی راہوں پر چلنے کے لیے درست رہنمائی تصوف کے ذریعے ملتی ہے۔

ان مقاصد کے حوالے سے ہر مسلمان کے لیے تصوف کی اہمیت و افادیت بالکل واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے۔

اپنے خالق اللہ سے محبت کی خواہش ہر انسان کے دل کی گہرائیوں میں موجود ہے۔ اللہ سے محبت، اللہ سے قربت، اللہ سے عشق روح کا تقاضہ ہے۔ روح اپنے خالق کو پانا چاہتی ہے۔

آیئے تھوڑی دیر کے لیے۔ تمثیلی انداز اختیار کرتے ہیں۔ یوں سمجھ لیجیے کہ اپنے خالق اللہ سے محبت ہر انسان کے دل میں گویا ایک بیج کی شکل میں موجود ہے۔ لیکن لوگ عموماً اس کی موجودگی سے بے خبر رہتے ہیں۔ صوفی مرشد پہلے تو اپنے شاگرد کو اس بیج کی موجودگی محسوس کرواتا ہے۔ مرشد کے زیرِ تربیت شاگرد جب اس بیج کو محسوس کرنے لگتا ہے تو پھر مرشد محبت و عشق کے اِس بیج کی آبیاری اور نشوونما کا اہتمام کرواتا ہے۔ اس بیج کی نشوونما کے لیے سازگار ماحول اور مناسب دیکھ بھال ضروری ہے۔ تربیت کے مختلف مراحل کے ذریعہ باطن میں پائی جانے والی مختلف کثافتوں کو دور کرنا اور لطافت

کا حصہ ہے۔
ابھارنا عشق کے اس بیج کے لیے سازگار ماحول کی فراہمی کا حصہ ہے۔
حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے علوم کے وارث صوفی مرشد کی صحبت اور نظر شاگرد کی سوچ اور فکر پر اثر انداز ہو کر اس کی نیت کو صفائی اور سچائی بخشتی ہے۔ اس میں خیر خواہی اور محبت کے جذبات پروان چڑھاتی ہے۔ صوفی مرشد کے شاگرد کا سفر عشق کے اولین درجے سے یعنی عشق مجازی سے شروع ہو کر مرحلہ وار عشق کے اعلیٰ درجات یعنی عشق حقیقی کی طرف بڑھتا ہے۔
راہِ عشق کے مسافر کو صوفی مرشد عشق کے آداب بتاتا اور سکھاتا ہے۔ شاگرد بقدر ظرف فیض پاتا ہوا زندگی کی حقیقی مسرتوں کو پانے لگتا ہے۔
محبت اور عشق کا تعلق انسان کے باطن سے ہے۔ عام انسانی زندگی میں محبت ابتدائی درجے کے جذبات پر مشتمل جذبہ ہے اس کا زیادہ تر تعلق شعور اور کچھ تعلق لاشعور سے ہے جبکہ عشق نہایت گہرے اور انتہائی محترم احساسات کا مجموعہ ہے۔ عشق کا تعلق لاشعور اور وجدان سے ہے۔ عشق میں بے چینی، بے قراری، اضطراب، درد، تڑپ اور راحت، تسکین، قرار، بے انتہا خوشی، اطمینان غرض مختلف اور بعض متضاد کیفیات بھی پائی جاتی ہیں۔ عشق کی راہ پر آگہی کے سفر میں ہر کیفیت کی اپنی اہمیت اور اپنا کردار ہے جس ہستی سے دوری پر دل بے چین، بے قرار اور اداس رہتا ہے اس سے ملے بغیر اسی کے تصور سے خوشی اور توانائی بھی پا رہا ہوتا ہے۔ عشق نا صرف یہ کہ ایک بہت عظیم طاقت ہے بلکہ بہت بڑی توانائی کا ایک نہایت عظیم منبع (Origin) بھی ہے۔ اللہ کی نشانیوں پر تفکر کرتے ہوئے تسخیر کائنات کی خواہش اور کوشش بھی کئی معنوں میں عشق سے وابستہ ہے۔
صوفی مرشد اپنے شاگرد کو عشق کی مختلف کیفیات سے آگہی دینے کے بعد عشق کی عظیم طاقت سے واقف کرواتا ہے۔ عشق کی یہ طاقت ساری کائنات میں کارفرما ہے۔ اس عشق کا نہایت اعلیٰ درجہ عشق محمدیؐ ہے۔ اللہ کی معرفت کی راہوں میں چلنے والوں کے لیے حضرت محمد ﷺ کا عشق رہنمائی، آگہی، یقین اور اطمینان کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ راہِ سلوک کا مسافر معرفت کے سفر میں جب عشق رسولؐ کے حقیقی جذبات سے سرشار ہوتا ہے تو اُسے وجدان کی اعلیٰ استعداد عطا ہو جاتی ہے۔ اس خوش نصیب کی ذات نورِ نبوت سے منور ہو جاتی ہے۔
اسی کیفیت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے ہمارے امام باب العلم حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں۔
"رب العزت کے کچھ مخصوص بندے ہمیشہ موجود رہے ہیں کہ جن کی سرگوشیوں کی صورت میں (اللہ حقائق و معارف کا القاء کرتا ہے اور ان کی عقلوں سے) الہامی آوازوں کے ساتھ کلام کرتا ہے چنانچہ انہوں نے اپنی آنکھوں، کانوں اور دلوں میں بیداری کے نور سے (ہدایت و بصیرت کے) چراغ روشن کیے۔"

حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کی تحریریں میں شوق سے پڑھتا ہوں۔ اس مرتبہ صدائے جرس میں "آدمی کیا ہے اور اس کی صلاحیتوں کی حد کہاں تک ہے....؟ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے علاوہ خطبات عظیمی اور روحانی سوال وجواب مجھے سیکھنے، سمجھنے اور غور کرنے کا موقع میسر کرتے ہیں۔

(جمشید اختر۔ سیالکوٹ)

میں چار سال سے روحانی ڈائجسٹ کا مستقل قاری ہوں۔ نومبر کے شمارے میں "فوبیا" پر ایک مضمون پڑھا تو مجھے اپنی بیس سالہ بھانجی یاد آگئی۔ وہ سندھ کے ایک چھوٹے سے قصبے میں رہتی ہے اور کچھ اسی قسم کی کیفیات سے دوچار ہے۔ وہ ہر وقت خوفزدہ اور گم سم رہتی ہے۔ لوگوں کے خیال میں اس پر اثرات ہیں، لیکن روحانی ڈائجسٹ کے ذریعے سے ملنے والی آگہی سے میرا یہ خیال ہے کہ اسے فوبیا کا مرض لاحق ہو گیا ہے۔

(کمال الدین۔ رحیم یار خان)

روحانی ڈائجسٹ نے ملالہ یوسف زئی اور عبدالستار ایدھی کے بارے میں جو آرٹیکل تحریر کیا وہ دو بڑی شخصیات کی جدوجہد کا احوال ہے۔ مگر خوفناک بات ایدھی صاحب کے آفس میں ڈکیتی کی واردات ہے۔ اس مضمون میں ایدھی صاحب کا یہ جملہ میرے ذہن میں ہر وقت گردش کرتا رہتا ہے۔ "میرا دل ٹوٹ گیا ہے۔"

(محمد ارشد نظیر۔ اسلام آباد)

میرے ایک دوست پاکستان سے نیویارک آئے تو میری درخواست پر روحانی ڈائجسٹ بھی ہمراہ لائے۔ نومبر کے شمارے میں ذہن کی حد کہاں تک....؟ معلوماتی آرٹیکل تھا۔ اس کے علاوہ غیبی آوازیں، عالم امروز اور عقل حیران ہے....! سائنس خاموش ہے۔ اچھی تحریریں تھیں مجموعی طور پر روحانی ڈائجسٹ ایک مکمل فیملی میگزین ہے۔

(محمد اوصاف۔ نیویارک)

روحانی ڈاک تمام فیملی کا پسندیدہ سلسلہ ہے۔ چند ماہ قبل تک میں اپنے شوہر کی وجہ سے بہت پریشان تھی۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر مجھ سے خفا ہو جایا کرتے۔ اس

اپنے تاثرات روحانی ڈائجسٹ کی ویب سائٹ اور فیس بک پیج پر بھی میسج یا پوسٹ کر سکتے ہیں۔

ای میل: roohanidigest@yahoo.com

فیس بک: facebook.com/roohanidigest

ویب سائٹ: www.roohanidigest.net

بذریعہ ڈاک: 1-D, 1/7، ناظم آباد کراچی 74600۔

مسئلے کے حل کے لیے میں نے روحانی ڈاک میں بتائی گئی باتوں پر عمل کیا۔ اب شوہر کا غصہ کافی کم ہو گیا اور وہ گھر پر بھی توجہ دینے لگے ہیں۔

(شہانہ شاہد۔ آزاد کشمیر)

نومبر کا روحانی ڈائجسٹ ملا۔ اس مرتبہ کا ٹائیٹل بہت خوبصورت ہے۔ رسالے کی تحریریں عمدہ اور معیاری ہیں۔ کور اسٹوری "ذہن کی حد کہاں تک....؟" دماغ کی وسعت کے بارے میں غور و فکر کی دعوت دیتی ہے۔

(عبدالمجید۔ فیصل آباد)

شاہینہ جمیل صاحبہ کی فلینگ شوئی اپنے گھر میں اپلائی کرکے تمام اہل خانہ کی داد وصول کررہی ہوں۔ فینگ شوئی میرے نزدیک گھر کی تزئین و آرائش کا آسان طریقہ ہے۔

(سیما اسلم۔ کراچی)

روحانی ڈائجسٹ میں ان دنوں ماضی کے برعکس ایسے سلسلے نظر نہیں آرہے جن میں قارئین بھی عملی طور پر حصہ لے سکیں۔ حالانکہ ماضی میں ذہن آزمائش میں سوال جواب کا دلچسپ سلسلہ شروع کیا گیا تھا۔ جن میں قارئین کے لیے معلومات بھی تھیں اور وہ عملی طور پر اس میں حصہ بھی لے سکتے تھے۔ میری آپ سے درخواست ہے کہ ان سلسلوں کو دوبارہ شروع کریں۔

(محمد شاہد خان۔ شارجہ)

بیس سال سے روحانی ڈائجسٹ کا قاری ہوں۔ اس دوران کسی بھی شمارہ کے مطالعہ میں ناغہ نہیں آیا۔ اس کی وجہ روحانی ڈائجسٹ کی معیاری تحریریں ہیں۔ میں ہی نہیں میرے گھر کے تمام افراد روحانی ڈائجسٹ کا بہت اہتمام سے مطالعہ کرتے ہیں۔ نومبر کے شمارہ کا ابتدائی آرٹیکل ذہن کی حد کہاں تک، انتہائی معلوماتی تھا۔ نومبر کے شمارے میں شائع کردہ آرٹیکل غیبی آوازیں بھی پر تجسس تھا۔

(محمد طارق علوی۔ راولپنڈی)

نومبر کا روحانی ڈائجسٹ سرسری طور پر دیکھنے کے بعد اپنی پسندیدہ کہانی آگیا بیتال پڑھنا شروع کردی۔ اس کہانی کا پورے ماہ شدت سے انتظار رہتا ہے۔ اس کے علاوہ جیتی جاگتی زندگی اور اس ماہ میرے پسندیدہ سلسلے ہیں۔

(رؤف امجد۔ ملتان)

روحانی ڈائجسٹ میں صحت کے آرٹیکل خاص طور پر طبی مشورے اور گھر کا معالج مجھے زیادہ پسند ہیں۔ ہمیں اپنے کئی مسائل کے بارے میں درست معلومات اور رہنمائی مل جاتی ہے۔

(رمضان علی۔ خیر پور)

مجھے روحانی ڈائجسٹ میں شائع کردہ سلسلے وار کہانیاں آگیا بیتال اور پارس بہت پسند ہیں۔ ہر ماہ اس کا شدت سے انتظار کرتی ہوں۔

(ریحانہ گل۔ پشاور)

ہمارے گھر میں دادا کے دور سے روحانی ڈائجسٹ آرہا ہے۔

اس میں فیملی کے ہر فرد کی دلچسپی کے آرٹیکل ہوتے ہیں۔ مجھے دسترخوان اور ٹوٹکے پسند ہے۔ دادا طبی مشورے اور گھر کا معالج پسند کرتے ہیں جبکہ چھوٹی بہن کو کہانیاں، افسانے اور ابو کو روحانی ڈاک پسند ہے۔

(سیمہ ناز۔ کوئٹہ)

حضرت بابا فرید گنج شکر... بیت المقدس میں

بابا فرید نے بیت المقدس میں قیام کیا، یہاں جھاڑو دی اور راتوں کو عبادت میں مصروف رہے....
بیت المقدس میں بابا فرید کا آستانہ آج بھی موجود ہے۔
سہارن پور کے شیخ محمد منیر انصاری اس آستانہ کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔

صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں یروشلم کی فتح کے کچھ عرصہ بعد تقریباً 1200 عیسوی میں ہندوستان سے آئے ہوئے ایک درویش نے اس شہر میں قدم رکھا۔ درویش کا نام فرید الدین مسعود اور لقب گنج شکر تھا۔ ان کا تعلق بھارت، پاکستان اور افغانستان بھر میں پھیلے ہوئے مشہور چشتیہ سلسلے سے تھا۔ آج بھی ان تینوں ممالک میں ہزارہا لوگ اس صوفی بھائی چارنے کا حصہ ہیں اور یہ سلسلہ چل رہا ہے۔

برصغیر میں چشتیہ سلسلے کے عظیم صوفی بزرگ شیخ العالم حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر 1173ء میں ملتان کے ایک قصبے میں پیدا ہوئے اور 1265ء کو 93 برس کی عمر میں پاکپتن میں خالق حقیقی سے جا ملے۔

مستند روایات کے مطابق برصغیر پاک و ہند میں سلسلہ چشتیہ کی سعادت و رہنمائی کا کار عظیم حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر کے سپر ہونے سے قبل تقریباً 18 برس (1196ء تا 1214ء) آپ سفر و سیاحت میں رہے، اس طویل سیاحت کے دوران آپ نے قندھار، بلخ، بخارا، غزنی، خراسان چشت، سیستان، کرمان، بصرہ، کوفہ، بغداد، بدخشاں، قندھار، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور بیت المقدس کے سفر کیے۔ حرمین شریفین میں آپ نے کئی سال جاروب کشی کی۔

بابا فرید گنج شکر کی سوانح حیات لکھنے والے کہتے ہیں یروشلم میں بابا فرید اپنا زیادہ تر وقت مسجد اقصیٰ کے اردگرد پتھر کے فرش پر جھاڑو لگاتے یا روزہ رکھ کر اس قدیم شہر کے اندرون میں واقع ایک غار میں عبادت میں مصروف رہتے۔ بیت المقدس میں آپ کا قیام حضرت سیدنا ابراہیم ادھم بلخیؒ کے مزار مبارک کے قریب تھا۔ بابا فرید گنج شکرؒ کا سلسلۂ نسب حضرت ابراہیم بن ادھمؒ اور فاتح بیت المقدس حضرت عمر فاروقؓ دونوں سے ملتا ہے۔ (تاریخ فریدی)

کوئی نہیں جانتا کہ بابا فرید کتنا عرصہ بیت المقدس میں رکے، لیکن گنج شکر کے لقب سے شہرت پانے والے اس مرد قلندر کے نام پہ قائم زاویے آج بھی فلسطین میں ملتے ہیں۔ بابا فرید کی پنجاب واپسی اور پھر سلسلۂ چشتیہ کے سربراہ بننے کے برسوں بعد تک بھی ہندوستان سے حج کے ارادے سے جانے والے لوگ مکہ کے راستے میں یروشلم میں قیام کرتے رہے۔ ان کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ اس مقام پر نماز پڑھیں جہاں بابا

فرید نے نماز پڑھی تھی اور اس جگہ سوئیں جہاں بابا فرید سوئے تھے۔ دھیرے دھیرے بابا فرید کی یادوں سے منسلک جگہ پر "الزاویۃ الہندیہ" اور "الزاویۃ الفریدیہ" کے نام سے آستانہ بن گیا اور ایک چھوٹا سا مہمان خانہ بھی جہاں ہندوستانی حاجی قیام کرتے تھے۔

عربی زبان میں زوی کے معنی مڑنا، کونا بنانا، ایک طرف کو ہو جانا۔ زاویہ کا معنوی مطلب ہے جہاں انسان گوشہ نشین ہو کر عبادت کے لیے بیٹھ جائے۔

حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی کتاب تذکرہ قلندر بابا اولیاء میں فرماتے ہیں: "علم و فضل کے اداروں کا جائزہ لیتے ہوئے ہمیں صوفیاء کے مراکز کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے، ان مراکز کو زاویہ یا خانقاہ کہا جاتا ہے۔ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں یہ مراکز صوفیوں کے اجتماعات کے مقام تھے جہاں وہ جمع ہو کر مراقبہ اور دیگر روحانی ریاضتیں کرتے تھے۔ وہ لوگ جنہیں رسمی علم سے اطمینان نہیں ہوتا تھا یہاں آکر ایقان کی روشنی اور حقیقت کے طالب ہوتے تھے۔ وہ کتابی علمی بحث و تمحیص یعنی قیل و قال کو خیر باد کہہ دیتے تھے اور اپنے روحانی رہنماؤں کی ہدایت کے مطابق غور و فکر (حال) سے انضباط حاصل کرتے تھے۔ اسی لئے عارفوں اور استدلال پسندوں یعنی باطنی علم رکھنے والوں اور ظاہری علم رکھنے والوں کو بالترتیب صاحبان حال اور صاحبان قال کہا جاتا تھا۔ صوفیوں کے مرکز درحقیقت علمی مراکز ہوتے تھے لیکن وہاں جو علم سکھایا جاتا تھا وہ کتابوں میں نہیں ملتا تھا۔ ان مراکز میں شائقین روحانیت مراقبہ کے ذریعے علم کی بلند ترین صورت یعنی باطنی اور روحانی علم کا ادراک کرتے تھے۔ جس کی تحصیل کے لئے روح اور ذہن کی پاکیزگی ضروری ہوتی ہے۔ عالم اسلام کے مشرقی علاقوں میں منگولوں کے حملے کے نتیجے میں معاشرے کے خارجی اداروں کی تباہی کے بعد کوئی ایسی تنظیم نہیں تھی جو تعمیر نو کا کام شروع کرنے کے قابل ہوتی ماسوائے صوفیوں کے سلسلے کے جنہیں معاشرے کا نذر طبقہ کہا جاسکتا ہے۔ (تذکرہ قلندر بابا اولیاء)

13ویں صدی میں تین براعظموں (جنوب مشرقی یورپ، مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ) پر پھیلی مسلم سلطنت خلافت عثمانیہ کے حکمرانوں نے صوفیہ کی چلہ گاہوں، خانقاہوں اور تکیوں کو "زاویے" کی شکل دی، اس کے بعد زاویے تیزی سے پھیل گئے اور مراکش، لیبیا، تیونس، الجزائر، شام، قبرص، فلسطین، ترکی، اندلس، اطالیہ میں قائم ہونے لگے۔

آج آٹھ صدیوں سے زیادہ عرصہ گزرنے کے بعد بھی وہ زاویہ جہاں بابا فرید گنج شکرؒ نے قیام کیا شہر یروشلم میں باب الساہرۃ Herod's Gate اور بیت المقدس کے قریب موجود ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے ایک ایسے شہر میں کہ جہاں زمین کے چپے چپے پر ہر کوئی پوری شدت سے اپنا تاریخی حق جتاتا ہے وہاں یہ جگہ اب بھی ایک ہندوستانی گھرانے کے ہاتھ میں ہے۔ اس سرائے کے موجودہ رکھوالے 86 سالہ محمد منیر انصاری جنگ عظیم دوم سے پہلے سے اس مقام پر رہ رہے ہیں اور وہ ان تاریخی دنوں کے گواہ ہیں جب فلسطین کی سرحد اس سرائے کے مرکزی دروازے تک محدود ہو گئی۔

بی بی سی کی ایک رپورٹ کے مطابق منیر انصاری بتاتے ہیں کہ: "یہاں کے تمام رہائشی ہندوستانی تھے۔ لگتا تھا کہ میں ہندوستان میں ہی ہوں۔ اس زمانے میں لوگ بحری جہاز سے آتے تھے۔ وہ کھانے کی اشیاء، چاول، حتیٰ کہ اپنا نمک بھی ہندوستان سے ساتھ لاتے تھے۔ آپ جیسے ہی سرائے کے اندر داخل ہوتے، آپ

یروشلم میں زاویۃ الہندیہ کا بیرونی اور اندرونی منظر

کو ہندوستانی کھانوں کی خوشبو آنا شروع ہو جاتی اور آپ دیکھتے کہ یہاں رکے ہوئے مسافر اپنے کپڑے دھو کر یہاں صحن میں سوکھنے کے لیے پھیلا رہے ہیں۔"

جنگِ عظیم کی وجہ سے یہاں حاجیوں کا سلسلہ رک گیا اور منیر انصاری کا رنگین بچپن بھی ختم ہو گیا۔ سرائے میں حاجیوں کی بجائے فوجی قیام کرنے لگے اور یہ جگہ "انڈین فورتھ انفینٹری ڈویژن" کے ان فوجیوں کی لیے مختص ہو گئی جنھوں نے سنہ 1948 میں عربوں اور اسرائیل کے درمیان پہلی جنگ کے آغاز پر فوج کی نوکری چھوڑ دی تھی۔ جب منیر انصاری اپنے والد کی جگہ "شیخ" یا سرائے کے نگہبان بنے، اس وقت تک گولہ باری اور فلسطینی مہاجرین کی بہتات کی وجہ سے سرائے کی عمارت خاصی خراب ہو چکی تھی۔ لیکن، ابھی اس سے بھی زیادہ برا وقت آنے والا تھا۔ سنہ 1967 کی چھ روزہ عرب اسرائیل جنگ میں جب اسرائیلی فوجیں گولے برساتی ہوئی شہر میں داخل ہوئیں تو سرائے کی عمارت بھی گولوں کی زد میں آ گئی۔

"67ء کی جنگ پیر پانچ جون کو شروع ہوئی۔ جب اسرائیلی فوجی سرائے پر بمباری کر رہے تھے تو شیخ منیر اپنے بیوی بچوں کو لے کر ایک کمرے سے دوسرے کمرے کی طرف بھاگ کر جان بچانے کی کوشش کر رہے تھے۔ جب وہ بابا فرید کے آستانے کے قریب پہنچے تو ان کے قریب ہی ایک گولہ پھٹا۔ آستانے کی چھت نیچے آن گری۔ شیخ منیر کا چہرہ اور ہاتھ بری طرح جھلس گئے۔ انھوں نے اسی حالت میں زندہ بچ جانے والے عزیزوں کو ملبے سے نکالنا شروع کر دیا، لیکن ان کی والدہ، بہن اور دو سالہ بھانجا جاں بحق ہو چکے تھے۔ انہیں ہسپتال جانا پڑا

"ہم گھر لوٹے تو بہت اداس، بہت غمزدہ تھے۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں اس وقت کیا حالت ہو گی۔ زیادہ تر کمرے تباہ ہو چکے تھے۔ میرے اپنے ہاتھ جل چکے تھے، میری آنکھیں بند تھیں اور میرے سارے بال جل چکے تھے۔ بہت بری حالت تھی ہماری۔"

شیخ منیر کی حالت اچھی تھی یا بہت بری، لیکن انھیں ایک بات پتہ تھی اور وہ یہ سرائے کو چھوڑ جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اس کی تاریخ اتنی قدیم تھی، اتنی قدیم کہ اس جگہ کے ساتھ ان دنوں کی یادیں منسلک ہیں جب صلاح الدین ایوبی یروشلم میں اپنے پاؤں جما رہے تھے۔

بابا فرید نے جس بیت المقدس میں قدم رکھا تھا وہ تقریباً نصف صدی تک عیسائیوں کے ہاتھ میں رہنے

بیت المقدس کے قریب "زاویۃ الفریدیہ" آستانے کا وہ مقام جہاں بابا فرید عبادت کرتے تھے۔

کے بعد کچھ ہی عرصہ پہلے مسلمانوں کے ہاتھ آیا تھا۔ اس وقت تک صلیبی طاقتیں بحیرہ روم کے ساحلوں پر ایک عرصے سے رہ چکی تھیں اور وہ اس خطے سے واپس نہیں گئی تھیں۔ صلاح الدین ایوبی جانتے تھے کہ اگر مسلمانوں نے بیت المقدس اپنے ہاتھ میں رکھنا ہے تو اس کے لیے انہیں نہ صرف صلیبی فوجوں کا مقابلہ کرنا ہوگا بلکہ اس شہر سے انہیں شدید لگاؤ ہونا چاہیے۔ اس کام کے لیے صوفیوں کا کردار بہت اہم تھا۔ اسلام کے ابتدائی ایام سے ہی یروشلم دنیا بھر کے صوفیوں کو اپنی جانب کھینچتا رہا ہے۔ ان لوگوں میں کچھ عجیب و غریب کردار بھی شامل تھے۔ کچھ روشنی کی تلاش میں ننگے پاؤں قصبہ قصبہ پھر رہے تھے اور کچھ مجنون جو صحرا میں اونی چوغے پہنے پھرتے رہتے تھے اور جہاں رات پڑتی وہاں ریت پر ہی سو جاتے تھے۔ اس کے علاوہ ان لوگوں میں وہ تارکِ دنیا کردار بھی شامل تھے جو خدا کی یاد میں گریہ کرتے اور محبت کے گیت گاتے قریہ قریہ پھرتے رہتے تھے۔ لیکن ان صوفیوں کے ماننے والوں کی تعداد کبھی کم نہیں ہوئی۔

شہر کو فتح کرنے کے بعد صلاح الدین ایوبی نے گنبدِ صخرا کے نیچے چٹان کو عرق گلاب سے غسل دلوایا۔ صلاح الدین نے اس متبرک شہر میں صوفیوں کا کھلے بازوؤں کے ساتھ استقبال کیا اور صوفیانہ اظہارِ عقیدت کی حوصلہ افزائی کی۔ کئی صدیوں بعد اسی ماحول میں ہندوستانی حاجیوں کا پہلا قافلہ پنجاب کی روائتی دھنوں اور سازوں کے ساتھ بابا فرید کی سرائے پر پہنچا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ حاجی اپنی پنجابی دھنوں میں بابا فرید کا کلام ہی گا رہے ہوں۔ کیونکہ بابا فرید نے ایک دو نہیں، بلکہ ہزاروں ایسی نظمیں تخلیق کی ہیں جن میں عشق حقیقی کے بیان کے لیے بھی عشق مجازی کے استعارے استعمال کیے جاتے ہیں۔ بابا فرید نے اپنے دور کی دونوں بڑی مذہبی زبانوں عربی اور سنسکرت کے بجائے اپنی مادری زبان پنجابی کو اظہار کا ذریعہ بنایا۔ اس سے پہلے کسی نے ادب میں پنجابی زبان استعمال نہیں کی تھی۔ بابا فرید کی شاعری نے نہ صرف پنجابی ادب کی بنیاد رکھی بلکہ ان کی نظموں نے پنجاب کی صوفی روایات اور سکھوں کی مذہبی روایات کو ایک لڑی میں پرو دیا۔ یہ بابا فرید کے صوفیانہ کلام کا کمال ہی ہے کہ ان کی درجنوں عارفانہ نظموں اور اشعار کا پرتو ہمیں سکھوں کی مقدس ترین کتاب گرو گرنتھ صاحب میں بھی دکھائی دیتا ہے۔

بابا فرید کے یروشلم میں قیام کرنے کے بعد کے تین چار سو برسوں میں دنیا بھر کے صوفیوں کو یہاں آکر ہندوستانی صوفیوں کے مریدوں سے ملنے کا موقع ملا۔ اس دوران سرکاری سطح پر یہاں ان گروہوں کی رہائش

اور ان کی تعلیم و تربیت کے لیے مدرسے اور دیگر عمارتیں تعمیر کی گئیں۔ مراکش، کرائیمیا، اناتولیہ اور ازبکستان سے آنے والے درویشوں نے ان زاویوں اور ان سے ملحقہ سہولیات سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔

عہد خلافت عثمانیہ کے مشہور سیاح محمد ظلی ابن درویش المعروف اولیاء چلپی Evliya Celebi 17 ویں صدی میں یہاں پہنچے تو انھوں نے اپنی کتاب "سیاحت نامہ" میں لکھا کہ یروشلم میں صوفیوں کے 70 آستانے تھے۔ جنگ عظیم دوئم شروع ہوئی تب بھی ان میں سے بیشتر آستانے اپنی جگہ موجود تھے۔ یہاں تک کہ صلاح الدین ایوبی کے زیرِ اہتمام تعمیر کردہ آستانہ بھی یہاں موجود تھا جس کی اتنی صدیوں تک حفاظت کا سہرا خلافت عثمانیہ کے سر جاتا ہے۔ لیکن جنگ نے ہندوستانی حاجیوں کی بیت المقدس میں قیام کی روایت کو ختم کر دیا۔

1950ء میں بیت المقدس کے سائے میں ہندوستانی زائرین جبکہ دوسری تصویر اسی دور کے "زاویۃ الفریدیہ" کی ہے۔

مشرق وسطیٰ میں نئی سرحدوں کے کھنچ جانے کے بعد حاجیوں کے قافلوں کے راستے مسدود ہو گئے۔ نہ صرف یہ بلکہ خود صوفیوں کے بارے میں کچھ لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ ان کا طرز زندگی باغیانہ ہے اور جدید دور میں قرونِ وسطیٰ کی ان روایات کا کوئی مقام نہیں بچا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک ایک کر کے ان آستانوں کے دروازے بند ہونا شروع ہو گئے اور یہ قدیم عمارتیں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہونا شروع ہو گئیں۔

جب سنہ 1922 میں خلافت عثمانیہ کا سورج غروب ہوا تو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ آنے والوں برسوں میں ہندوستانی سرائے ایک مرتبہ پھر زندہ ہو جائے گی۔

برطانوی نوآبادیاتی چالوں سے بیزار اور یورپ بھر سے یہاں یہودیوں کی آمد کے خوف سے، یروشلم کے مسلمان حکام نے دوست تلاش کرنا شروع کر دیے۔ ان حکام کی نظریں اس وقت خلیجی ریاستوں اور امارات کی جانب نہیں تھیں کیونکہ ان دنوں امارات کی اپنی مالی حالت دگرگوں تھی۔ ان لوگوں کی نظریں مشرق میں ہندوستان پر لگی ہوئی تھیں جہاں لاکھوں مسلمان بستے تھے۔ بلکہ ان مسلمانوں میں سے کچھ انتہائی دولت مند تھے۔

سنہ 1923 میں بیت المقدس کے مفتی اعظم الحاج امین الحسینی نے مسجد اقصیٰ کی مرمت اور تعمیر نو کی غرض سے مالی مدد کی درخواست کے ساتھ ایک وفد ہندوستان روانہ کیا۔ ہندوستان پہنچنے پر وفد کی ملاقات "تحریکِ خلافت" کے رہنماؤں سے ہوئی۔ فلسطینی مہمانوں نے اپنے ہندوستانی میزبانوں کو سرائے کی

عالم اسلام میں صوفیوں کے مراکز کے مختلف نام ملتے ہیں، برصغیر پاک وہند و گردونواح میں فارسی لفظ "خانقاہ" رائج ہے، پاکستان کے دیہی علاقوں میں اسے حجرہ، ڈیرے، مانہڑی، مٹھ، کٹی وغیرہ کہا جاتا ہے، وسطی ایشیائی زبان میں اسے "تکیہ" tekije کہتے ہیں، مشرق وسطی اور عرب ممالک میں انہیں "رباط" Ribat کہا جاتا ہے۔ مشرقی افریقہ میں یہ "زاویہ" zawiyya کے نام سے موجود ہیں۔ قرون وسطی کے زاویہ کے بنیادی ڈھانچے بیسویں صدی میں بھی باقی ہیں۔ آج بھی یروشلم شہر اور گردونواح میں کئی صوفی زاویے موجود ہیں۔ ان میں زاویہ الہندیہ الفریدیہ کے علاوہ زاویہ القادریہ (جسے زاویہ الافغانیہ بھی کہتے ہیں)، زاویہ النقشبندیہ (جسے زاویہ الازبکیہ بھی کہتے ہیں)، زاویہ الادھمیہ، زاویہ الاسعدیہ، زاویہ الیمنزیہ، زاویہ السعدیہ، زاویہ الوافعیہ وغیرہ کے نام سے موجود ہیں۔

دوسرے علاقوں کی طرح یروشلم میں قائم ہونے والے ان زاویوں میں نماز کے لئے مخصوص ایک جگہ، مدرسہ، طالب علموں، مہمانوں، حجاج کرام اور مسافروں کے لئے رہائشی کوارٹر تعمیر کیے جاتے تھے۔

حالتِ زار کے بارے میں بتایا اور ان سے پوچھا کہ آیا ان کے لیے ممکن ہے کہ وہ کسی ہندوستانی مسلمان کو اس سرائے کی دیکھ بھال کے لیے بیت المقدس بھیج سکیں۔

اس درخواست کے جواب میں جو شخص سنہ 1924 میں یروشلم پہنچا اس کا نام نذیر حسن انصاری تھا۔ وہ یوپی کے قصبے سہارنپور سے آئے تھے۔ اگلے 27 برسوں کے دوران نذیر حسن انصاری نے ہندوستانی سرائے کی مرمت اور تزئین کی۔

ہندوستان میں تحریکِ خلافت کے رہنما محمد علی جوہر کا سنہ 1931 میں انتقال ہوا تو ان کی میت کو فلسطین لایا گیا اور اسے مسجد اقصیٰ کے اندر دفن کیا گیا۔ فلسطینی مسلمان حکام نے بھی ان برسوں میں بہت کوشش کی کہ وہ اس شہر کے مقدس مقامات سے منسلک مسلمانوں کی تاریخ کو زندہ کریں اور اس شہر سے تاریخی محبت کے نئے دعوے داروں کا راستہ روکنے کی کوشش کریں۔ ماضی کے برعکس، یروشلم کے نئے دعوے دار صلیبی عیسائی نہیں بلکہ صیہونی تحریک کے کرتا دھرتا تھے۔ جوں جوں ہندوستانی حاجی سرائے میں قیام کے لیے آنا شروع ہو گئے، اس جگہ کی رونقیں بھی بڑی حد تک لوٹ آئیں۔ سنہ 1920 اور 30 کی دہائیوں میں شیخ نذیر کئی مرتبہ ہندوستان گئے اور مسلمانوں سے مزید مالی مدد کی درخواست کرتے رہے۔ جن مخیر مسلمانوں نے شیخ نذیر کی مدد کی ان میں حیدر آباد کے نظام بھی شامل تھے۔ نظام حیدر آباد کی تصویر سنہ 1937 میں مشہور امریکی ماہنامے "ٹائم" میگزین کے سرورق پر "دنیا کا امیر ترین شخص" کی سرخی کے ساتھ شائع ہوئی تھی۔

اپنی پیدائش کے تقریباً چالیس برس بعد سنہ 1967 کی عرب اسرائیل جنگ میں شیخ منیر نے اپنی والدہ کو "صلاح الدین سٹریٹ" کے قریب مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا۔ اس وقت تک یروشلم پر اسرائیل کا کنٹرول ہو چکا تھا۔

شیخ منیر کا غم اپنے پانچ بچوں کی ہنسی اور شرارتوں میں قدرے کم ہو گیا ہے۔ انھوں نے اپنے بچوں کی پرورش ہندوستان سرائے میں ہی کی، اور اس دوران وہ اسرائیلی راکٹوں سے تباہ ہو جانے والے کمروں کی مرمت بھی کرتے رہے اور سرائے کے صحن میں لیموں کے پودے لگاتے رہے جو آج گرمیوں کی سہ پہر میں لہلہا رہے ہوتے ہیں۔

برکت کا مفہوم

مفتی تنظیم عالم قاسمی

یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں کہ مادی اعتبار سے زمانہ ترقی پزیر ہے۔ سائنسی ایجادات و انکشافات نے رزق اور مال و دولت اکٹھا کرنے کے وسیع تر امکانات پیدا کر دیے ہیں۔ کمپنیوں اور کارخانوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ سڑکوں پر دوڑتی ہوئی گاڑیاں، فلک بوس عمارتیں، رہائش کے عمدہ مکانات، تعیش کے اسباب و وسائل اور زیب و زینت کی نت نئی چیزیں نظروں کے سامنے ہیں۔ اِن میں صنعتی انقلابات اور ٹکنالوجی کی کثرت نے تصور سے زیادہ اضافہ کیا ہے۔ آسائش و آرام اور ارمانوں کی تکمیل کی نئی نئی راہیں کھلتی جا رہی ہیں۔ اسی مادی ترقی کا نتیجہ ہے کہ کل تک جسے سائیکل بھی میسر نہیں تھی، آج وہ قیمتی گاڑیوں پر چل رہا ہے۔ جھونپڑیوں میں زندگی بسر کرنے والے آج عالیشان بلڈنگوں میں سو رہے ہیں۔ جو کل تک ایک ایک پیسے کے محتاج تھے، وہ آج کروڑوں کے مالک ہیں اور ان کا پورا گھر اسباب تعیش سے بھرا ہوا ہے۔ لیکن ان سب کے باوجود آج کے لوگ زیادہ پریشانی

اور مایوس نظر آتے ہیں، روحانی اور قلبی سکون کسی کو حاصل نہیں۔ ہر ایک کی زبان پر مال، وقت اور دولت میں بے برکتی کا شکوہ ہے۔ کوئی مختلف بیماریوں کا شکار ہے تو کوئی گھریلو اور خاندانی اختلافات اور دشمنی کے سبب نہایت پریشانیوں میں مبتلا ہے، ناجائز مقدمات نے کسی کو تھکا دیا ہے تو کوئی اپنی بیوی اور اولاد کی نافرمانیوں سے لاچار ہے۔ غرض پریشانیوں کی نوعیت کچھ بھی ہو، پریشانی اور مصیبت ہر ایک کے ساتھ ہے۔ بڑی بڑی کمپنیوں کے مالک اور اہل ثروت بھی پریشان ہیں، جن کو رات کی صحیح نیند بھی میسر نہیں۔ بالآخر راحت و آسائش کے تمام سامان کے باوجود حقیقی راحت اور سکون کا فقدان کیوں؟ بے اطمینانی اور پریشانی کی وبا نے ہر ایک کو کیوں مجبور کر رکھا ہے اور کیوں آج کی اس ترقی یافتہ دنیا میں خود کشی اور قتل و قتال کے واقعات بڑھتے جا رہے ہیں؟

در اصل لوگوں نے آج سکون اور راحت عہدوں اور پیسوں میں تلاش کرنا شروع کر دیا ہے۔ مال و دولت کی کثرت نے بندوں کا رشتہ رب سے تو

دیا۔ وہ آخرت کو بھول کر دنیا اور دنیا کے اسباب و وسائل کو جمع کرنے میں جٹ گئے ہیں۔ دنیوی گھروں کو عالیشان بنانے اور ان کے زیب و زینت میں مگن ہیں۔ ظاہر ہے کہ مال و دولت کی زیادتی اور خوبصورت عمارت میں اتنی قوت نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو سکون فراہم کرسکے۔مال کی کثرت سے اگر سکون ملتا تو قارون دنیا کا سب سے پر سکون انسان ہوتا۔ حکومت اور عہدوں سے اگر سکون ملتا تو فرعون دنیا کا سب سے پر سکون انسان گزرتا۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ وہ دولت اور عہدوں کے باوجود پریشان حال رہے اور پریشانی کے ساتھ ہی عبرتناک موت کے ذریعے دنیا سے چل بسے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان دولت اور جائداد کے ذریعے عالیشان اور اونچی بلڈنگیں بنا سکتا ہے، مگر سکون نہیں خرید سکتا۔ عہدوں کے ذریعے سے لوگوں میں رعب و دبدبہ قائم کرسکتا ہے۔ مگر اسے حقیقی راحت میسر نہیں ہوسکتی۔ جیسے ایک انسان مال سے کتابیں تو خرید سکتا ہے، علم نہیں خرید سکتا۔ مال سے انسان اچھا لباس تو خرید سکتا ہے، حسن و جمال نہیں خرید سکتا۔ مال سے انسان اچھی دوائیں تو خرید سکتا ہے، اچھی صحت نہیں خرید سکتا۔ یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔ وہ جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے عطا کرتا ہے، سکون اور قلبی راحت بھی خدا کا عطیہ ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے برکت کے نزول کا ضابطہ اس طرح بیان کیا ہے:

ترجمہ: ”اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔“ [سورۂ اعراف: آیت 96]

آسمان اور زمین کی برکتوں سے مراد ہر قسم کی برکات ہیں، صحت میں، کاموں میں، وقت میں، مال میں، کھانے پینے اور استعمال و ضرورت کی تمام چیزوں میں برکت و رحمت نازل کی جاتی ہے، جس سے مقصود و مطلوب آسان ہوجاتا ہے اور تادیر اس کے استعمال کی توفیق دی جاتی ہے۔ مثلاً ایک آدمی کی صحت تقریباً دس سال سے بالکل ٹھیک ہے، کبھی سر میں درد نہیں ہوا۔ اُسے یاد بھی نہیں ہے کہ وہ ڈاکٹر کے پاس کب گیا تھا؟ یہ صحت کی برکت ہے کہ ڈاکٹر کے پاس جانے آنے کی کلفتوں اور الجھنوں سے بچ گیا۔ وہ مستقل اپنا کام کرتا رہا۔ وقت بھی محفوظ رہا اور پیسہ بھی۔ تھوڑے وقت میں امید سے زیادہ کام کرنا بھی ایک قسم کی برکت ہے۔ جس کام کے لیے آدمی کہیں جاتا ہے یا جس کام میں مصروف رہتا ہے، اگر وہ کام صحیح طرح ہوگیا، کوئی رکاوٹ نہ آئی تو یہ بھی برکت ہے۔

بہت سے لوگ وقت میں بے برکتی کی شکایت کرتے ہیں کہ صبح سے شام ہوجاتی ہے، وقت اس قدر تیزی سے گزر جاتا ہے کہ دن کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ کوئی کام مکمل نہیں ہوپاتا ہے کہ دوسرا دن بلکہ دوسرا ہفتہ اور دوسرا مہینہ شروع ہوجاتا ہے۔ سالہا سال تیزی سے گزر رہے ہیں۔ کوئی قابل لحاظ کام انجام نہیں دیا جاسکتا۔ بلاشبہ یہ بے برکتی ہے، جو انسان کے اعمال بد کا نتیجہ ہے۔

بہت سے بزرگ ایسے بھی گزرے ہیں جنہوں نے بہت کم وقت میں بڑا کارنامہ انجام دیا۔ انھوں نے ہزاروں کتابیں تصنیف کیں، لاکھوں شاگرد پیدا کیے، تصوف و سلوک کی راہ میں بھی خلفا اور مریدین کی

ایک بڑی تعداد تیار کی، ان کی طویل خدمات کو اگر ان کی عمر پر آج تقسیم کیا جائے تو عقل حیران ہو جاتی ہے اور سوچنا پڑتا ہے کہ آخر اتنے کم وقت میں اتنا عظیم کارنامہ کیسے انجام دیا گیا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ان کے نیک اعمال کی برکت کی وجہ سے ان کے وقت میں برکت دی تھی کہ کم وقت میں توقع سے زیادہ وہ کام کر گئے، جو آج لوگ صدیوں میں نہیں کر سکتے۔ ایسے خداترس افراد آج بھی موجود ہیں اور ان کے اخلاص و للّٰہیت کے مطابق ان کے اوقات میں برکت کا سلسلہ جاری ہے۔ بل کہ ایک عام مسلمان بھی جب اللہ سے ڈرتا ہے اور اطاعت الٰہی کو اپنا شعار بناتا ہے تو اس کی نیکی اور تقویٰ کے اعتبار سے اس کے وقت میں برکت دے دی جاتی ہے، جس سے وہ بہت سے ایسے کام کر لیتے ہیں، جو گنہگار نہیں کر سکتے۔

بہت سے لوگوں کو برکت کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا۔ بعض لوگ مذاق بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میرے پاس دس ہزار روپے ہیں، کیا نیک کام کرنے سے وہ بارہ ہزار بن جائیں گے۔ یاد رہے کہ برکت سے مراد روپے کی مقدار میں اضافہ نہیں ہے، بل کہ روپے کا صحیح جگہ استعمال ہونا، کم پیسوں میں کام کا بن جانا، تھوڑی آمدنی میں ضرورت پوری ہو جانا یہ سب مال کی برکت ہے، جو اللہ تعالیٰ اس کی نیکی کی وجہ سے عطا کرتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت جنید بغدادیؒ کا ایک مرید بہت پریشان ہو کر کہنے لگا: حضرت! حج کا ارادہ ہے؛ لیکن کچھ بھی مال میرے پاس موجود نہیں۔ حضرت نے ایک دینار دیتے ہوئے فرمایا: جاؤ حج کر لو۔ حج کے لیے ایک دینار معمولی سرمایہ تھا۔ بظاہر حج اس سے مشکل تھا، مگر حضرت کا حکم ہوا، وہ ایک دینار لے کر چل پڑا۔ ابھی بستی سے باہر ہی گیا تھا کہ ایک قافلہ آتا ہوا دیکھا۔ اس نے قافلے والوں کو سلام کیا اور پوچھا: بھئی! آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں؟ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم لوگ حج کے لیے جا رہے ہیں۔ اس نے کہا میں بھی حج پر جا رہا ہوں، مگر میں تو پیدل چلوں گا، قافلے والے کہنے لگے کہ ایک آدمی ہم میں سے بیمار ہو گیا، جس کی وجہ سے وہ پیچھے رہ گیا ہے، اس کا اونٹ خالی ہے، آپ اس پر سوار ہو جائیے۔ یہ شخص اونٹ پر بیٹھ گیا۔ اب جہاں قافلے والے رکتے اور کھانا پکاتے اس کو مہمان سمجھ کر ساتھ کھلاتے۔ پورا حج کا سفر اس نے اسی طرح طے کیا۔ آخر کار ان کے ساتھ حج کر کے واپس آیا اور بستی کے کنارے پر انھوں نے اسے اتارا۔ اس کو کہیں بھی پیسے خرچ کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی۔

شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: حضرت! عجیب حج کیا، میں تو مہمان ہی بن کر پھر تا رہا اور اب یہاں پہنچ گیا ہوں۔

حضرت نے پوچھا کہ تمھارا کچھ خرچ ہوا؟ عرض کیا کچھ بھی نہیں۔

فرمانے لگے: میرا دینار واپس کر دو۔

یہ مال کی برکت ہی تو تھی کہ غیب سے ایسے اسباب پیدا کیے گئے کہ باعزت طور پر اس مرید کا حج بھی ہو گیا اور ایک پیسہ بھی خرچ نہیں ہوا۔ جب کہ ایک دینار کا سرمایہ حج کے لیے انتہائی ناکافی تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت جنید بغدادیؒ کی بزرگی اور اس مرید کے اخلاص و محبت کی وجہ سے اسی ایک دینار کو مکمل سفر کا سبب بنایا اور اس میں کچھ کمی بھی نہ آئی۔

ایک بیٹے نے اپنے بزرگ والد محترم سے کہا کہ

ابا جی! برکت کا لفظ تو بہت سنتے رہتے ہیں، مگر میری سمجھ میں نہیں آیا۔ آپ اس سلسلے میں کچھ بتایئے۔

فرمانے لگے: بیٹا ادھر آؤ، وہ اسے لے گئے اور اپنے گھر کا ہینڈ پمپ دکھاتے ہوئے کہا کہ یہ برکت ہے، بیٹا ہینڈ پمپ دیکھ کر بڑا حیران ہوا اور پوچھا: ابا جی! یہ برکت کیسے ہے؟ اس کے بزرگ والد نے فرمایا کہ بیٹا! تمھاری عمر بیس سال ہے اور تمھاری پیدائش سے پہلے ہی میں نے یہ ہینڈ پمپ لگوایا تھا، آج تک اس میں خرابی نہیں آئی، اس کو ٹھیک کرانے میں میرا مال لگا نہ وقت لگا اور نہ کوئی پریشانی ہوئی، اسی کو برکت کہتے ہیں۔

دنیا میں جتنے بھی لوگ ملازمت، تجارت یا اور کسی طرح اپنی اقتصادیات کو مضبوط کر رہے ہیں، ان کا مقصد سکون کی زندگی حاصل کرنا ہے۔ اس کے لیے وہ شب و روز محنت کرتے ہیں اور اپنی وسعت کے مطابق راحت کے سامان بھی فراہم کرتے ہیں، مگر انھیں سکون و راحت نہیں ہے۔ ظاہر میں محنت بہت ہے، مگر نتیجہ صفر ہے۔ کیا آپ نے سوچا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس کے کیا عوامل و اسباب ہیں؟ کیوں پریشانیوں کی بارش ہو رہی ہے؟ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا:

ترجمہ: ”خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے؛ تاکہ مزا چکھائے ان کو ان کے بعض اعمال کا شاید کہ وہ باز آئیں“۔ [سورۂ روم: آیت 41]

دوسری جگہ ارشاد ہے:

ترجمہ: ”جو بھی برائی کرے گا اس کا پھل پائے گا اور اللہ کے مقابلے میں اپنے لیے کوئی حامی و مددگار نہ پا سکے گا“۔ [سورۂ نساء: آیت 123]

ان دونوں آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ برائیوں اور گناہوں کی وجہ سے انسان پریشانیوں کا شکار ہو جاتا ہے اور مختلف جہتوں سے نحوست اسے گھیر لیتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک شخص کی بد اعمالی اور برائی دوسروں پر بھی اثر انداز ہوتی ہے، جس طرح کفر و ظلم کی شامت سے ملکوں اور جزیروں میں خرابی پھیل جاتی ہے اور امن و سکون ختم ہو جاتا ہے، اسی طرح خود بندوں کی اپنی بدکاریوں کے سبب پوری دنیا میں اس کے غلط اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ بر و بحر، خشکی اور تری، آبادی اور جنگل میں ان کی برائیوں کی نحوست چھا جاتی ہے اور اس کی وجہ سے اللہ کی رحمتیں رک جاتی ہیں۔ جب ایک شخص کی برائی کا اثر قرب و جوار، ملک اور قوم پر پڑتا ہے تو خود برائی کرنے والے کے گھر اور اس کی زندگی پر کتنا گہرا اثر ہوگا؟

وہ لوگ جو دنیا میں بھی امن و سکون اور قلبی و ذہنی راحت حاصل کرنا چاہتے ہیں، انھیں چاہیے کہ دنیا بھی کمائیں، مگر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فراموش نہ کریں۔ خدا سے اپنے تعلق مضبوط و مستحکم رکھیں، نیتوں میں اخلاص پیدا کریں، زندگی کا ہر لمحہ عند اللہ جواب دہی کے احساس کے ساتھ گزاریں۔ مال و دولت پر فخر و تکبر کے بجائے تواضع کی صفت پیدا کریں۔ جب زندگی ان خطوط پر گزرے گی جن پر صحابہ کرامؓ نے اپنی زندگی گزاری تو قدم قدم پر اتنی برکتیں نازل ہوں گی کہ آپ ان کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ بلاشبہ مال و دولت سے کچھ بھی نہیں ہوتا، جب تک اللہ کی توفیق اور مدد شامل حال نہ ہو۔

خوشی اور غم

واصف علی واصف

غم اور خوشی انسان کی اپنی کیفیات کے نام ہیں۔ یہ انسان کی اپنی وابستگی اور خواہش کے روپ ہیں۔ ایک انسان کا غم ضروری نہیں کہ دوسرے کا بھی غم ہو، بلکہ اس کے بالکل برعکس ایک کا غم دوسرے کی خوشی بن سکتا ہے۔ غم کے گیت میٹھے اور سریلے ہونے کی وجہ سے سننے والوں کو خوشی عطا کرتے ہیں۔ انداز نظر بدل جائے تو نظارہ بدل جاتا ہے۔ کل کا غم آج کی مسرت ہے اور آج کی خوشی نہ جانے کب آنسو بن کر بہہ جائے۔

انسان کا اپنا احساس واقعات کو غم اور خوشی سے تعبیر کرتا ہے۔ شبنم کے قطرے رات کے آنسو بھی ہیں اور صبح کی مسکراہٹ بھی۔

حقیقت یہ ہے کہ غم اور خوشی ایک ہی شے کے نام ہیں۔ ہر خوشی، غم بنتی ہے۔ جتنی بڑی خوشی اتنا بڑا غم۔ غم آخر خوشی کے چھن جانے کا ہی تو نام ہے۔ جو شے زندگی میں خوشی بن کے داخل ہوتی ہے، وہ غم بن کے رخصت ہوتی ہے۔ وصال و فراق کی اصل داستانیں اصل میں غم اور خوشی کے قصے ہیں۔ وصال نہ ہو تو فراق بے معنی ہے۔ چونکہ خوشی سے مفر ہیں، اس لیے غم سے مفر نہیں۔ جس طرح ہستی سے مفر نہ ہو، تو موت سے مفر نہیں۔ پیدا ہونے والا مرتا ضرور ہے۔ خوشی پیدا ہوتی ہے اور اس کی موت غم کا جنم ہے۔ ہمارے لیے ہماری وابستگیاں غم اور خوشی پیدا کرتی رہتی ہیں۔ اگر باپ نے بیٹے کا ماتم نہیں کیا تو بیٹا اپنے کاندھے پر باپ کا جنازہ اٹھاتا ہے۔

کون سی ہے آنکھ جو غم سے یہاں روتی نہیں
جانے والوں کی مگر رفتار کم ہوتی نہیں

انسان فانی اشیاء سے محبت کرتا ہے، ان کی تمنا کرتا ہے، انہیں جمع کرتا ہے اور فانی شے ختم ہو جاتی ہے تو وہ غمزدہ ہو جاتا ہے۔

انسان خرمن جمع کرتا ہے، دانہ دانہ چن کے اور پھر ایک دن برق خرمن سے آشنا ہو جاتا ہے۔ خوشی بیٹی کی طرح گھر میں پلتی ہے اور جب جوان ہو جائے تو رخصت کر دی جاتی ہے۔

تمام مذاہب ایسے مقامات کی نشاندہی کراتے رہے ہیں، جہاں انسان کو خوف اور حزن نہیں ہوتا۔ دراصل یہ روح کا مقام ہے۔ ایسا مقام جہاں تعلق نصیب ہوتا ہے، بڑی روح سے، کائناتی روح سے اور یہ تعلق فراق و وصال سے بے نیاز ہوتا ہے۔

قطرے کو سمندر سے تعلق ہو جائے تو وہ فنا اور

بقا سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اگر خواہش اور آرزو ہی نہ رہے تو غم اور خوشی کیا۔ حقیقی خوشی اور حقیقی غم ایک ہی سے ہیں۔ ہم جس کو یاد کر رہے ہیں، وہ تو ہمارے پاس ہے۔ جو دل میں پنہاں ہے، نظر سے اوجھل ہے، جس کی یاد بے قرار کر رہی ہے، وہی تو آنکھ سے آنسو بن کر ٹپک رہا ہے۔ یہ بڑے نصیب کی بات ہے، بڑی دور کی منزل ہے، بڑا بلند مقام ہے کہ دن اور رات ایک ہی سورج کے روپ نظر آئیں۔ غم اور خوشی ایک ہی شے کے نام ہو کر رہ جائیں۔ انسان روتے روتے ہنس پڑے اور ہنستے ہنستے رونا شروع کر دے۔ حاصل و محرومی سے بے نیاز ہو کر انسان معراج تعلق تک پہنچتا ہے اور تعلق کے حصول کے بعد ستم اور کرم دونوں ہی محبوب کی دلبری کے انداز ہیں۔

دنیا میں خوشی حاصل نہیں ہو سکتی، جب تک ہم دوسروں کو خوش نہ کریں۔ خوش کرنے والا ہی خوشی سے آشنا کرایا جاتا ہے اور خوش کرنے والا اور خوش ہرنے والا تنہائیوں میں آنسوؤں میں آنسوؤں سے دل بہلاتا ہے۔

لذت ستم مل جائے تو اور کرم کیا ہے۔

آہ سحر گاہی انعام ہے، ان کے لیے جو بارگاہ صمدیت میں مقرب ہوں۔ بے قرار روحیں سرشار ہوتی ہیں بلکہ زمانوں کو سرشار کرتی ہیں۔ روہی میں رونے والا فریدؒ آخر پکار اٹھتا ہے۔

دنیا والو! جس کو تلاش کر رہے ہو وہ ہمہ وقت میرے پاس ہے۔

خلقت کوں جنیدی گول اے
ہر دم فریدؒ دے کول اے

کسی انسان کے غم کا اندازہ اس کے ظرف سے لگایا جاتا ہے۔ کم ظرف آدمی دوسروں کو خوش دیکھ کر ہی غم زدہ ہو جاتا ہے۔ وہ یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ لوگ خوش رہیں۔ وہ ان کی خوشیوں کو برباد کرنے پر تل جاتا ہے۔ اس کی خوشی یہ ہے کہ لوگ خوشی سے محروم ہو جائیں۔ وہ اپنے لیے جنت کو وقف سمجھتا ہے اور دوسروں کو دوزخ سے ڈراتا ہے۔

ایک بخیل انسان نہ خوش رہ سکتا ہے، نہ خوش کر سکتا ہے۔ سخی سدا بہار رہتا ہے۔ سخی ضروری نہیں کہ امیر ہو۔ ایک غریب آدمی بھی سخی ہو سکتا ہے، اگر وہ دوسروں کے مال کی تمنا چھوڑ دے۔ اسی طرح جن لوگوں کا ایمان ہے کہ اللہ کا رحم اس کے غضب سے وسیع ہے، وہ کبھی مغموم نہیں ہوتے۔ وہ جانتے ہیں کہ غربت کدے میں پلنے والا غم اس کے فضل سے ایک دن چراغِ مسرت بن کر دلوں کے اندھیرے دور کر سکتا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ پیغمبر بھی تکالیف سے گزارے گئے لیکن پیغمبر کا غم امت کی فلاح کے لیے ہے۔ غم سزا نہیں، غم انعام بھی ہے۔ یوسف کنوئیں میں گرائے گئے، ان پر الزام لگا، انہیں قید خانے سے گزرنا پڑا لیکن ان کے تقرب اور ان کے حسن میں کمی نہ آئی، ان کا بیان احسن القصص ہے۔ دراصل قریب کر دینے والا غم دور کر دینے والی خوشیوں سے بدرجہا بہتر رہے۔ منزل نصیب ہو جائے تو سفر کی صعوبتیں کامیابی کا حصہ کہلائیں گی اور اگر انجام محرومی منزل ہے تو راستے کے جشن ناعاقبت اندیشی کے سوا کیا ہو سکتے ہیں۔ انسان اگر باشعور ہو جائے تو وہ پہچان لیتا ہے کہ ایک غم اور دوسرے غم میں کوئی فرق نہیں۔ کل کے آنسو اور آج کے آنسو ایک جیسے ہیں۔

باشعور انسان غور کرتا ہے کہ کوئی خوشی، زندگی کے چراغ کو فنا کی آندھی سے نہیں بچاسکتی۔ زندگی کا انجام اگر موت ہی ہے تو غم کیا اور خوشی کیا۔ کچھ لوگ غصے کو غم سمجھتے ہیں۔ وہ زندگی بھر ناراض رہتے ہیں، کبھی دوسروں پر کبھی اپنے آپ پر۔ انہیں ماضی کا غم ہوتا ہے۔ حال کا غم ہوتا ہے اور مستقبل کی تاریکیوں کا غم۔ یہ غم آشنا لوگ دراصل کم آشنا ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ گزرے ہوئے زمانے کا غم رکھنے والا کبھی آنے والی خوشی کا استقبال کرنے کے لیے تیار نہیں ہوسکتا۔ ان کا غم امر بیل کی طرح ان کی زندگی کو ویران کر دیتا ہے۔ یہ غم غم نہیں، یہ غصہ ہے یا نفرت ہے۔ غم تو دعوت مژگاں ساتھ لاتا ہے اور چشم نم آلود ہی چشم بینا بنائی جاتی ہے۔ غم کمزور فطرتوں کا راکب ہے اور طاقتور انسان کا مرکب۔

یہاں یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ کچھ لوگ افسوس اور حسرت کو غم سمجھتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے افسوس کوتاہی عمل کا نام ہے، غلط روی کے احساس کا نام ہے۔ افسوس سے نکلنے کا راستہ "توبہ اور معافی" کا راستہ ہے۔ حسرت، ناتمام آرزو کا نام ہے۔ یہ ایک الگ مقام ہے۔

آرزو اور استعداد کے فرق سے حسرت پیدا ہوتی ہے۔ آرزو جب استعداد سے بڑھ جائے، تو حسرت شروع ہوجاتی ہے۔ باعزم انسان حسرت سے محفوظ رہتے ہیں۔ انسان اپنی پسند کو حاصل کرلے یا اپنے حاصل کو پسند کرلے، تو حسرت نہیں رہتی۔

بہتر انسان وہی ہے جو دوسروں کے غم میں شامل ہوکر اسے کم کرے اور دوسروں کی خوشی میں شریک ہوکر اس میں اضافہ کرے۔ اپنی صلاحیتوں کو محروم لوگوں کی خدمت کے لیے وقف کرنے والا غم سے نڈھال نہیں ہوسکتا۔

اگر یہ بات مان لی جائے کہ غم شخصیت ساز ہے اور غم اسی کی عطا ہے جس نے خوشی دی تھی، تو انسان کی زندگی آسان سی ہوجاتی ہے۔

اندیشوں کو بھی غم نہیں کہنا چاہیے۔ اندیشہ آنے والے زمانے سے ہوتا ہے۔ اگر حال پر نگاہ رکھی جائے تو مستقبل کے اندیشے کم ہوجاتے ہیں۔ اندیشہ ایک "ناسمجھی" کا نام ہے۔ اندیشہ امید سے ٹلتا ہے۔ امید، رحمت پر ایمان سے حاصل ہوتی ہے اور رحمت خالق کا عمل ہے، بلکہ خالق کی رحمت اس کے غضب سے وسیع ہے۔ وہ خالق جو اپنے محبوب کو رحمتہ اللعالمین ﷺ بنا کر بھیجتا ہے، مخلوق پر غضب نہیں کرتا۔ لہٰذا ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ خالق کی طرف سے مخلوق پر ظلم کا اندیشہ محض وسوسہ ہے۔ خالق نے ہدایت بھیجی، پیغمبر بھیجے، سلامتی کے پیغامات بھیجے، رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائیں، مبارک صحیفے اور مقدس کتابیں نازل فرمائیں اور سب سے بڑی بات اپنی رحمتوں کو رحمت عالمؐ کی ذات میں مجتمع فرماکر مخلوق کے لیے آسرا بناکر بھیجا۔

سرکش و باغی انسان ہی اندیشوں میں مبتلا ہوکر غمزدہ وافسردہ رہتا ہے۔ جو لوگ اپنے نفس کے شر اور ظلم سے بچ گئے، وہ غم سے بچ گئے۔ ان کے لیے بشارت ہے، ہمیشہ کے لیے شاداب وسرسبز جنت کی۔

اندیشہ دوری ہے اور امید خواہش تقرب ہے۔ جس انسان نے استقامت اختیار کی، حقیقت کی راہ میں وہ مایوس نہیں کیا جاتا۔

سوچنا چاہیے کہ انسان اس زندگی میں نہ کچھ

کھوتا ہے، نہ پاتا ہے۔ وہ تو صرف آتا ہے اور جاتا ہے۔ کیا حاصل اور کیا محرومی۔ کسی کا چہرہ کسی کی زندگی میں خوشی پیدا کر جاتا ہے اور کسی کی زندگی میں غم دے جاتا ہے۔ یہ سب قدرت کے کھیل ہیں۔

لوگ حالات اور ترقی سے خوشی حاصل کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ خوشی کا تعلق حالات سے نہیں۔ خوشی ایک حالت کا نام ہے، اپنی حالت، اپنا احساس، اپنا انداز فکر۔ احساس کی اصلاح ہو جائے تو غم اور خوشی کی بحث ختم ہو جاتی ہے۔ دلبر، دل کے پاس نظروں کے سامنے ہو تو تختۂ دار جنت سے کم نہیں۔ دلبر دور ہو تو جنت بھی جہنم۔ دلبر کی یاد سرمایہ ہے اور اس کے کوچہ کی گدائی بھی تاج شاہی سے کم نہیں۔

حاصل یہ ہوا کہ غم اور خوشی اپنے انداز فکر کے نام ہیں۔ نیکی کے راستے میں محرومی بھی خوشی کا باعث ہے اور گناہ کا حاصل ہو جانا بھی غم کا باعث ہے۔ دن کو لٹنے والا اگر رات کو آرام سے سو جائے تو پھر رہزن کے لیے دعا کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے۔ اگر زندگی کسی اور کی خوشنودی کا باعث ہو جائے تو غم نہیں ہو گا۔ اگر خود غرضی مقصد حیات ہو، تو کبھی خوشی نصیب نہ ہو گی۔ خوشی اور غم موسموں کی طرح آتے جاتے رہتے ہیں۔

غم خوشی بن کر زندگی میں داخل ہوتا ہے اور خوشی غم بن کر زندگی سے نکل جاتی ہے اور پھر محروم زندگی آشنائے لذت و کیف کرا دی جاتی ہے۔ اسی طرح جیسے خزاں زدہ باغ ایک دن سرسبز و شاداب کر دیا جاتا ہے۔ بہار دو خزاؤں کے درمیان وقفہ کا نام ہے اور خزاں دو بہاروں کے درمیانی زمانے کا۔

ایک مرتبہ ایک انسان اپنے کسی عزیز کی موت پر رو رہا تھا۔ لوگوں نے کہا "روتے کیوں ہو۔ اب آنسوؤں کا کیا فائدہ۔" اس نے جواب دیا "روتا اسی بات پر ہی ہوں کہ اب رونے کا فائدہ ہی نہیں۔" جو شے رونے سے واپس نہیں ہو سکتی اس پر رونا کیا۔ اور رونا ہوتا ہی اسی شے پر ہے جو رونے سے بھی واپس نہ آئے۔

خوشی کا تعاقب کرنے والا خوشی نہیں پا سکتا۔ یہ عطا ہے مالک کی، جو اس کی یاد اور اس کی مقرر کی ہوئی تقدیر پر راضی رہنے سے ملتی ہے۔ کپل دستو کا راجہ خوشی حاصل نہ کر سکا۔ لیکن "گیا" کا گیانی خوشی سے سرشار ہو کر لوگوں کو خوشی کی منزل دکھاتا رہا۔

اسلام نے استقامت کو ذریعہ مسرت کہا ہے مستقل مزاج انسان غم اور خوشی کے حجابات سے نکلتا ہوا حقیقت کے نور تک پہنچ جاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں نہ غم ہے نہ خوشی۔ بس ایک سرشاری ہے، ایک ایسی حالت کہ جہاں نہ دولت کی خواہش ہوتی ہے نہ وجود کی تسکین کی آرزو۔ یہاں انسان بارگاہ حسن میں محو نظارہ ہوتا ہے۔ نہ حاصل نہ محرومی۔ نہ غم نہ خوشی، نہ آرزو نہ شکستِ آرزو۔ یہ بڑی خوش نصیبی ہے۔ اپنے نصیب پر خوش رہنا چاہیے۔ اپنی کوششوں پر راضی رہنا چاہیے اور کوششوں کے انجام پر بھی راضی رہنا چاہیے۔ دوسرے انسانوں کے نصیب سے مقابلہ نہیں کرنا چاہیے۔ جو ذرہ جس جگہ ہے وہیں آفتاب ہے۔

جو شے چلنے سے حاصل نہیں ہوتی، وہ ٹھہرنے سے حاصل ہو جاتی ہے۔ جو راز پیسے جمع کرنے میں نہ پایا جائے، وہ خرچ کرنے میں ضرور پایا جائے گا۔ جسے سونے والا دریافت نہ کر سکے، اسے جاگنے والا ضرور دریافت کرے گا۔

❄

آگیا بیتال

گزشتہ قسطوں کا خلاصہ: کچھ عرصہ پہلے ہماری ملاقات شہاب صاحب سے ہوئی، جو ایک پڑھے لکھے معزز تجارت پیشہ شخص ہیں، ماورائی علوم و ٹیلی پیتھی اور جنات کے موضوع پر ہم دونوں کے خیالات اور ذوق مشترک تھے، جو ہماری دوستی کا باعث بنے۔ شہاب صاحب نے ہمیں بتایا کہ ان کی جنات سے دوستی ہے اور کئی مرتبہ کاروباری مشکلات سے نکلنے اور کاروبار کی ترقی میں ان کے دوست جنات کی مدد شامل رہی اور کئی مرتبہ انہوں نے بھی جنات کی مدد کی۔ میرے استفسار پر انہوں نے بتایا کہ جنات کے ایک معزز خاندان کا نوجوان زائم، کراچی میں رہنے والی ایک دوشیزہ عیشال پر بُری طرح مر مٹا، عیشال بھی زائم کی محبت میں گرفتار ہو گئی تھی، زائم کی مدد سے سلیم احمد کے کاروبار میں خوب ترقی ہوتی ہے۔ کراچی میں شیطانی عمل کرنے والے ایک جادوگر سامری نے جن قابو کرنے کی خواہش میں زائم پر حملے شروع کیے اور آخر کار اسے قید کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ سامری زائم پر مکمل قابو پانے کے لیے اپنے چیلے چاند میاں کو زائم کا روپ دے کر عیشال کے گھر بھیجتا ہے۔ چاند میاں سامری کے کہنے پر بخوشی گندے کاموں پر راضی ہو جاتا ہے۔ کراچی کے ایک روحانی بزرگ محترم شاہ صاحب مراقبہ کے ذریعے معلوم کرتے ہیں کہ سلیم احمد اور ان کی فیملی پر جادوئی عملیات کیے گئے ہیں۔ وہ سلیم احمد کو رہائش تبدیل کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ زائم کی گمشدگی سے جنات کے قبائل میں تشویش پائی جاتی ہے، سامری زائم کو کچھ شرائط پر اپنی خیریت سے آگاہ کرنے کے لیے جنات کی بستی میں لے جاتا ہے۔ زائم جنات کے ایک قبیلے کے سردار کے ذریعے اپنے گھر والوں کو اپنی خیریت سے آگاہ کرتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ اسے ڈھونڈا نہ جائے۔ دوسری طرف سلیم احمد سخت بیمار ہو جاتے ہیں، کئی دنوں سے ہسپتال میں ماہر ڈاکٹروں کی کوششوں کے باوجود سلیم احمد کی بیماری تشخیص نہیں ہو پاتی، شاہ صاحب ان پر دم کرتے ہیں تو شاہ صاحب کی حالت بھی خراب ہو جاتی ہے۔ زائم کے گھر والے اس کی تلاش کے لیے ایک جماعت شاہ صاحب کے پاس بھیجتے ہیں جو شاہ صاحب کے منتظم درس شیخ عبدالعزیز سے ملتی ہے۔ شیخ عبدالعزیز نے اپنے ایک بھائی کی معرفت جنات کی ملاقات جمیلہ بیگم سے بھی کروائی۔ وہ جنات سلیم احمد کے پرانے مکان تک پہنچے تو زائم کے چند نشانات ملتے ہیں اور یہ بھی تصدیق ہوئی کہ سلیم احمد کو جادو کا نشانہ کہاں بنایا گیا تھا۔ شاہ صاحب کی طبیعت میں بہتری آتی ہے تو جنات کے بزرگ فرزون زائم کی تلاش کے لیے شاہ صاحب سے مدد کی درخواست کرتے ہیں، شاہ صاحب نے شیخ عبدالعزیز کی زیرِ قیادت چند افراد پر مشتمل ایک ٹیم فرزون اور جنات کے ساتھ روانہ کرتے ہیں، جو آخر کار سامری کے ٹھکانے پر پہنچنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ جنات سامری پر حملہ کرتے ہیں، سامری کی مدد کو کچھ اور جادوگر بھی پہنچ جاتے ہیں مگر وہ جنات کے ہاتھوں زخمی ہو کر بھاگ جاتے ہیں، زائم کو بازیاب کرالیا جاتا ہے۔ سامری کو معاف کرنے یا سزا دینے پر شاہ صاحب اور جنات کے وفد کے درمیان کافی مباحثہ کے بعد بالآخر جنات نے شاہ صاحب کی بات مان لیتے ہیں کہ ان جادوگروں سے حسب قدرت لے گی۔ عیشال زائم کی جدائی میں بیمار سی لگنے لگی تھی۔ سلیم احمد اور جمیلہ بیگم نے اسے شاہ صاحب کے پاس لے جاتے ہیں۔ اُدھر زائم بھی عیشال سے ملنے شاہ صاحب کی خانقاہ میں پہنچ جاتا ہے اور شیخ عبدالعزیز سے ملتا ہے۔ شاہ صاحب عیشال کو وہاں علاج و معالجے اور مشوروں کی خدمات سرانجام دینے والی آپا نسرین سے ملنے کو کہتا ہے۔ شیخ عبدالعزیز آپا نسرین سے کہتے ہیں کہ وہ زائم کے جن ہونے کے بارے میں عیشال کو آگاہ کر دیں۔ دوسری جانب آپا نسرین عیشال کو خوش خبری سناتی ہیں کہ اس کی جلد زائم سے ملاقات ہونے والی ہے۔

اب آگے پڑھیں....

قسط نمبر 36

شاہ صاحب کی خانقاہ میں زائم کو عیشال نظر آگئی تھی۔ جس لڑکی کی محبت میں زائم نے اتنی تکلیفیں، اتنی مصیبتیں برداشت کی تھیں، سامری جادوگر کی قید کی سختیاں سہی تھیں، سامری کے سفلی علم کی شدید اذیتیں اپنے اوپر جھیلی تھیں، اپنے گھر والوں، اپنے قبیلے سے جدائی گوارا کرلی تھی وہ محبوبہ، وہ عیشال اس وقت زائم کے سامنے تھی۔

عیشال.....))))

زائم دیوانہ وار چلایا....اور عیشال کی طرف تیزی سے بڑھا۔ زائم کے ساتھی جنات نے جھپٹ کر اُسے جا پکڑا۔ زائم کی آواز عیشال تو نہ سن پائی لیکن شیخ عبدالعزیز اور خانقاہ میں چند دیگر افراد نے زائم کو پکارتے سن لیا تھا۔

جنات نے زائم کو دونوں ہاتھوں سے پکڑا ہوا تھا۔

بے وقوفی کی باتیں مت کرو.....

ہوش میں آؤ.....

ہم شاہ صاحب کے ہاں آئے ہوئے ہیں....

زائم کے ساتھی کچھ غصے سے اسے کہہ رہے تھے۔

عیشال کو دیکھتے ہی زائم کی برداشت ختم ہوگئی تھی۔ اس کی بے تابی اور بے قراری بہت شدید ہوگئی تھی۔ اس سے رہا نہ گیا۔ بے تابی اور بے قراری میں وہ سب کچھ بھول گیا۔ اسے یہ بھی خیال نہ رہا کہ وہ اور اس کے ساتھی جنات شاہ صاحب کی خانقاہ میں آکر ٹھہرے ہوئے ہیں۔

زائم کے ساتھی جنات بہت سمجھدار بھی تھے اور معاملہ فہم بھی۔ انہوں نے صورت حال کو بھانپ کر فوراً ہی زائم کو پکڑ لیا اور اسے سمجھانا شروع کر دیا۔

زائم کے عیشال کو پکارنے کی آواز شیخ عبدالعزیز نے بھی سنی۔

ارے.... یہ جن لڑکا کیا کر رہا ہے۔

شیخ کے لہجے میں ناگواری تھی۔ صاف پتہ چل رہا تھا کہ خانقاہ میں زائم کا اس طرح چلانا شیخ کو پسند نہیں آیا تھا۔ خانقاہ میں جس کسی نے بھی زائم کی آواز سنی تھی انہیں بھی یہ بات ناگوار گزری تھی۔

شیخ عبدالعزیز نے زائم اور اس کے ساتھیوں کو اپنے حجرے میں بلوالیا۔

السلام علیکم شیخ.. زائم کے ساتھ ساتھ دوسرے جنات نے بھی شیخ کو سلام کیا

وعلیکم السلام....

زائم.... شیخ نے زائم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

جناب.... دیکھیے عیشال یہاں آئی ہوئی ہے لیکن میرے ساتھی مجھے اس کے پاس جانے نہیں دے رہے۔

تمہارے ساتھیوں نے بالکل ٹھیک کیا ہے۔ مانا کہ تم ایک اچھے جن ہو۔ تمہیں عیشال سے عشق ہے اور تم بہت عرصے سے اس سے دور ہو۔

جی شیخ صاحب.... زائم نے سر جھکا کر جواب دیا

دیکھو زائم........! شاہ صاحب کی ہدایت پر ہم اس معاملے کو سلجھانا چاہتے ہیں۔ شاہ صاحب کے فرمان کی تکمیل میں ہم تمہاری اور عیشال کی مدد کرنا چاہتے ہیں لیکن ہم کسی کو بھی خانقاہ کے احترام کے منافی باتوں کی اجازت نہیں دیں گے۔

حضرت.... زائم کی طرف سے ہم آپ سے معافی مانگتے ہیں۔ زائم کے ساتھیوں میں سے ایک نے سب کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا

زائم سر جھکائے کھڑا تھا۔ اس کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ خانقاہ میں زور سے بولنے پر وہ شرمندگی محسوس کر رہا ہے۔

حضرت.... میں خود آپ سے معافی کا طلب گار ہوں۔ ہم جنات پر شاہ صاحب کے بے پناہ احسانات ہیں۔ شاہ صاحب ہمارے بھی بزرگ ہیں۔ میں اپنے جذبات پر

قابو نہ رکھ سکا۔ میں اس کے لیے بار بار معافی مانگتا ہوں۔

زائم سلجھے ہوئے ذہن کا حامل ایک نوجوان جن تھا۔ اس واقعہ سے پہلے اس نے کبھی ایسی کوئی بات نہیں کی تھی جو عیشال کے لیے کسی تکلیف، پریشانی کا باعث بنتی۔ خانقاہ میں بھی وہ ہمیشہ بہت ادب واحترام کے ساتھ رہا تھا۔

زائم کی محبت سے شیخ عبدالعزیز اچھی طرح آگاہ تھے۔ انہیں بخوبی اندازہ تھا کہ اس پکار کا سبب عیشال کے لیے زائم کی حد درجہ بڑھتی ہوئی بے تابی اور بے قراری تھی اور پھر خود عیشال بھی تو اپنے محبوب کی آواز سننے کی، اس سے ملنے کی کب سے منتظر تھی....

ان سب جذبات سے آگہی کے باوجود شیخ عبدالعزیز نے زائم کو تنبیہہ کرنا ضروری سمجھا۔

حضرت.... میں معافی مانگتا ہوں اور آئندہ بہت احتیاط کروں گا۔ زائم نے بہت ادب کے ساتھ شیخ کی خدمت میں عرض کیا۔

زائم کی بات سن کر شیخ عبدالعزیز بولے

تم ایک اچھے نوجوان ہو۔ ہمیں پتہ ہے کہ آئندہ مزید مثبت انداز اختیار کروگے۔

جی شیخ صاحب.....

تمہیں یاد ہے کہ دو دن پہلے ہماری کیا بات ہوئی تھی۔

جی شیخ صاحب.... آپ نے فرمایا تھا کہ

میں وعدہ کروں کہ شاہ صاحب کی خانقاہ سے جو بھی ہدایت ملے گی میں اس پر عمل کروں گا۔

ہاں اور اس پر تم نے کیا کہا تھا.... شیخ عبدالعزیز نے وہاں موجود دوسرے جنات کی طرف دیکھتے ہوئے زائم سے پوچھا۔

جی.... میں نے کہا تھا کہ آپ مجھے ہمیشہ اپنے وعدے پر قائم پائیں گے۔

زائم کی بات سن کر شیخ عبدالعزیز کمرے میں موجود اپنے ساتھیوں اور زائم کے ساتھی جنات کی طرف دیکھنے لگے۔ خانقاہ سے وابستہ حضرات شیخ صاحب کے اس طرح دیکھنے کا مطلب سمجھ گئے کہ شیخ صاحب مزید باتیں ان کے سامنے نہیں کرنا چاہتے۔

ہمیں اجازت ہو تو ہم خانقاہ کے کچھ کام دیکھ لیں۔

ٹھیک ہے۔ آپ لوگوں سے تھوڑی دیر بعد ملتا ہوں۔

یہ دیکھ کر زائم نے بھی اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا کہ وہ باہر چلے جائیں۔

چند لمحوں بعد کمرے میں شیخ عبدالعزیز اور زائم موجود تھے۔

اور کیا کہا تھا۔ شیخ عبدالعزیز مسکراتے ہوئے بہت شفقت سے پوچھا۔

میں نے کہا تھا کہ میں عیشال کو نہیں چھوڑ سکتا۔

دیکھو زائم....! ہمیں تمہارے جذبات کا بخوبی اندازہ ہے۔ ہمیں یہ یقین ہے کہ تم ایک اچھے نوجوان ہو۔ ہمیں معلوم ہے کہ تمہارے دل میں عیشال کے لیے کتنی شدید محبت ہے۔

جی شیخ صاحب.... میں نے عیشال کو دیکھا، وہ مجھے اچھی لگی۔ رفتہ رفتہ اس کی محبت میرے دل میں گھر کرتی گئی۔ میرا جی چاہتا تھا کہ وہ ہر وقت میری نگاہوں کے سامنے رہے۔ میں اس کے قریب ہوتا تو اسے جی بھر کر دیکھتا تھا۔ اس سے دور ہوتا تھا تب بھی اس کا تصور ہر وقت میرے ساتھ ہوتا تھا۔

وہ کیا کر رہی ہوگی، اس نے کیا پہنا ہوگا، اس نے اپنا وقت کن کاموں میں گزارا ہوگا، اسے کیا پسند ہے، کیا ناپسند ہے، اس کی طبیعت کیسی ہوگی، وہ خوش ہوگی نا.... وہ کسی بات پر فکر مند یا اداس تو نہیں ہوگی۔

میں تو بس ہر وقت اس کے خیالوں میں رہتا تھا۔ اس کے خیالوں کی ٹھنڈک کی وجہ سے سامری کے ہاتھوں ملنے والی اتنی شدید تکلیفوں سے بآسانی

گزر گیا ہوں۔

ہوں.... شیخ عبدالعزیز اس کی بات توجہ سے سن رہے تھے۔ انہوں نے زائم کو بولنے دیا۔

مجھے معلوم ہوا کہ عیشال کے والد کو بہت نقصانات ہوئے ہیں۔ میں نے سوچا کہ مجھے عیشال کی خاطر اس گھرانے کی مدد کرنی چاہیے۔

اچھا یہ کام تم نے کیسے کیا....؟ شیخ کے لہجے میں اب اشتیاق جھلک رہا تھا۔

کراچی شہر میں کئی مقامات پر جنات کی چھوٹی چھوٹی بستیاں آج بھی موجود ہیں۔

ہاں.... یہ تو ہے.... شیخ اس بات سے واقف تھے۔

یہ جنات زیادہ تر اپنی بستیوں میں ہی رہتے ہیں۔ انسانوں کے کاموں میں دخل نہیں دیتے۔ زیادہ تر جنات شریف ہوتے ہیں اور آدمیوں کو پریشان بھی نہیں کرتے۔

ٹھیک کہا تم نے....

حضرت.... کراچی کے رہنے والے بعض جنات سے مجھے پتہ چلا تھا کہ کراچی میں پرانے سامان کی خرید و فروخت کے کام میں کئی آدمیوں کو کبھی بہت زیادہ فائدہ ہو جاتا ہے۔ میں نے ان سے پوچھا وہ کس طرح....؟

ان جنات نے مجھے بتایا کہ ایسا سامان عام طور پر ظاہری حالت پر فروخت ہوتا ہے مگر اس کے اندر کئی قیمتی چیزیں بھی موجود ہوتی ہیں۔

ہاں ایسا ہوتا تو ہے.... شیخ نے بھی اس بات کی تائید کی۔

کچھ جنات نے مجھے بتایا کہ ایک جگہ پر انا سامان بکنے کے لیے پڑا ہوا ہے اس سامان میں انسانوں کے لحاظ سے کافی قیمتی چیزیں بھی موجود ہے۔

میں نے اس کی تحقیق کی اور پھر عیشال سے کہا کہ وہ کسی طرح پرانے سامان کی یہ لاٹ خرید لے۔

عیشال نے اپنے والد کو اس کام پر راضی کر لیا اور اس سودے سے عیشال کے والد کو بہت منافع ہوا۔

واہ بھئی، خوب.... شیخ نے زائم کی مدد کے انداز کو سراہا۔

حضرت کراچی کے رہائشی انسانوں کے لحاظ سے ایک بہت اچھے مقام پر بڑے رقبے پر بنے ایک مکان کے احاطے میں جنات کا ایک خاندان صدیوں سے آباد تھا۔

انسان اس مکان سے خوف کھاتے تھے۔ بہت اچھی جگہ پر ہونے کے باوجود یہ مکان بے آباد پڑا ہوا تھا۔

میں نے سوچا کہ اس مکان کی خرید و فروخت کے ذریعے عیشال کے والد کو بہت فائدہ ہو سکتا ہے۔ میں وہاں رہنے والے جنات سے ملا اور ان سے یہ جگہ چھوڑنے کی درخواست کی۔ عیشال کو میں نے کہا کہ یہ مکان آپ لوگ خرید لیں۔ عیشال کے والد کو یہ مکان بہت سستی قیمت پر مل گیا۔

عیشال نے یہاں آکر اس کی صفائی کروائی تو اس دوران انہیں جنات کی طرف سے کسی مداخلت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ عیشال کے وہاں جاتے رہنے سے اس مکان کے بارے میں لوگوں کا خوف دور ہو گیا اور کچھ عرصہ بعد وہ جائیداد عیشال کے والد نے کئی گنا منافع میں بیچ دی۔

اس طرح عیشال کے والد کا نقصان چند ماہ میں آسانی سے پورا ہو گیا۔

واہ بھئی.... تم نے تو بہت اچھی طرح عیشال کی مدد کی۔

یہ مدد ضروری تھی شیخ صاحب.... آپ تو جانتے ہیں کہ جنات جب کسی آدمی سے دوستی کرتے ہیں یا ادب و احترام کا کوئی تعلق بناتے ہیں تو ان لوگوں کے ساتھ اچھے سلوک کو اپنا فرض سمجھتے ہیں، جنات ایسے انسان دوستوں کے کام آکر بہت خوشی محسوس کرتے ہیں۔

(جاری ہے)

❖❖❖

جرائم کے موضوع پر ناول اور کتابیں پڑھنے والوں کے لیے "جیک دی رپر" Jack the Ripper کا نام نامانوس نہیں ہوگا۔

"جیک دی رپر" پر چالیس سے زائد فلمیں، ڈوکیومنٹریز، کتابیں اور ناول لکھے جاچکے ہیں، اسے دنیا کا پہلا سیریل کلر Serial Killer کہا جاتا ہے۔ انیسویں صدی کے اواخر میں لندن کے علاقے، وائٹ چیپل Whitechapel کی گلیاں اِس خونی شخص کے خوف سے کانپتی تھیں، وہ دوہری شخصیت رکھتا تھا، دورِ جدید کے ماہرین طب کا خیال ہے کہ وہ شیزوفرینیا کا مریض تھا۔ وہ صرف ایسی عورتوں کو جو ذرا شوخ لباس پہنتیں اور آزاد خیال ہوتی تھیں، بڑی سفاقی سے قتل کرتا تھا اور انہیں عبرت کا نشان بنا دیتا تھا۔ کوششوں کے باوجود بھی پولیس اس مجرم کو تلاش کرنے میں ناکام ہوچکی تھی۔ وہ وحشیانہ و بہیمانہ انداز میں عورتوں کو قتل کرتا تھا۔ جیک دی رپر پہلے اپنی شکار کی بے حرمتی کرتا، پھر اس کا گلا کاٹتا، بعد ازاں پیٹ پھاڑ کر اندرونی اعضا مثلاً دل، گردے، پھیپھڑے وغیرہ نکالتا اور فرار ہوجاتا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کی وارداتوں کی شہرت ہر طرف پھیل گئی۔ سنسان جگہوں، لندن کی سڑکوں پر اس کی شکار عورتوں کی لاشیں ملنے لگیں۔ وہ بڑی چالاکی سے پولیس کو چکمہ دیے جارہا تھا، لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ میلوں دور بیٹھا ایک شخص اپنی آنکھوں اس جرم کو ہوتے دیکھ رہا تھا....

غیر معمولی حس بصارت رکھنے والے ایک شخص کی حیرت انگیز کہانی۔

---

7 اگست 1888ء کی رات وہ اپنی مطالعہ گاہ میں گم صم بیٹھا تھا۔ وہ کوئی کتاب پڑھنے وہاں گیا تھا لیکن کرسی پر بیٹھتے ہی اس کا ذہن جیسے اچانک تاریک ہوگیا۔ پھر اس پر ہلکی سی روشنی نمودار ہوئی اور ایک فلم سی چلنے لگی۔

اس نے ایک تنگ گلی سے ایک مرد اور ایک عورت کو گزرتے دیکھا۔ وہ ایک احاطے جیسی کسی جگہ میں داخل ہوگئے۔ معاً ایک گھنٹہ گھر کی عمارت ذہن کے پردے ابھری۔ گھڑی کی سوئیاں ساڑھے بارہ بجا رہی تھیں۔ یقیناً رات کا وقت تھا۔ اسٹریٹ لائٹ کی دھندلاہٹ میں وہ دیکھ رہا تھا کہ عورت نے چلتے چلتے اپنا بوجھ مرد پر ڈال رکھا تھا۔ جیسے وہ نشے میں دُھت ہو۔ وہ ایک تاریک کونے میں رُک گئے۔ اس کے ساتھ ہی بلڈنگ میں جانے کا کھلا دروازہ تھا۔ اس پر موٹے حروف میں

"جارج یارڈ George Yard بلڈنگ"

کندہ تھا۔ دروازے کی چوکھٹ کے اوپر مدھم روشنی کا بلب آویزاں تھا۔ مرد نے ٹوئیڈ Tweed کا ہلکے رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ سر پر سیاہ فیلٹ ہیٹ Felt Hat تھی۔ جس کا چھجا آنکھوں پر جھکا ہوا تھا۔ ایک کلائی پر اوور کوٹ تھا۔ عورت کے بدن پر بغیر بازوؤں والا اسکرٹ تھا۔

مرد نے عورت کی پشت دیوار سے لگادی۔ یکایک اس نے ایک ہاتھ عورت کے منہ پر رکھ کر دوسرے ہاتھ سے بڑی پھرتی کے ساتھ جیب سے کھلا ہوا چاقو نکالا اور عورت کا حلق چیر ڈالا۔ خون اُچھل کر دونوں کے لباسوں پر گرا۔ عورت زمین پر ڈھیر ہوگئی۔ مرد اس کی لاش کو گھسیٹ کر کھلے دروازے کے اندر لے گیا۔ باہر آکر اس نے اوور کوٹ پہن کر کالر اوپر اُٹھائے اور تیز تیز قدموں سے ایک طرف چلا گیا۔

غیر ارادی طور پر یہ بھیانک منظر دیکھ کر وہ پسینے پسینے ہوگیا، اس کا جسم کانپنے لگا تھا۔ اسے پورا یقین تھا کہ اس نے تصور کی آنکھ سے کسی غیر معمولی قاتل کو دیکھا تھا۔ اس سے پھر مطالعہ گاہ میں بیٹھا نہ گیا۔ وہ بوجھل ذہن اور بھاری قدموں سے خواب گاہ میں گیا اور بیڈ پر لیٹ گیا۔ اسے اپنے سر میں چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ جسم میں بجلی کی ہلکی سی رو دوڑتی لگ رہی تھی۔ اسے یقین تھا کہ اس پر کسی سفاک قاتل کا اور منصوبہ بندی کے تحت جرم کا انکشاف ہوا ہے۔ اسے صبح ہونے کا سخت بے چینی سے انتظار تھا۔

❖❖❖

اپنی حس بصارت سے اس غیر معمولی واردات کو دیکھنے والا رابرٹ جیمس لیز Robert james lees کوئی معمولی آدمی نہیں تھا۔ عہدِ ملکہ وکٹوریا Victorian era میں وہ انگلستان کا سب سے بڑا عالم روحانیت Spiritualist کہلاتا تھا۔ اسے نفسیاتی مسائل کے حل پر بھی عبور حاصل تھا۔ روحانی علوم کے ارادت مند حلقوں کے علاوہ ملکہ وکٹوریا بھی اس کی غیبی صلاحیت کی قائل تھی۔ وہ صرف اُنیس سال کا تھا تو ملکہ نے اسے مشاورت کے لیے محل میں طلب کیا تھا۔ اس کے بعد ملکہ کی حیات تک وہ اُن کے بلا بھیجنے پر بکنگھم پیلس جاتا رہتا تھا۔

اس رات اس کی بے کلی کی وجہ یہ تھی کہ وہ قاتل کی شناخت نہ کرسکا تھا۔ اس کے علاوہ اس سے پہلے اس نے تصور میں ایسے جرم کا لحہ بہ لحہ منظر کبھی نہیں دیکھا تھا۔ کسی جرم کے بعد ہی اپنی خداداد صلاحیت سے اسے تصور کے پردے پر لے آتا تھا۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ اس رات اس پر ایک غیر معمولی نوعیت کے جرم کا انکشاف ہوا تھا۔

اگلا دن اس نے سخت تذبذب میں گزارا۔ اس نے کئی اخبارات دیکھ ڈالے لیکن "جارج یارڈ بلڈنگ" سے کسی عورت کی لاش ملنے یا کسی ملزم یا مجرم کی گرفتاری کی خبر نظر نہیں آئی۔ وہ اس بات کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھا کہ ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔ اگر وہ خواب میں دیکھتا تو اسے لاشعور کی بات سمجھتا لیکن جاگتے میں تصوراتی بات کو واہمہ قرار دینا اس کے لیے ممکن نہ تھا۔

وہ اس صورتحال کو اپنے لیے چیلنج سمجھ رہا تھا۔ علم روحانیت اور روحانی ابلاغ Mediumship کی کسی آزمائش میں اسے اب تک کوئی ناکامی نہیں ہوئی

تھی۔ اس شخص کا چہرہ اس کے تصور میں کیوں نہیں آسکا تھا۔ جس نے اس بہیمانہ قتل کا ارتکاب کیا تھا؟ کیا وہ بھی کوئی غیبی طاقت رکھا تھا؟ لیکن ایسی بات نہیں ہوسکتی تھی۔ اگر ہوتی تو وہ شخص اپنے ہاتھوں کو استعمال نہ کرتا۔ پورا دن رابرٹ جیمز لیز اسی منظر کو سوچ سوچ کر پریشان ہوتا رہا۔ آخر کار رات کو ریڈیو پر اس قتل کی خبر نشر ہوئی اور لیز کی خود اعتمادی بحال ہوئی۔

خبر سنتے ہی اس نے ریڈیو بند کیا اور اسکاٹ لینڈ یارڈ سے رابطہ کرنے کے بجائے خود اس کے صدر دفتر پہنچ گیا۔ وہاں اوپر سے نیچے تک سب اہلکار اسے جانتے تھے۔ ڈیوٹی انسپکٹر نے رابرٹ جیمز لیز کا بیان حرف بہ حرف نوٹ کیا اور بتایا کہ اس عورت کی لاش جارج یارڈ بلڈنگ کی ڈیوڑھی میں صبح ہی مل گئی تھی اور پولیس بروقت پہنچ گئی تھی لیکن واقعہ کو دن بھر اس لیے چھپائے رکھا، کیونکہ قاتل کے بارے میں شبہ تھا کہ شاید وہ اسی بلڈنگ یا قرب وجوار کا رہنے والا ہوگا۔ اس دوران سارے افراد کی نگرانی کی جاتی رہی۔ دریں اثناء مقتولہ کے کوائف معلوم کرنے کی کوشش بھی کی جاتی رہیں۔

معلوم ہوا کہ مقتولہ کا نام مارتھا ٹبرم Martha Tabram تھا اور عمر چالیس سال تھی۔ اُسے شراب نوشی کی بہت بری عادت تھی اور اسی وجہ سے دو مرتبہ طلاق ہوچکی تھی، وہ اپنے 13 اور 14 سالہ دو بیٹوں کے ہمراہ رہتی تھی۔ وہ دن کو سڑکوں پر جیولری، شوپیس، کی چین اور دیگر چھوٹی موٹی اشیاء بیچ کر گزارا کرتی اور رات کو نشے کی لت اسے مئے خانہ میں لے جاتی۔

مئے خانہ میں کام کرنے والی ایک عورت نے بتایا کہ وقوع کی رات کو اسے ایک شخص اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اس شخص نے سیاہ فیلٹ لگا رکھی تھی۔ جسم پر ہلکے رنگ کا ٹوئیڈ کا سوٹ تھا۔ بتانے والی کو اس کا چہرہ نظر نہیں آیا۔ وہ کاؤنٹر پر اس کی طرف پشت کیے کھڑا تھا۔ ظاہر ہے مجرم کی گرفتاری کے لیے یہ معلومات ناکافی تھیں۔ مقتولہ اگر کسی گھر خاندان والی خاتون ہوتی تو اس کے ملنے جلنے والوں کو شامل تفتیش بھی کیا جاتا لیکن شراب خانہ میں وقت گزارنے والی کے حلقہ احباب کا تعین نہیں کیا جاسکتا تھا۔

تشویش کی بات یہ تھی کہ یہ وائٹ چیپل Whitechapel میں ہونے والا دوسرا قتل تھا۔ تقریباً چار مہینہ قبل اسی جارج اسٹریٹ سے متصل ایک گلی میں ایک اور عورت ایما الیزبیتھ اسمتھ Emma Elizabeth Smith کی بھی لاش ملی تھی۔ وہ کیس بھی تاحال کسی سراغ کے بغیر نامکمل پڑا تھا، اس کیس میں بھی اسکاٹ لینڈ یارڈ نے تفتیش

جاری رکھی لیکن مجرم کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔
دوسری جانب لیز کی بے چینی نہیں گئی۔ اس کی خلش میں دن بہ دن اضافہ ہوتا رہا۔ اس کی ذہنی حالت بہت ابتر ہوگئی۔ ڈاکٹر نے اسے آب و ہوا کی تبدیلی کا مشورہ دیا چنانچہ وہ اپنے اہل خانہ کے ساتھ یورپ کی سیاحت کو نکل گیا۔

❖❖❖

یہ 31 اگست 1888ء کی ایک سرد اور تاریک رات کا ذکر ہے۔ لندن گہری کہر کے کفن میں لپٹا ہوا موت کی نیند سو رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے گھڑیال نے اپنی بھیانک آواز میں تین بجائے تھے۔ وائٹ چیپل Whitechapel کے علاقے میں یہ کُہر کچھ زیادہ ہی شدید تھی۔ سنسان تنگ گلیوں میں جابجا گیس سے جلنے والے ہنڈوں کی روشنی ہر لحہ دم توڑ رہی تھی۔ ایک ہیبت ناک سناٹا ہر طرف مسلط تھا۔ مکانوں کے دروازے سختی سے بند تھے۔ کھڑکیوں میں سے روشنی کی کوئی کرن باہر جھانکتی نظر نہ آتی تھی۔ البتہ کئی اونچے مکانوں کی سال خوردہ چمنیوں سے ہلکا ہلکا دھواں ضرور خارج ہو رہا تھا جو اس بات کی خبر دیتا تھا کہ ان مکانوں کے اندر آتشدانوں اور باورچی خانوں میں ابھی تک آگ بھڑک رہی ہے۔

یہ ایسٹ اینڈ East End کا علاقہ تھا، اس دور میں لندن کا بدنام ترین حصہ۔ جہاں سے شریف آدمی کا صحیح سلامت گزر جانا محال تھا۔ نچلے طبقے کے لوگوں کی گھنی اور گندی آبادی، گھٹیا شراب خانوں، جوئے بازی کے اوئی اڈوں اور غنڈوں کی آماجگاہ، جس میں شراب خانے اور اوباش عورتیں بھی اپنا گھناؤنا کاروبار کرتی تھیں۔ یہ اسی ایسٹ اینڈ کی ایک تاریک اور سرد رات تھی۔ جو آج بھی تقریباً ایک صدی گزر جانے کے بعد لندن والوں کو یاد ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اُنیسویں صدی کے وسط میں، آئرش تارکین وطن کی بڑی تعداد برطانیہ میں آئی جو یہاں کے بڑے شہروں کی آبادی میں ضم ہوگئی، جن میں لندن کا علاقہ ایسٹ اینڈ بھی شامل تھا، 1882 میں روس میں منظم قتل عام اور مشرقی یورپ کے دیگر علاقوں سے یہودی پناہ گزین بھی اسی علاقے میں ہجرت کر گئے۔

لندن کے ایسٹ اینڈ میں وائٹ چیپل کی آبادی ان تارکین وطن لوگوں کی وجہ سے بے انتہا بڑھ گئی، ان لوگوں کے پاس نہ گھر تھے نہ نوکری.... اقتصادی مسائل سماجی کشیدگی میں مسلسل اضافہ کر رہے تھے۔ 1886 سے 1888 کے درمیان، بار بار مظاہروں، پولیس کی مداخلت اور مزید عوامی شورش کے باعث، یہود دشمنی، جرائم، نسل پرستی، سماجی خرابی، اور شدید محرومی کی وجہ سے ڈکیتی، تشدد اور شراب نوشی عام ہونے لگی، غربت سے تنگ آکر بہت سی خواتین نے شراب بیچنے اور عصمت فروشی جیسے گھناؤنے کام شروع کر دیئے، 1888 میں، لندن کی میٹروپولیٹن پولیس سروس نے اندازہ لگایا کہ وائٹ چیپل میں 62 کے قریب شراب خانوں میں 1،200 سے زائد عورتیں کام کر رہی تھیں۔ وائٹ چیپل اس دور میں ایک بدنام زمانہ علاقہ بن چکا تھا۔

اس رات شراب خانے رات کا بیشتر حصہ بیت جانے کے باعث بند ہو چکے تھے۔ نشے میں بدمست بے حال گاہک گرتے پڑتے اپنے اپنے ٹھکانوں کو جا چکے تھے، لیکن ریڈ گوز کے شراب خانے میں سے

ابھی تک قہقہوں اور باتوں کا شور اُبل رہا تھا۔ یہ آوازیں عورتوں کی تھیں۔ شراب فروخت کرنے والی اور بدقماش عورتیں جو ریڈ گوز میں جابجا پڑی ہوئی بوسیدہ کرسیوں اور بنچوں پر بیٹھی آپس میں چہلیں کر رہی تھیں۔ یہ روز کا معمول تھا اور اس معمول میں کوئی فرق نہ آتا۔

یکایک ریڈ گوز کا دروازہ دھماکے سے کھلا، روشنی کی چند کرنیں دروازہ کھلتے ہی آزاد ہوئیں اور کہر کا سینہ چیر کر دور تک پھیل جانے کی ناکام کوشش کرنے لگیں، پھر کسی شخص نے گالی دے کر دروازہ بند کیا۔ شراب خانے سے نکلنے والی ایک دبلی پتلی ادھیڑ عمر کی عورت تھی۔ اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ وہ عالم سرمستی میں اپنے آپ سے اٹھکیلیاں کرتی اور اپنی بھدی آواز میں کوئی گانا گاتی ایک طرف چلنے لگی۔ اس کا گھر نزدیک آگیا تھا۔ بس سامنے گلی کا موڑ مڑتے ہی اس کا مکان تھا۔ یکایک وہ ایک کھمبے سے ٹکرا گئی۔ کھلا ہوا پرس اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر گیا۔ وہ زمین پر بیٹھ گئی اور اندھوں کی طرح سکے ٹٹول ٹٹول کر اپنے پرس میں ڈالنے لگی۔

تین قدم کے فاصلے پر سیاہ لبادے میں لپٹا ہوا ایک طویل قامت شخص کھڑا تھا۔ اجنبی کے ہاتھوں میں ایک لمبا چمکدار خنجر تھا۔ وہ ایک قدم اور آگے بڑھا اُس کا بایاں فولادی پنجہ عورت کے گلے میں گڑ چکا تھا اور دائیں ہاتھ میں پکڑا ہوا خنجر آہستہ آہستہ اس کی شہ رگ کے نزدیک آتا جا رہا تھا۔ عورت کے دانت سختی سے بھنچ گئے اور منہ سے گرم گرم خون کی ایک پتلی سی دھار بہہ نکلی۔ انتہائی تیز دھار والا خنجر اس کی گردن کاٹ چکا تھا۔ دوسرے ہی لمحے عورت کی روح جسم کے پنجرے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آزاد ہو گئی۔

❖❖❖

واردات کے کچھ دیر بعد گشتی سپاہیوں کی ایک ٹولی اُدھر سے گزری تو انہوں نے ایک عورت کی لاش پڑی پائی، وہ اپنے ہی خون میں نہائی ہوئی تھی۔ گردن دھڑ سے تقریباً علیحدہ ہو چکی تھی، پیٹ چاک تھا اور انتڑیاں اِدھر اُدھر بکھری ہوئی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قتل کرنے کے بعد قاتل نے ایک قصاب کی طرح اپنا خنجر لاش پر آزمایا ہے اور اس کی بوٹی بوٹی الگ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس نے دونوں گردے ایک ماہر سرجن کی طرح گویا آپریشن

کر کے باہر نکال دیے تھے اور دل چیر کر ایک جانب پھینک دیا تھا۔

اس عورت کا پورا نام میری این نکولس Mary Ann Nichols تھا اور عمر 42 سال۔ اس عورت میں کوئی خاص بات نہ تھی اور وہ بھی لندن کی اُن عورتوں میں سے ایک تھی جو ایسٹ اینڈ کے علاقے میں رہ کر اپنا کاروبار کر رہی تھیں۔ طوائفوں کے پاس ہر قسم کے لوگ آتے رہتے ہیں اور پولیس کو تحفظات کے دوران میں پتہ نہیں چل سکا اور نہ چل سکتا تھا کہ قاتل سے میری نکولس کی کیا دشمنی تھی اور اُس نے اس عورت کو خاص طور پر اپنے خنجر کا سزاوار کیوں سمجھا۔

حیرت تھی کہ اس نے اپنے بچاؤ کی کوئی کوشش نہ کی۔ اگر وہ بلند آواز سے مدد کے لیے پکار رہی ہوتی، تو قریب ہی سوئے ہوئے لوگ یقیناً جاگ پڑتے اور ریڈ گوز کا شراب خانہ تو نزدیک ہی تھا۔ اُن دنوں وائٹ چیپل کی گلیوں اور محلّوں میں آوارہ اور بیکار قسم کے لوگ کثرت سے سویا کرتے تھے۔ وہ لازماً میری نکولس کو بچانے کی کوشش کرتے، مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قاتل کی پر اسرار اور غیر معمولی شخصیت نے شراب کے نشے میں مدہوش عورت کے اوسان خطا کر دیے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اسے کوئی گاہک ہی سمجھی ہو، بہر حال قاتل نے اُسے چیخنے چلّانے کی مہلت نہ دی اور پہلا وار اُس کی گردن پر کیا اور شہ رگ کاٹ دی۔ پھر اُس نے ایک کان سے دوسرے کان تک گردن اچھی طرح کاٹ ڈالی۔ اس کے بعد اطمینان سے عورت کا پیٹ چاک کیا اور ایک تجربہ کار ماہر سرجن کی طرح "پوسٹ مارٹم" مکمل کیا۔ لاش کا معائنہ کرنے سے اندازہ ہوا کہ اُس نے جس اوزار سے چیر پھاڑ کی وہ انتہائی تیز اور لمبے پھل کا چاقو یا خنجر تھا۔

❖❖❖

ابھی پولیس کی تحقیق اور تفتیش ابتدائی مراحل میں تھی اور اخباروں میں پر اسرار اور نامعلوم وحشی قاتل کا چرچا ہو ہی رہا تھا کہ ایک دوسری واردات منظر عام پر آ گئی اور اس مرتبہ اُس قاتل کے تیز خنجر کی دھار کا مزا سینتالیس سال اینی چاپ مین Annie Chapman نامی عورت نے چکھا۔ وہ بھی ایسٹ اینڈ کی رہنے والی تھی۔ اُس کی اُدھڑی اور نُچی ہوئی خون میں لت پت لاش 8 ستمبر 1888ء کی صبح چھ بجے کے قریب ہانبری سٹریٹ Hanbury Street میں پڑی پائی گئی۔ لاش کو ایک نظر دیکھتے ہی اندازہ ہو گیا کہ یہ وحشیانہ حرکت بھی اُسی قاتل کی ہے جس نے میری نکولس کو موت کے گھاٹ اُتارا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ قاتل نے میری نکولس کی گردن دھڑ کے ساتھ لگی رہنے دی تھی، لیکن چاپ مین کی گردن بالکل الگ کر کے ایک بڑے سے رومال میں لپیٹ کر ایک گوشے میں پھینک دی تھی۔ ہان بری اسٹریٹ رات کے وقت مکمل تاریکی میں ڈوبی رہتی تھی اور یہاں قاتل کو بڑے اطمینان سے لاش پر سرجری کے جوہر دکھانے کا موقع مل گیا۔ اس نے نہایت صفائی سے پیٹ چاک کیا، آنتیں نکالیں، دونوں گردے الگ کیے، پھر سینہ چیر کر دل بھی نکال لیا اور ان تمام اعضاء کو لاش کے چاروں طرف سجا کر غائب ہو گیا۔ اس نے اپنے پیچھے ایسا کوئی نشان نہیں چھوڑا جس سے یہ سُراغ لگ سکتا ہو کہ واردات کے

بعد وہ کس طرف گیا۔ اندھیرے میں لاش کا پوسٹ مارٹم کرنا کچھ آسان نہ تھا۔ اس لیے قیاس ہے کہ اُس کے پاس روشنی کا کوئی نہ کوئی انتظام تھا، مگر سوال یہ ہے کہ کون ایسا نڈر اور جیالا قاتل ہو گا جو لالٹین جلا کر ایک گھنی آبادی والے علاقے میں لاش کو چیرنے پھاڑنے کی جراٴت کرے گا۔ مزید یہ کہ جس جگہ وہ قتل کرتا، پوسٹ مارٹم بھی وہیں ہوتا تھا۔ وہ لاش کو گھسیٹ کر کسی محفوظ مقام پر لے جانے کی زحمت بھی گوارا نہ کرتا تھا۔ لاش کے پاس بعد ازاں جو چیزیں پڑی پائی گئیں، وہ یہ تھیں چند سکے، پیتل کی دو انگوٹھیاں، ایک خون آلود لفافہ اور چمڑے کا ایپرن، کچھ پتہ نہیں چل سکا کہ یہ چیزیں قاتل کی تھیں یا مقتولہ کی۔ ڈاکٹروں نے عورت کی لاش کا جب معائنہ کیا تو سبھی کا متفقہ فیصلہ تھا کہ اعلیٰ درجے کا سرجن ہے، کیونکہ اُس نے جس صفائی سے گردے الگ کیے تھے، انتڑیاں نکالی تھیں اور دل چیرا تھا، وہ ظاہر کرتی تھی کہ اُسے اِس کام میں مہارت حاصل ہے۔

اور پھر لے دے کر یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ اپنی خوں آشام اور بہیمانہ فطرت کی تسکین کے لیے یہ حرکت کرتا تھا اور یہ محض اتفاق کی بات ہے کہ جو شکار اُس کے سامنے آتا رہا، اس کا شکار سب کی سب صرف عورتیں تھیں یا ایسی عورتیں جو رات گھر سے باہر نکلتی تھیں۔ اس کی ایک معقول وجہ یہ بھی ہے کہ ایسٹ اینڈ کا علاقہ نہایت گنجان اور تنگ تھا۔ سورج غروب ہونے کے بعد شراب خانوں اور جوئے بازی کے اڈوں پر خوب رونق ہوتی۔ گلیاں اکثر تاریک رہتیں جن کے مختلف گوشوں اور ناکوں پر اوباش عورتیں بنی سنوری گاہکوں کی تلاش میں پھرتی رہتی تھیں۔

یہ سلسلہ سورج نکلنے تک جاری رہتا تھا اور اسی لیے قاتل کو اپنا شکار ڈھونڈنے میں کوئی خاص دشواری پیش نہ آتی تھی۔

تحقیقاتِ مرگ کی عدالت میں جب شہادتیں پیش ہوئیں اور پراسرار قاتل کی شخصیت کے بارے میں بحث شروع ہوئی تو، وکیل وئین ایڈون باکسٹر Wynne Edwin Baxter جو کارونر Coroner کے نام سے جانا جاتا تھا نے کھلے الفاظ میں قاتل کی مہارت کی داد دی اور کہا:

”قاتل اگرچہ ہماری نظروں سے غائب ہے اور دونوں وارداتوں کا بلاشبہ وہی ذمہ دار ہے لیکن اُس کی ہوشیاری، ذہانت اور پرسکون طبیعت کی داد دینی پڑتی ہے کہ اُس نے یہ بھیانک جرائم جس انداز میں کیے ہیں، وہ نا صرف پولیس، بلکہ پورے معاشرے کے لیے ایک کھلا چیلنج ہے۔

ماہرین طب کی رائے یہ ہے کہ قاتل واردات کرنے کے بعد لاش کو جس طرح چیرتا پھاڑتا ہے، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ فنِ سرجری سے گہری

واقفیت رکھتا ہے"۔

❖❖❖

اسکاٹ لینڈ یارڈ، پولیس، عدالت اور اخبارات میں قاتل کی پہچان کے لیے اسے جیک کے فرضی نام سے پکارا جانے لگا، اور ساتھ ہی "دی ریپر" کا لقب بھی دیا گیا کیونکہ وہ لاشوں کا تیا پانچا کر ڈالتا تھا، چنانچہ پورے لندن میں اُس کا نام "جیک دی ریپر" مشہور ہوگیا۔ قتل کی مسلسل واردات نے لندن میں جیسے آگ لگا دی۔ لوگ اپنے کام دھندے بھول گئے اور اب ہر طرف "جیک دی ریپر" ہی کا ذکر تھا۔ طرح طرح کی قیاس آرائیاں جاری رہیں، اخباروں نے اِس قصے کو جس انداز میں پیش کیا، وہ نہایت سنسنی خیز اور گڑبڑ پھیلنے کا سبب بنا۔ بعض نڈر اور منچلے قسم کے نوجوان اور دوسرے لوگ خونی قاتل "جیک دی ریپر" کو پکڑنے کے لیے تازی کُتوں کی مانند گلی گلی اور کوچے کوچے سونگھتے پھر رہے تھے۔ پولیس کا ناطقہ بند تھا۔ سکاٹ لینڈ یارڈ کی پوری مشینری دن رات اس نامعلوم قاتل کا سُراغ لگانے کے لیے سرگرم عمل تھی، مگر بے سُود..... روزانہ بے شمار غنڈے اور بدمعاش شہر کے مختلف کونوں کھدروں سے پکڑ پکڑ کر تھانوں میں لائے جاتے اور گھنٹوں پوچھ گچھ کرنے کے بعد چھوڑ دیے جاتے۔ ان میں سے کوئی بھی "جیک دی ریپر" نہ تھا۔ البتہ کچھ لوگوں پر شکوک ظاہر کیے گئے اور ان پر نظر بھی رکھی جانے لگی۔

ستمبر کا مہینہ آہستہ آہستہ گزر رہا تھا۔ قاتل اپنی کمین گاہ میں اطمینان سے بیٹھا رہا۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ شاید وہ ایسٹ اینڈ کے علاقے سے نکل کر کسی اور جانب چلا گیا ہے یہ خیال درست ثابت ہوا۔

انہی دنوں یعنی 28 ستمبر 1888ء کو لندن کی سنٹرل نیوز ایجنسی کے ایڈیٹر کے نام گلاسگو سے ایک پوسٹ کارڈ موصول ہوا جس پر قاتل کے "جیک دی ریپر" کے نام سے دستخط تھے اور اس میں اُس نے دوسری باتوں کے علاوہ یہ بھی لکھا تھا "میں عارضی طور پر ذرا ستانے کے لیے یہاں آگیا ہوں۔ عنقریب پھر "کھیل کے میدان" میں حاضر ہوں گا۔

کھیل کے میدان سے اُس کی مراد غالباً لندن سے تھی۔ اس خط کی لکھائی اتنی عجیب اور مُہمل سی تھی کہ آج بھی اس کا پورا مطلب کوئی نہیں بوجھ سکا۔ اس کے علاوہ عبارت پر جابجا سیاہ دھبے بھی پڑے ہوئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ خط قاتل نے اپنے قلم سے تحریر کیا۔ جیک اس کا اصل نام تھا یا نہیں، اس کا بھی کوئی ثبوت نہیں مل سکا۔ چونکہ پورے لندن میں یہ قاتل جیک کے فرضی نام سے پکارا جاتا تھا، اس لیے ممکن ہے کہ قاتل نے یہی نام کارڈ پر بھی لکھ دیا ہو۔ خط لکھنے کی وجہ یہ تھی کہ تفتیش و تحقیق کے دوران میں پولیس نے بے شمار لوگوں کو جیک دی ریپر کے شبے میں گرفتار کیا تھا۔ ان میں سے اکثر ڈاکٹر تھے اور بعض پیشہ ور قاتل اور لٹیرے، بلکہ ایک مرتبہ تو ایک ایسے شخص پر پولیس کو جیک دی ریپر ہونے کا پورا پورا یقین ہوگیا جو واقعی اپنی چال ڈھال اور حرکتوں سے نہایت پُراسرار اور قاتل نظر آتا تھا اور یہ شخص اتفاق سے سرجن بھی رہ چکا تھا، چنانچہ جیک دی ریپر کی "گرفتاری" عمل میں لائی گئی، لیکن اگلے ہی روز یہ پوسٹ کارڈ خبر رساں ایجنسی کے پاس کو مل گیا جس میں جیک دی ریپر نے دعویٰ کیا تھا کہ پولیس نے اب تک جتنے لوگوں کو اس کے شبے میں

LONDON DAILY POST

"JACK the RIPPER" CLAIMS 5th VICT
WOMAN BRUTALLY HACKED TO DEA
Scotland Yard Continues To Investigate Grisley C

گرفتار کیا ہے، وہ سب بے گناہ ہیں اور وہ اصلی "جیک دی رپر" پر کبھی ہاتھ نہیں ڈال سکتی وغیرہ وغیرہ۔

بہرحال پوسٹ کارڈ لندن کے سبھی اخباروں میں شائع ہوا اور پولیس نے بھی پوسٹروں کی صورت میں اُس کا مضمون چھاپا اور عوام سے اپیل کی کہ جو شخص اس خط کے لکھنے والے کا پتہ نشان بتلائے گا، اُسے بھاری انعام دیا جائے گا، لیکن بے سود....

❖❖❖❖

اس خط کا شائع ہونا تھا کہ پورے لندن میں دہشت، سراسیمگی، افراتفری اور ابتری پھیل گئی۔ کئی عورتیں یہ علاقہ خالی کر کے جانے لگیں، بازار اور دکانیں سرِشام ہی بند ہو جاتے۔ کوئی شخص اور خصوصاً عورت سورج غروب ہونے کے بعد گھر سے باہر نکلنے کی جرأت نہ کرتیں۔ جیک دی رپر بھیانک بھوت بن کر اُن کے ہوش و حواس پر چھا چکا تھا۔ ایسا بھوت جسے پکڑنے کے لیے پولیس والوں کی راتوں کی نیندیں اور دن کا چین حرام ہو گیا تھا۔ اخباروں نے مقالے، مضامین اور خبریں چھاپ چھاپ کر عوام کو مزید دہلا دیا تھا۔ ہر فرد و بشر اپنے سائے سے بھی بدکنے لگا۔ جیک دی رپر.... جیک دی رپر.... جدھر جاؤ، جدھر سنو، اُسی کی باتیں، اسی کا تذکرہ.... لیکن تعجب یہ کہ کسی ایک شخص نے بھی جیک دی رپر کو نہیں دیکھا.... خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ آدمی تھا یا کوئی اور مخلوق، جو قتل کرتا ہے اور غائب ہو جاتا ہے، عورتوں کی لاشیں جس حالت میں پائی گئیں، انہیں دیکھ کر نڈر سے نڈر آدمی کا پتہ پانی ہوتا تھا۔

ماہرین سرجری کا خیال تھا کہ یہ کام کسی جنونی سرجن کا ہے جو پاگل خانے سے کسی نہ کسی طرح بھاگ آیا ہے اور اب عورتوں پر اپنے خنجر کی دھار آزما رہا ہے۔ ماہرین نفسیات کہتے تھے کہ یہ شخص کسی وجہ سے عورتوں کا جانی دشمن ہے، ضرور اسے ان عورتوں کی کسی حرکت کے باعث تکلیف پہنچی ہے۔ ممکن ہے اس کی دیوانگی میں کسی عورت کا ہاتھ ہو اور اب وہ ان سے انتقام لے رہا ہوں۔ غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں۔

❖❖❖❖

یہ معمہ روزِ اوّل کی طرح حل طلب تھا کہ جیک دی رپر کون ہے، کہاں سے آتا ہے اور کہاں غائب ہو جاتا ہے۔ اب صرف یہ انتظار تھا کہ وہ اپنی اگلی واردات کب اور کہاں کرے گا۔ لوگ اب بے چینی سے "جیک دی رپر" کی واپسی کے منتظر تھے اور عورتوں میں تو جو کھلبلی مچی وہ بیان سے باہر ہے۔

لوگوں کو اگلی واردات کا کچھ زیادہ انتظار نہیں

کرنا پڑا۔ 29 اور 30 ستمبر 1888ء کی درمیانی رات کو جیک دی رپر نے ایسٹ اینڈ ہی کے علاقے میں دو عورتوں کو اپنے خنجر برآں سے ذبح کیا۔ یعنی ایک ہی رات میں قتل کی دو وارداتیں۔ پہلی کا نام الزبتھ اسٹرائیڈ Elizabeth Stride تھا اور عمر 45 سال۔ اپنے غیر معمولی لمبے قد کی وجہ سے یہ عورت "لمبی الزبتھ" کے نام سے ایسٹ اینڈ میں مشہور تھی۔ شراب کے نشے میں چوبیس گھنٹے غرق رہتی، اس کا خاوند ایک سوکھا سا دبلا پتلا بڑھئی تھا۔ اُس کی لاش برنرز سٹریٹ Berner Street میں پائی گئی اور دریافت کرنے والا ایک ہاکر تھا جو منہ اندھیرے اپنی گھوڑا گاڑی پر آتا اور اخبار تقسیم کرتا تھا۔ اُس رات چونکہ "جیک دی رپر" کا خط اخباروں میں چھپا تھا اور خاص ایڈیشن شائع ہوئے تھے، اس لیے وہ صبح کاذب سے بھی کچھ دیر پہلے اخبارات کے بنڈل گاڑی پر لاد کر نکل آیا۔ اُس کا بیان ہے:

"جب میں برنرز سٹریٹ میں داخل ہوا، تو میں نے عورت کی لاش سڑک کے درمیان پڑی پائی۔ اُس کی گردن کٹی ہوئی تھی اور خون اُبل اُبل کر اُس کے کپڑوں اور فرش پر جمع ہو رہا تھا۔ میں نے شور مچا کر لوگوں کو جمع کر لیا۔ معلوم ہوا کہ وہ الزبتھ ہے جو جیک دی رپر کے ہتھے چڑھ گئی۔ اُس کی جان نکل چکی تھی، مگر جسم ابھی تک سرد نہیں پڑا تھا"۔

"تمہیں کیسے پتہ چلا کہ اس کا جسم سرد نہیں پڑا تھا؟" اسکاٹ لینڈ یارڈ کے انسپکٹر نے پوچھا۔

"جناب! میں نے اُسے چھو کر دیکھا تھا"۔ ہاکر نے گھبرا کر جواب دیا "مگر خدا کے لیے مجھ پر شک نہ کیجیے۔ میں جیک دی رپر نہیں ہوں... میں قسم کھاتا ہوں! آپ جس سے جی چاہے میری بارے میں پوچھ سکتے ہیں.... میں جیک دی رپر نہیں ہوں...."

"اچھا، اچھا" انسپکٹر نے اس سے تنگ آ کر کہا "میں نے کب کہا ہے کہ تم ہی جیک دی رپر ہو.... میں تو تم سے صرف ضابطے کی پوچھ گچھ کر رہا ہوں۔ اب غور کر کے بتاؤ کے تم نے واردات سے پہلے یا بعد میں کسی مشتبہ آدمی کو تو اس علاقے میں گھومتے پھرتے نہیں دیکھا....؟"

ہاکر چند لمحے سوچتا رہا، پھر کہنے لگا "میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا انسپکٹر۔ برنرز سٹریٹ میں جب میری گھوڑا گاڑی داخل ہوئی، تو سنگین فرش پر گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز اس قدر گونج رہی تھی کہ میں نے کوئی آواز اس کے علاوہ نہیں سنی اور وہاں ایسا گھپ اندھیرا تھا کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا"۔

"پھر تم نے الزبتھ کی لاش کیسے دیکھ لی؟" انسپکٹر نے جرح کی۔

"وہ یوں کہ جس جگہ لاش پڑی تھی، اس کے قریب ہی ایک مکان کی ڈیوڑھی تھی۔ مجھے اُس شخص سے اُس روز کا بل کا تقاضہ بھی کرنا تھا، چنانچہ میں نے گاڑی روک کر دروازے پر دستک دی۔ چند منٹ بعد اس شخص نے اپنے گھر میں بتی جلائی اور اس کی روشنی شیشوں سے چھن کر باہر گلی میں آنے لگی اور پھر میں نے اُسے دیکھ لیا...."

لاش کی حالت اور مختلف لوگوں کے بیانات کی روشنی میں یہ اندازہ کرنا مشکل نہ تھا کہ یہ کام بھی جیک دی رپر کا ہے، لیکن تعجب اس بات پر ہوا کہ اس مرتبہ اُس نے لاش کا پوسٹ مارٹم نہیں کیا تھا۔ غالباً اُسے وقت ہی نہیں مل سکا اور عین اُس لمحے جبکہ اُس

کا خنجر الزبتھ کا پیٹ چاک کرنے والا تھا، ہاکر اپنی گھوڑا گاڑی لیے برنرز سٹریٹ میں داخل ہوا۔ اب قاتل کے لیے وہاں ٹھہرنا ممکن نہ رہا، چنانچہ وہ رفوچکر ہو گیا، لیکن اُس کی پیاس ابھی تک بجھی نہ تھی اور انسانی گوشت کو چیرنے پھاڑنے کا جو بھوت اس کے سر پر سوار تھا، اُسے اُتارنے کے لیے ضروری تھا کہ ایک اور شکار مارا جائے، چنانچہ برنرز سٹریٹ سے بھاگنے کے بعد وہ سیدھا مائٹر سکوئر Mitre Square کی طرف گیا۔ شاید اُسے معلوم تھا کہ وہاں دو تین شراب خانے بھی رات رات بھر کھلے رہتے ہیں اور کوئی نہ کوئی بھولی بھٹکی عورت نظر آجائے گی۔

ایسٹ اینڈ میں جب سے قتل کی یہ بھیانک وارداتیں شروع ہوئی تھیں، اوباش عورتوں نے رات کو زیادہ دیر تک گھر سے باہر رہنے کی عادتیں ترک کر دی تھیں، لیکن پھر بھی بہت سی سرپھری عورتیں ایسی تھیں جنہیں جیک دی ریپر اور اس کے کارناموں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ اب بھی اندھیری راتوں میں گاہکوں کی تلاش کرتی پھرتیں یا شراب خانوں میں پناہ لیتی تھیں۔

43 سالہ کیتھرائن ایڈوز Catherine Eddowes بھی انہی میں سے ایک تھی، مگر وہ جیک دی ریپر کے جس طرح قابو میں آئی، اُسے محض اتفاق یا کیتھرائن کی بدنصیبی ہی کہا جاسکتا ہے۔ قصہ یہ ہوا کہ اس عورت کو پولیس نے 27 ستمبر کے دن ایسٹ اینڈ کے علاقے میں غل غپاڑہ مچانے کے الزام میں گرفتار کیا اور چونکہ اس عورت نے مجسٹریٹ کو بھی عدالت میں برا بھلا کہا، اس لیے اسے دو دن اور دو راتیں حوالات میں قید رکھنے کی سزا دی گئی۔ 29 اور 30 ستمبر کی درمیانی رات اسے پولیس اسٹیشن کی حوالات سے رہا کیا گیا۔ رہا ہونے کے ٹھیک پانچ منٹ بعد گشت کرنے والے ایک سپاہی نے کیتھرائن کی خون میں لت پت لاش مائٹر اسکوائر میں پڑی پائی۔

قاتل نے نا صرف اس کی گردن اُڑا دی، بلکہ پیٹ اور سینہ بھی چاک کر دیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسے وہاں "پوسٹ مارٹم" کرنے کی پوری پوری آزادی مل گئی تھی اور اس سنسان علاقے میں اُسے روکنے والا کوئی نہ تھا۔

چھ عورتیں قتل ہو چکی تھیں۔ ایسٹ اینڈ کے علاقے میں چپے چپے پر پولیس کے خفیہ جوان بکھرے ہوئے تھے، دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں ایک ایک گلی اور ایک ایک بازار کی نگرانی کی جارہی تھی۔ اُن محلوں اور کوچوں میں جہاں گیس لائٹ کا انتظام نہیں تھا، روشنی کا فوری بندوبست کیا گیا کیونکہ تاریکی جیک دی ریپر کو اپنے گھناؤنے افعال پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں بڑی مدد دیتی تھی۔

پانچ ہفتے گزر گئے، کوئی واردات نہ ہوئی۔ اِس

دوران میں جیک دی رپر لندن اور خصوصاً ایسٹ اینڈ میں رہنے والے لوگوں کے حواس پر بری طرح چھایا رہا اور چونکہ اُس کا وار ہمیشہ کسی نہ کسی عورت پر ہوتا تھا، عموماً وہ عورتیں جو اکیلے رہتیں اس لیے سب سے زیادہ دہشت اور سراسیمگی اسی طبقے میں پھیلی ہوئی تھی بے شمار عورتوں ایسٹ اینڈ چھوڑ کے برطانیہ کے دور دراز علاقوں میں جا رہی تھیں۔

❖❖❖

دوسری جانب رابرٹ جیمز لیز کوئی دو ماہ بعد لندن واپس آیا تو اسے پتہ چلا کہ اس دوران میں مزید چار عورتوں کا قتل ہو چکا ہے اور ان کے قتل کا انداز بھی یکساں تھا۔ ان کا گلا تیز دھار آلے سے کاٹا گیا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ قاتل ایک ہی تھا۔ اب یہ قتل ایک سیریل کلنگ کا روپ اختیار کر گئے تھے۔

لیز پر فضا اور پرسکون مقامات میں تفریح سے خاصا ہشاش بشاش لوٹا تھا۔ اس کے ذہن سے اس کا کرب ناک رات کا تصور دھندلا گیا تھا۔ یہاں آکر اسے مزید قتل ہونے کا معلوم ہوا تو اس کی خلش عود کر آئی۔ وہ اسکاٹ لینڈ یارڈ والوں کے پاس گیا تو انہیں بھی سخت الجھن میں پایا۔ شہر میں اضطراب پھیل گیا تھا۔ اخبارات پولیس کو تنقید کا نشانہ بنا رہے تھے۔ پولیس سرگرمی سے تفتیش کر رہی تھی۔ تاحال کوئی سراغ ہاتھ نہیں آیا تھا۔

لیز نے تصور میں جس پہلے قتل کا منظر دیکھا تھا۔ وہ اسپائٹل فیلڈز Spitalfields کا کمرشل علاقہ تھا۔ ایک روز لیز نے اپنی بیوی کو ساتھ لیا اور اسی علاقے سے متصل شیپرڈ بش shepherd's bush مارکیٹ میں جا کر ایک بس میں سوار ہو گیا۔ یہ اس نے شعوری طور پر کیا تھا اور وہ جسم میں سنسناہٹ محسوس کر رہا تھا۔ نوٹنگ ہل Notting Hill کے بس اسٹاپ پر ایک شخص بس پر سوار ہوا، معاً لیز کے رگ وپے میں بجلی سی دوڑنے لگی۔ اس شخص نے ٹویڈ کا ہلکے رنگ کا اوور کوٹ پہن رکھا تھا، وضع قطع سو فیصد وہی تھی جو اس نے تصور میں قاتل کی دیکھی تھی۔ بس گڑگڑاہٹ کے ساتھ آہستہ آہستہ لانکیسٹر گیٹ Lancaster Gate کی طرف روانہ ہوئی، دونوں کی نظریں اچانک چار ہوئیں تو نہ جانے کیوں لیز کی ریڑھ کی ہڈی پر جیسے برف کی ڈلی چپک گئی۔ ساری عمر میں ایسی کیفیت سے وہ کبھی دوچار نہیں ہوا تھا۔ ماربل آرچ Marble arch اسٹاپ پر وہ شخص بس سے اُترنے لگا تو لیز نے عجلت سے بیوی کو گھر جانے کو کہا اور بس سے اُتر گیا۔ وہ اجنبی ہائیڈ پارک Hyde Park کی سمت میں جا رہا تھا لیکن اپسلے ہاؤس Apsley House کے سامنے اچانک ٹریفک میں گم ہو گیا۔ لیز نے اسے اردگرد بہت تلاش کیا لیکن اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

8 نومبر 1888ء کی رات رابرٹ جیمز لیز بستر پر لیٹا تو اس کی چھٹی حس نے کچوکا لگایا کہ قاتل ایک اور واردات کرنے والا ہے۔ اس نے ذہن کو پوری قوت ارادی سے ایک نقطے پر مرکوز کیا تو تصور کے پردے پر ایک عورت کا خوفزدہ چہرہ ابھر آیا لیکن پس منظر یا مقام نظر نہیں آرہا تھا....

❖❖❖

نومبر کی نو تاریخ اور صبح کے آٹھ بجے تھے اور اسپائٹل فیلڈز Spitalfields کی ڈورسیٹ اسٹریٹ Dorset Street پر ملرز کورٹ Miller's

وائٹ چیپل، لندن 1888ء میں

لندن کے وائٹ چیپل علاقے کے وہ مقامات جہاں جیک دی رپر کے ہاتھوں سات عورتوں کے قتل ہوئے۔

1۔ ایما الیزبیتھ اسمتھ　2۔ مارتھا ٹبرم　3۔ میری اینی نکولس　4۔ اینی چاپ مین

5۔ الزبتھ اسٹرائیڈ　6۔ کیتھرائن ایڈوز　7۔ میری جین کیلے

Court کے محلے میں ایک شخص کرایہ لینے کے لیے ایک عورت کے مکان پر پہنچا۔ یہاں پچیس سالہ میری کیلے Mary Jane Kelly رہتی تھی۔ نہایت شوخ اور چالاک عورتوں میں سے ایک تھی، مالک مکان دیر تک دروازہ کھٹکھٹاتا رہا، لیکن میری نے دروازہ نہ کھولا۔ تب اس کی نگاہ دائیں کھڑکی پر پڑی جس کا ایک پٹ کھلا ہوا تھا۔ یہ کھڑکی خواب گاہ کی تھی۔ مالک مکان نے کھڑکی میں سے جھانکا اور پھر وہ اپنی چیخ نہ روک سکا۔

میری کیلے اپنے بستر پر اس حال میں مری پڑی تھی کہ اس کا جسم مادرزاد برہنہ تھا۔

❖❖❖

اس دن جیمز لیز نے اپنی خفیہ صلاحیتوں کو آزمانے کا فیصلہ کر لیا تھا.... صبح ناشتہ کر کے پولیس ہیڈ کوارٹر گیا۔ اس نے پولیس افسروں کو اپنا مدعا بتایا اور وہ اس سے تعاون کرنے پر فوراً آمادہ ہو گئے۔

لیز چیف سراغ رساں اور پولیس پارٹی کو لے کر اس جگہ گیا جہاں پہلا قتل اور آخری ہوا تھا یعنی اسپائٹل فیلڈز Spitalfields کی کمرشل اسٹریٹ.... اس کے ہاتھوں قتل ہونے والی اکثر عورتوں کے گھر اسی اسٹریٹ سے متصل سڑکوں پر تھے۔

اس جگہ پہنچ کر اس کے ذہن کو ایک جھٹکا لگا۔ جیسے اچانک اس کا ذہن پھر سے تاریک ہو گیا ہو۔ پھر

اس پر ہلکی سی روشنی نمودار ہوئی اور فلم سی چلنے لگی۔ منظر تقریباً وہی تھا جو اس نے پہلے قتل کے وقت تصور میں دیکھا تھا اور ماریا ٹیبرم کی لاش بھی وہیں ملی تھی۔

چند لمحے وہاں رُک کر وہ پلٹا اور مغرب کی سمت میں چل پڑا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ قاتل اس کی تصوراتی طاقت کے حصار میں آچکا ہے، وہ اپنی حسِ بصارت سے تصور ہی تصور میں قاتل کا پیچھا کر رہا تھا۔ وہ میلوں چلتا گیا اور لندن میٹروپولیٹن پولیس کے اہلکار اس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ لندن کے سب سے بارونق علاقے ویسٹ اینڈ West end میں ایک عالی شان مکان کے سامنے رُک گیا۔ پولیس والے بھی اس کے قریب آگئے۔ وہ آنکھیں پھاڑے لیز کی طرف دیکھنے لگے۔

یہ مکان ایک بہت باصلاحیت اور معروف ڈاکٹر، گوئے Guy ہاسپٹل اور کلینیکل سوسائٹی کے صدر سر ولیم گُل Sir William Withey Gull کا تھا جس نے اپنی زندگی انسانیت کی خدمت کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ جلدی بیماری مکسوڈیما، اعصابی بیماری انورکسیہ نروسا، ریڑھ کی ہڈی سے متعلق بیماری پیراپلیجیا اور گردوں کے امراض کی تشخیص اور علاج کے لیے دور دور تک اس کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ یہاں تک کہ ملکہ وکٹوریہ اور شاہی خاندان Royal Family کے چند افراد بھی اس ڈاکٹر سے علاج کرواتے تھے۔ فزیالوجی اور اناٹومی کی خدمات پر ملکہ کی جانب سے اسے "سر" کا خطاب بھی مل چکا ہے۔

لندن میٹروپولیٹن پولیس چیف لیز کی یہ بات ماننے میں ہچکچاہٹ محسوس کر رہا تھا کہ ان کا مطلوبہ شخص "جیک دی ریپر" اس مکان میں رہنے والا ڈاکٹر ہے اور لیز اسی کو تمام عورتوں کا قاتل قرار دے رہا تھا۔ لیز بضد تھا کہ اس نے اپنی حسِ بصارت سے "جیک دی ریپر" کو اسی گھر میں جاتے ہوئے دیکھا ہے۔ لیکن وہ بنا کسی ثبوت کے محض لیز کی حسِ بصارت کی بنیاد پر اتنے قابل اور مشہور ڈاکٹر پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت کیسے کر سکتے تھے۔

"ٹھہرو!...." کچھ دیر بعد لیز نے کہا اور مکان کا اندرونی نقشہ تفصیل سے بتانے لگا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ اندر کی ایک ایک چیز بتا رہا تھا۔ فرنیچر اور دیگر آرائشی سامان کے علاوہ دیواروں کا رنگ تک بتا دیا۔ لامحالہ انہوں نے خطرہ مول لینے کا فیصلہ کیا۔

ڈاکٹر اس وقت گھر میں موجود نہ تھا، خاتونِ خانہ پولیس کو دیکھ کر گھبرا گئی۔ تلاشی کے بعد ایک الماری سے خون آلود سیاہ فیلٹ ہیٹ Felt Hat اور ٹویڈ Tweed کا ہلکے رنگ کا سوٹ بھی مل گیا۔

خاتونِ خانہ پولیس افسروں کے پیچیدہ سوالوں کے سامنے ٹھہر نہ سکی۔ اب عورت کے لیے اعترافِ جرم کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ اس کا شوہر دراصل ایک نفسیاتی مرض میں مبتلا ہے اور دوہری شخصیت Split Personality کا مالک ہے۔ ایک وقت میں وہ دردمند انسان اور قابل ڈاکٹر ہوتا ہے مگر جب اسے دورے پڑتے ہیں تو اس کی شخصیت بدل جاتی ہے اور وہ درندہ صفت بن جاتا ہے، وہ خود اپنی بیوی اور بچہ پر بھی تشدد کرتا ہے وہ کئی عورتوں کو قتل کر چکا ہے۔ لیکن نارمل ہو جانے کے بعد اُسے کچھ یاد نہیں رہتا۔ خاتونِ خانہ اب تک اپنے شوہر کے خوف اور بدنامی کے ڈر سے چپ تھیں، اس نے پولیس سے گذارش کی کہ وہ اس بات کو صیغہ

راز میں رکھیں۔

پولیس نے خفیہ طور پر ڈاکٹر کو گرفتار کر کے ذہنی امراض کے ایک نجی اسپتال میں Thomas Mason 124 کے ایک فرضی نام نظر بند کر دیا اور مشہور کر دیا کہ حرکت قلب بند ہو جانے سے اس ڈاکٹر کا انتقال ہو گیا۔ تاکہ اس ڈاکٹر کی پوری زندگی کی خدمات اور اس کا خاندان بدنام نہ ہو جائے گا۔

1888ء میں اسے پاگل خانے داخل کرا دیا گیا۔ اس کے فوراً بعد لندن کے علاقے، وائٹ چیپل میں قتال کا سلسلہ رک گیا۔ ڈاکٹر کی پوری زندگی پھر پاگل خانے ہی میں گزری۔ دور جدید کے ماہرین طب کا خیال ہے کہ وہ شیزوفرینیا کا مریض تھا۔ انسانی تاریخ کا یہ خوفناک قاتل اسی پاگل خانے میں چل بسا۔

"جیک دی ریپر" کو گرفتار کرانے پر رابرٹ جیمز لیز کو برطانوی حکومت کی جانب سے تاحیات وظیفہ دیا گیا۔

❖❖❖

وہ دن اور آج کا دن جیک دی ریپر کے نام سے پھر کوئی قتل سامنے نہیں آیا اور نہ اس کا کوئی سراغ پولیس کو ملا (اگرچہ اس کے بعد بھی لندن میں قتل کی کئی وارداتیں ہوئیں، لیکن لاشوں کو ایک نظر دیکھتے ہی اندازہ ہو گیا کہ یہ کام جیک دی ریپر کا نہیں ہو سکتا) البتہ اس کی گمشدگی کے بارے میں اخبارات میں قیاسات کا ایک انبار لگ ہے کہ شاید وہ کسی حادثے میں اچانک مارا گیا، یا اس خود کشی کر لی، یا ملک سے باہر فرار ہو گیا، یا کسی اور جرم میں پھانسی کی سزا کو پہنچا، یا اُسے پکڑ کر پاگل خانے میں داخل کرا دیا گیا ہو اور کسی کہ اس کی شخصیت پر جیک دی ریپر ہونے کا شبہ نہ ہوا ہو۔

بہر حال سچ کو کتنے بھی پردوں میں چھپایا جائے وہ منظر عام پر آ ہی جاتا ہے۔ سات سال بعد لندن کے ایک مشہور ڈاکٹر ہاورڈ Dr. Howard کے توسط سے "شکاگو ٹائمز ہیرالڈ" اخبار کی 28 اپریل 1895ء کی اشاعت میں جیک دی ریپر کی گرفتاری اور لیز کے کارنامے کی کہانی منظر عام پر آ گئی، لوگوں کے لیے اس پر یقین کرنا مشکل تھا، لیکن پھر 1970ء میں ایک سرجن Dr. Thomas Stowell نے بھی انکشاف کیا کہ جب وہ ڈاکٹر تھیوڈور ڈائک آکلینڈ Theodore Dyke Acland کے ساتھ کام کر رہا تھا، تو اس کی بیٹی نے ایک مرتبہ بتایا تھا کہ کچھ پولیس والے ایک شخص جو عالم روحانیت تھا کے ساتھ گھر آئے تھے اور ڈاکٹر تھیوڈور کو اس بات پر منا رہے تھے کہ وہ مشہور ڈاکٹر سر ولیم گل Sir William Gull کا فرضی ڈیتھ سرٹیفکیٹ بنائیں۔

1976ء میں اسٹیفن نائٹ Stephen Knight نے اسی کہانی پر ایک ناول تحریر کیا، اس کہانی پر 1988ء میں ایک ٹی وی سیریز اور 2001ء میں ایک فلم From Hell بنائی گئی۔

جرائم کی دنیا میں اس سفاک قاتل جیک دی ریپر کا نام لندن کے لوگ کبھی نہ بھول سکیں گے۔ خصوصاً ایسٹ اینڈ میں رہنے والوں کے سامنے آج بھی اس کا ذکر کیا جائے تو کئی عورتوں وحشت سے کانپنے لگتی ہیں۔

بعض لوگوں کا تو اب تک یہ خیال ہے ڈاکٹر ولیم گل کا ان قتل سے کوئی تعلق نہیں تھا اور اصلی "جیک دی ریپر" پکڑا ہی نہیں گیا، وہ کون تھا؟ کہاں سے آیا؟ اور کہاں چلا گیا؟ یہ راز سربستہ ہے اور شاید ہمیشہ رہے گا۔

❁

دلچسپ، عجیب و غریب اور حیرت انگیز واقعات و آثار
سائنس جن کی حقیقت سے اج تک پردہ نہ اٹھا سکی.....

انسان سائنسی ترقی کی بدولت کہکشانی نظام سے روشناس ہو چکا ہے۔ سمندر کی تہہ اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر کامیابی کے جھنڈے گاڑ رہا ہے۔ زمین کے بطن میں اور ستاروں سے آگے نئے جہانوں کی تلاش کے منصوبے بنا رہا ہے۔ یوں تو سائنس نے انسان کے سامنے کائنات کے حقائق کھول کر رکھ دیے ہیں لیکن ہمارے ارد گرد اب بھی بہت سے ایسے راز پوشیدہ ہیں جن سے آج تک پردہ نہیں اُٹھایا جاسکا ہے۔

آج بھی اس کرۂ ارض پر بہت سے واقعات رونما ہوتے ہیں اور کئی آثار ایسے موجود ہیں جو صدیوں سے انسانی عقل کے لیے حیرت کا باعث بنے ہوئے ہیں اور جن کے متعلق سائنس سوالیہ نشان بنی ہوئی ہے۔

مغرب سے تعلق رکھنے والے
ایسے نابغہ روزگار اور پراسرار لوگ،
جن پر دنیا صدیوں سے حیران ہے۔

گزشتہ ماہ ہم نے برصغیر پاک و ہند سے تعلق رکھنے والی نابغہ روزگار اور حیرت انگیز ہستیوں کا تذکرہ کیا تھا اس ماہ ہم اہل مغرب کے چند ایسے پراسرار لوگوں کے بارے میں بتا رہے ہیں جو آج تک حیرت اور تجسس کا باعث بنے رہے ہیں۔

دنیا کی تاریخ پراسرار لوگوں کے تذکروں سے بھری ہوئی ہے۔ یہ لوگ اپنے زمانے میں بھی پراسرار تھے اور برسوں گزر جانے کے بعد بھی ان کا اسرار واضح نہیں ہوسکا ہے۔ ان کے کارنامے عام انسانوں سے مختلف تھے۔ انکے انداز مختلف تھے اور ان کی زندگی مختلف تھی۔ ان میں اکثر ایسے تھے جن کی شناخت بھی نہیں ہو سکی۔

آئیں ان چند پراسرار لوگوں پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

❖❖❖

مونسیر چوچانی Monsieur Chouchani:

یہ ایک حیرت انگیز کردار تھا۔ اس کی موت 1968ء میں ہوئی ہے۔ یعنی زیادہ عرصہ نہیں گزرا ہے۔ اس کے باوجود اس کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ کون تھا۔ اس کا ظہور دوسری جنگ عظیم کے بعد یورپ

میں ہوا تھا۔

فزکس کے چند طالب علم ایک پارک میں بیٹھے فزکس کے کسی فارمولے میں الجھے ہوئے تھے کہ ایک دبلا پتلا لیکن روشن آنکھوں والا بوڑھا ان کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔

''میرے بچو! تم لوگ کس مسئلے میں الجھے ہوئے ہو۔'' اس نے دریافت کیا۔

''بڑے میاں، ہم ایک مسئلے میں الجھے ہوئے ہیں جو تمہارے بس کا روگ نہیں ہے۔'' ایک لڑکے نے کہا۔

''چلو کم از کم بتا ہی دو۔''

لڑکوں نے اس پراسرار شخص کو فزکس کی وہ پرابلم بتا دی۔ اس نے ذرا سی دیر میں وہ مسئلہ حل کر دیا۔ وہاں بیٹھے ہوئے فزکس کے سارے طالب علم حیران رہ گئے۔

''آپ کون ہیں جناب!'' اب لڑکوں نے بہت احترام سے دریافت کیا۔

''چوچانی!'' اس نے اپنا نام بتایا ''کل تم لوگ پھر مل جانا، میں تمہیں فزکس پڑھا دیا کروں گا۔'' پھر وہ پارک کے گیٹ سے باہر نکل گیا۔

دوسرے دن وہ طالب علم پھر اسی پارک میں جمع ہو گئے۔ چوچانی اپنے وقت پر نمودار ہوا اور اس نے فزکس کے کچھ اور مسائل ان لڑکوں کو سمجھا دیے۔ اس مرتبہ ایک لڑکے نے اس سے کہا ''جناب، آپ اپنا ایڈریس بتا دیں تاکہ آپ کو آنے کی زحمت نہ ہو، ہم خود آپ کے پاس پہنچ جایا کریں۔''

''میرا کوئی ایڈریس نہیں ہے۔'' چوچانی نے

مسکرا کر کہا ''اب میں دو دن کے بعد آؤں گا۔''

اتفاق سے دو دنوں کے بعد فلسفے کا ایک طالب علم بھی فزکس کے طلبہ کے ساتھ چلا آیا تھا۔ جب اس نے چوچانی کو بتایا کہ وہ فلسفے کا طالب علم ہے تو چوچانی نے اسے فلسفے پر بھی ایک لیکچر دے دیا اور اس وقت پتا چلا کہ یہ شخص تو فزکس کے ساتھ ساتھ فلسفہ بھی جانتا ہے۔

چوچانی پورے تین برسوں تک طالب علموں کو فزکس، فلسفہ، نفسیات، لٹریچر اور تاریخ پڑھاتا رہا تھا۔ اس سے پڑھنے والوں میں اس وقت کے مشہور ترین لوگ بھی تھے۔ لیکن کمال یہ ہے کہ کسی کو بھی اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا کہ وہ کون ہے....؟ کہاں سے آتا ہے اور کہاں چلا جاتا ہے....؟

کئی مرتبہ اس کا تعاقب کر کے اس کے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کی گئی لیکن ہر کوشش ناکام رہی۔ وہ تعاقب کرنے والوں کو غچہ دے کر غائب ہو جاتا تھا۔ کسی کو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ اس کا خاندان کہاں ہے....؟

آیا کہ وہ دنیا میں اکیلا ہے یا اس کے گھر والے بھی ہیں۔ اگر ہیں تو وہ کون لوگ ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ چوچانی کے ہزاروں شاگرد تھے اور کئی علوم میں اسے دسترس حاصل تھی۔ وہ کسی سے ایک پائی بھی معاوضے کے طور پر نہیں لیتا تھا۔

اس طرح اس پراسرار شخص کی آمدنی کے ذرائع بھی کسی کو معلوم نہیں ہو سکے تھے۔ اس کی موت کا سال لوگوں کو اس طرح یاد رہ گیا تھا کہ اس کی لاش اسی پارک میں پڑی ہوئی ملی تھی جہاں وہ پہلی مرتبہ فزکس

کے طالب علموں کے سامنے نمودار ہوا تھا۔

پو ٹوسٹر Poe toaster:
جنوری کی سرد صبح، بالٹی مور میری لینڈ کا قبرستان، پو کی قبر۔ ہر طرف گہری دھند چھائی ہوئی۔ 19 جنوری 1949ء قبرستان کے گیٹ سے ایک آدمی آہستہ آہستہ چلتا ہوا ایڈگر ایلن پو کی قبر کے پاس آتا ہے۔

اس آدمی کا حلیہ بھی عجیب ہے۔ اس نے ایک فلیٹ ہیٹ پہن رکھا ہے۔ سیاہ رنگ کا ایک لانبا سا اوور کوٹ اس کے جسم پر ہے۔ اس کے ایک ہاتھ میں شراب کی ایک بوتل ہے۔

اس پراسرار آدمی کو دیکھنے والا ایک بوڑھا ہے جو ہر صبح اپنی بیوی کی قبر پر پھول چڑھانے کے لیے آتا ہے۔ اس بوڑھے کو اپنی بیوی سے بہت محبت تھی۔ اس کا گھر بھی قبرستان کے پاس ہی ہے۔ اسی لیے اسے قبرستان آنے میں کوئی پریشانی نہیں ہوتی۔ وہ بوڑھا اس پراسرار اجنبی کو حیرت سے دیکھتا ہے لیکن اجنبی کو اس بات کی پروا نہیں ہے کہ کون اسے دیکھ رہا ہے۔ وہ پو کی قبر کے پاس آکر کھڑا ہوتا ہے۔ شراب کی بوتل کھولتا ہے۔ تھوڑی سی شراب پی کر بقیہ بوتل وہیں قبر کے پاس رکھ دیتا ہے۔ کچھ دیر تک گردن جھکائے کھڑا رہتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا قبرستان سے باہر چلا جاتا ہے۔ بوڑھے کے لیے یہ سب کچھ حیرت انگیز تھا۔

وہ گھر آکر اپنے بیٹوں کو بتاتا ہے لیکن کوئی زیادہ دھیان نہیں دیتا کہ اس قسم کے واقعات ہوتے ہی رہتے ہیں۔ ان میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔

ایڈگر ایلن پوے کی قبر

بوڑھے کو وہ آدمی کئی دنوں تک دکھائی نہیں دیا۔ حالانکہ بوڑھا اپنی عادت کے مطابق روزانہ قبرستان جایا کرتا ایک صبح ایسے ہی سرد موسم میں وہ پراسرار اجنبی پھر دکھائی دے جاتا ہے۔ وہ فروری کی انیس تاریخ ہے۔

بوڑھے کو یہ تاریخ اس لیے یاد رہی کہ اس کی شادی کی سالگرہ کا دن تھا۔ وہ گھر آکر پھر اس پراسرار اجنبی کا ذکر کرتا ہے۔ اس مرتبہ اس کے بیٹے کسی حد تک اس معاملے میں دلچسپی لیتے ہیں۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہوتا۔ بوڑھا اپنے ایک دوست سے اس اجنبی کا تذکرہ کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ "میرا خیال ہے کہ وہ اجنبی انیس ہی تاریخ کو آتا ہے۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو.....؟"

"اس لیے جب وہ پچھلی مرتبہ دکھائی دیا تھا تو انیس جنوری تھی۔" بوڑھے نے بتایا "پھر وہ انیس فروری کو دکھائی دیا۔"

"کیا دوسری مرتبہ بھی وہ شراب کی بوتل اپنے ساتھ لایا تھا.....؟" دوست نے پوچھا۔

"ہاں، دوسری مرتبہ بھی۔" بوڑھے نے جواب دیا۔

"چلو، تو پھر انیس مارچ کی صبح میں بھی تمہارے ساتھ قبرستان چلوں گا۔" اس کے دوست نے کہا۔

انیس مارچ کی صبح دونوں بوڑھے قبرستان میں تھے۔ کہر آلود ٹھنڈی صبح تھی۔ وہ اجنبی پھر دکھائی دے گیا۔ اس کا وہی حلیہ تھا۔ فلیٹ ہیٹ، اوور کوٹ اور ہاتھ میں شراب کی بوتل۔ وہ کسی پر دھیان دیے بغیر سیدھے پو کی قبر کے پاس گیا۔ وہاں کھڑے ہو کر اس

نے آدھی بوتل شراب پی اور بچی ہوئی شراب کی بوتل پو کی قبر کے پاس رکھ کر قبرستان کے گیٹ سے باہر چلا گیا۔ دونوں دوست حیرت زدہ ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہ گئے تھے۔

"خدا جانے یہ کیا سلسلہ ہے....؟" بوڑھے کے دوست نے کہا "چلو، ایک مقررہ تاریخ پر قبر پر آنا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن شراب کی بوتل کیوں رکھ کر چلا جاتا ہے....؟"

"اور آدھی شراب پی کر بقیہ آدھی کیوں چھوڑ جاتا ہے۔"

"کیوں نہ اگلی انیس کو اس کے پاس چل کر اس سے پوچھا جائے....؟" دوست نے مشورہ دیا۔

پھر اپریل کی انیس تاریخ آگئی۔ موسم اب بھی سرد تھا لیکن قابل برداشت تھا۔ اس مرتبہ اس آدمی کو دیکھنے کے لیے بوڑھے اور اس کے دوست علاوہ دو چار اور بھی تھے جو ایک پراسرار شخصیت کو دیکھنے کے شوق میں چلے آئے تھے۔

وہ پراسرار اجنبی معمول کے مطابق اپنے وقت پر نمودار ہوا۔ آج بھی اس کا وہی لباس تھا۔ وہی انداز، وہی حلیہ۔ وہ اسی طرح آہستہ آہستہ پو کی قبر کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ اس نے بوتل سے شراب پی اور جب آدھی بوتل رکھ کر واپس جانے لگا تو یہ لوگ اس کے سامنے آگئے۔ لیکن ان میں سے کسی میں اتنی ہمت نہ ہو سکی کہ وہ اس سے کچھ پوچھ سکیں۔ اس نے جب ذرا سی فلیٹ ہیٹ اٹھا کر ان لوگوں کی طرف دیکھا تو وہ سب بوکھلا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گئے۔ اس شخص کی آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ان آنکھوں سے آگ نکل رہی ہو۔ آگے آنے والے بری طرح خوف زدہ ہو گئے تھے، پھر وہ اطمینان کے ساتھ ان کے درمیان سے نکلتا چلا گیا۔

ایسا نہیں ہوا کہ وہ دکھائی نہ دیا ہو۔ اگلے مہینے یعنی مئی کی 19 تاریخ کو وہ پھر پو کی قبر پر آگیا۔ حالانکہ اب گرمی کا موسم تھا لیکن اس کے لباس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ اس مرتبہ اس کا راستہ گھیرنے کے لیے لوگوں کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی لیکن اس مرتبہ بھی کسی میں اتنی ہمت نہیں ہو سکی تھی کہ اس کا راستہ روک سکے یا اس سے کچھ پوچھ سکے۔ البتہ کچھ لوگوں نے اس کا تعاقب کرنے کی کوشش ضرور کی تھی لیکن وہ اس کا سراغ نہیں لگا سکے تھے۔ وہ قبرستان کے گیٹ سے باہر نکل کر اس طرح غائب ہو گیا تھا جیسے فضا میں تحلیل ہو گیا ہو۔

چونکہ اس کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں معلوم تھا۔ لوگ اس کے نام سے بھی ناواقف تھے اس لیے شناخت کے لیے Poe Toaster کہا جانے لگا تھا۔

وہ برسوں تک اسی طرح پو کی قبر پر ہر انیس تاریخ کی صبح شراب کی بوتل ہاتھ میں لیے آتا ہوا دکھائی دیتا رہا۔ اس کے بعد وہ اچانک غائب ہو گیا۔

❖❖❖

بابوشکا لیڈی Babushka Lady: یہ ذکر ہے ایک ایسی خاتون کا، جس کی شناخت بھی نہیں ہو سکی تھی لیکن اسے لیڈی کا نام دے دیا گیا تھا۔ بابوشکا دراصل خواتین کا ایک ہیٹ ہوتا ہے جیسے روسی خواتین استعمال کرتی ہیں۔ چونکہ اس خاتون نے ویسا ہی ہیٹ پہن رکھا تھا اسی لیے اسے بابوشکا لیڈی کے نام سے یاد کیا جاتا رہا تھا۔

یہ واقعہ 1963ء کا ہے۔ دنیا کے سب سے طاقتور ملک امریکا کا سب سے طاقتور شخص یعنی صدر امریکا کینیڈی کی سواری گزر رہی ہے۔ اچانک ایک طرف

سے گولی چلتی ہے اور کینیڈی کا قتل ہو جاتا ہے۔ یہ ایک خوفناک واردات تھی۔ ہر طرف بھگدڑ مچ جاتی ہے۔ کسی کو اپنا بھی ہوش نہیں ہے۔ اسی عالم میں یہ عورت اپنے ہاتھ میں کیمرا لیے دکھائی دیتی ہے۔ اس کے سر پر وہی بابوشکا ہیٹ ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ اس بھگدڑ اور خوف وہراس کے باوجود اس کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ بہت سکون کے ساتھ تصویریں کھینچتی رہتی ہے۔ گاڑیاں دوڑ رہی ہیں۔ پولیس والے بھاگتے پھر رہے ہیں۔ صدر کینیڈی کو اسپتال لے جایا گیا ہے لیکن وہ عورت اسی جگہ کھڑی رہتی ہے۔ اس کی بھی تصویریں کیمروں میں آجاتی ہیں لیکن اس کا چہرہ اس لیے پتا نہیں چلتا کہ وہ چہرہ ہیٹ میں چھپا ہوا ہے۔ بعد میں جب انتظامیہ کو ہوش آتا ہے تو اس عورت کی تلاش شروع ہوتی ہے لیکن وہ اب کہیں غائب ہو چکی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس عورت کے پاس اس قتل کا ثبوت موجود ہے کیونکہ اس نے تصویریں اتاری ہیں لیکن اسے کہاں اور کیسے تلاش کیا جائے....؟

پورے امریکا میں اس عورت کی تلاش کا کام شروع کر دیا گیا۔ اشتہارات دیے گئے۔ اسے انعام کی پیشکش کی گئی کہ وہ بس ایک مرتبہ سامنے آجائے لیکن وہ تو گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہو چکی تھی۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ کون تھی، کہاں سے آئی تھی اور تصویریں کھینچنے کا کیا مقصد تھا....؟ یہ تصویریں اس نے کہاں استعمال کی ہوں گی۔

پھر برسوں گزر گئے۔ اور ایک دن اچانک اسی قسم کا ہیٹ پہنے ایک عورت حکام کے سامنے پہنچ گئی۔ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ وہی عورت ہے۔ وہ اس دن اتفاق سے اسی سڑک سے گزر رہی تھی جس وقت یہ حادثہ ہوا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ اتنی دہشت زدہ ہو گئی تھی کہ اس سے بھاگا بھی نہیں جا رہا تھا اسی لیے وہ ایک ہی جگہ جم کر رہ گئی تھی۔ جب اس سے یہ دریافت کیا گیا کہ اس نے جو تصویریں اتاری تھیں، وہ کہاں ہیں۔ تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ اس نے بتایا کہ اس کے پاس کوئی کیمرا نہیں تھا۔ وہ خالی ہاتھ تھی، بعد میں پتا چلا کہ وہ ایک فراڈ عورت تھی اور صرف شہرت کی خاطر اس نے اپنے آپ کو پیش کیا تھا۔ بہر حال بابوشکا لیڈی اتنے برس گزر جانے کے بعد بھی ایک راز ہی ہے۔

❖❖❖

ڈین کوپر D.B. Coopet: لوگ نہیں جانتے کہ یہ اس کا نام بھی تھا یا نہیں یا صرف شناخت کے طور پر اسے ڈی بی کوپر کہا جاتا ہے۔ یہ بھی ایک عجیب پراسرار انسان تھا۔

یہ واقعہ 24 نومبر 1971ء کا ہے۔ طیارہ اپنی منزل

کی طرف محو پرواز تھا۔ سب کچھ ٹھیک ٹھاک تھا۔ موسم کی رپورٹ بھی اچھی تھی۔ طیارے کے مسافر گرما گرم کافی سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ کہیں بھی ایسے آثار نہیں تھے جن سے یہ اندازہ ہو سکے کہ جہاز میں کسی قسم کی گڑبڑ ہونے والی ہے۔ جہاز کی ائر ہوسٹیس مسافروں کی گرم جوشیوں کا جواب اپنی مسکراہٹوں سے دے رہی تھیں کہ اچانک ایک آدمی کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک ریوالور تھا۔

"سب میری طرف متوجہ ہوں۔" اس نے آواز لگائی "میرا نام جی بی کوپر ہے۔"

اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ اسی لیے سب کو اس کی طرف متوجہ ہونا ہی تھا۔ اس زمانے میں معاشرے میں تشدد کا اتنا رواج نہیں ہوا تھا۔ چاہے وہ مشرقی معاشرہ ہو یا مغربی۔ اور جہاز میں سفر کرنے والے جس طبقے کے لوگ ہوتے ہیں، وہ عام طور پر لڑائی بھڑائی سے پرہیز ہی کیا کرتے ہیں اسی لیے جب انہوں نے اچانک ایک مسافر کے ہاتھ میں ریوالور دیکھا تو سب بری طرح خوف زدہ ہو گئے۔

"معاف کیجیے خواتین و حضرات!" کوپر نے کہا "میں آپ لوگوں کو زیادہ پریشان نہیں کروں گا۔" اس کا لہجہ بھی بہت شائستہ اور سلجھا ہوا تھا۔

"کیا تم جہاز کو اغوا کرنا چاہتے ہو....؟" ایک

مسافر نے اس کے نرم لہجے سے ہمت پا کر سوال کیا۔

"ارے نہیں۔" کوپر مسکرا دیا "وہ بڑے لوگوں کے کام ہیں۔ میں بے چارہ تو ایک غریب، معمولی انسان ہوں۔"

"تو پھر تم کیا چاہتے ہو....؟"

"پیسے۔" کوپر نے کہا "آپ حضرات اور خواتین اپنی ساری رقم نکال کر میرے اس تھیلے میں ڈال دیں۔" اس نے اپنی جیب سے پلاسٹک کا ایک بڑا سا بیگ نکال کر ایک خوفزدہ ائر ہوسٹیس کو اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا۔ وہ ائر ہوسٹیس سہمی ہوئی اس کے پاس پہنچ گئی تھی۔

"گھبراؤ نہیں۔" کوپر نے کہا "میں کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ تم یہ بیگ لو اور لوگوں سے رقم لے کر اس میں رکھنا شروع کر دو۔ جس طرح چرچ کے چندے لیے جاتے ہیں، شاباش!"

"اور اگر کوئی نہ دے تو....؟" ائر ہوسٹیس نے پوچھا۔

"پھر تو مجبوری ہے۔" کوپر کا چہرہ سخت ہو گیا تھا۔ اب جو وہ بولا تو اس کی آواز میں بے رحمی شامل تھی "میں انکار کرنے والے کو یہیں ڈھیر کر دوں گا۔ کیونکہ میں صرف شوقیہ طور پر جہاز میں بیٹھ کر لوٹ مار نہیں کر رہا ہوں، بلکہ اپنی زندگی خطرے میں ڈال کر یہاں تک آیا ہوں۔"

اس کے لہجے کی سختی نے لوگوں کو مزید خوفزدہ کر دیا تھا۔ ائر ہوسٹیس ہر ایک سے رقم اکٹھا کرتی جا رہی تھی کہ اچانک ایک آدمی نے ائر ہوسٹیس کو پکڑ لیا۔

اس نے بڑی پھرتی سے ائر ہوسٹیس کو ڈھال بنا لیا تھا۔ "کوپر! اپنا ریوالور پھینک دو۔" اس آدمی نے کہا "ورنہ میں ائر ہوسٹیس کی گردن توڑ دوں گا۔"

"توڑ دو۔" کوپر بے رحمی سے بولا "تم کیا سمجھتے ہو کہ یہ ائر ہوسٹیس میری بیوی یا محبوبہ ہے کہ میں اس کا خیال کروں گا لیکن پھر یہ سوچ لو کہ اس کے بعد تمہارا کیا ہوگا....؟"

اس آدمی کے پاس اب کوئی چارہ نہیں رہا تھا کہ وہ ائرہوسٹیس کو چھوڑ دے۔ اس نے ائرہوسٹیس کو چھوڑ دیا۔ ائرہوسٹیس نے خوفزدہ ہوکر پھر سے اپنا کام شروع کر دیا۔ پھر اچانک کوپر کے ریوالور سے ایک گولی نکلی اور اس آدمی کے بازو میں پیوست ہوگئی جس نے ائرہوسٹیس کو پکڑا تھا۔ وہ آدمی بری طرح چیخ رہا تھا۔

"بس خاموش رہو۔" کوپر غرایا "یہی گولی میں تمہارے سینے میں بھی مار سکتا تھا لیکن صرف تھوڑی سی سزا دی ہے۔ اگر یہاں کوئی ڈاکٹر ہے تو اس کی مرہم پٹی کر دے۔"

اتفاق سے ایک سرجن اپنے اوزاروں کے ساتھ اسی طیارے میں سفر کر رہا تھا۔ وہ اس زخمی کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"تمہارا کیا خیال ہے کہ تم ائرپورٹ اتر کر بچ جاؤ گے....؟" ایک عورت نے کوپر سے پوچھا۔

"نہیں میڈم! میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں کہ کسی ائرپورٹ پر اترنے کی حماقت کروں۔" کوپر نے کہا۔ "پھر کیا کرو گے تم....؟"

"میڈیم، یہ آپ کا دردسر نہیں ہے۔" کوپر نے کہا "میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا ہے....؟"

بے چارہ زخمی اپنی مرہم پٹی کروا کے ایک طرف ہوگیا تھا۔ ایئرہوسٹس نے رقم تھیلے میں بھر کر کوپر کے حوالے کر دی۔ کوپر نے تھیلے کو دیکھتے ہوئے بلند آواز میں کہا "اچھا دوستو، میں نے آپ لوگوں کو زحمت دی۔ اب میرے چلنے کا وقت ہوگیا ہے۔"

سب اس سرپھرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اس نے ائرہوسٹس سے پیراشوٹ طلب کیا۔ پیراشوٹ باندھا اور اڑتے ہوئے طیارے سے کود گیا۔ یہ تو ایک پہلو ہوا، دوسرا پہلو اس سے زیادہ حیرت انگیز ہے۔ کوپر طیارے سے کود تو گیا لیکن وہ زمین پر اترا ہی نہیں۔ ہے نا حیرت کی بات۔

اتفاق ہے کہ اس نے جہاں طیارے سے چھلانگ لگائی، وہ فوجی علاقہ تھا، یہ چونکہ دن کا وقت تھا، اس لیے اس کے پیراشوٹ کو اترتے ہوئے دیکھ لیا گیا تھا۔ سب ہی حیران ہو رہے تھے کہ یہ کون شخص ہے جو اس طرح پیراشوٹ سے نیچے آرہا ہے۔ اس کو دوربینوں کے ذریعے آبزرو کیا جانے لگا۔

پیراشوٹ سیدھے فوجی چھاؤنی کی طرف آرہا تھا۔ اسی لیے فوجی بڑے اطمینان سے اس کے اترنے کا انتظار کر رہے تھے۔ لیکن اچانک ہوا کا رخ تبدیل ہوگیا اور پیراشوٹ قریبی جنگل کی طرف دوڑایا گیا لیکن اترنے والے کا کوئی پتا نہیں چلا۔ کوئی سراغ نہیں ملا، پورے جنگل کے چپے چپے کی تلاشی لے لی گئی لیکن نہ تو پیراشوٹ سے اترنے والے کا پتا چلا اور نہ ہی اس کے پیراشوٹ کا۔ آس پاس کی آبادیوں کی بھی تلاشی لے لی گئی لیکن کوپر کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔ دوسری طرف ائرپورٹ پہنچ کر مسافروں نے جب کوپر کے بارے میں بتایا تو سب ہی حیران رہ گئے۔

حیرت کی بات یہ تھی کہ مسافروں کی فہرست میں کوپر کا نام ہی نہیں تھا یعنی اس نام کا کوئی مسافر طیارے میں سوار ہی نہیں ہوا تھا۔ اور اس سے زیادہ حیرت کی بات یہ تھی کہ جہاز میں جتنے مسافر سوار ہوئے تھے۔ ان کی گنتی مکمل تھی یعنی جتنے سوار ہوئے تھے، اتنے ہی

اتر بھی گئے تو پھر یہ کوپر کون تھا، یہ کہاں سے آیا تھا....؟ یہ معما بھی ابھی تک لاینحل ہے۔

❖❖❖

لوہے کے نقاب والا Man In Iron Mask:

یہ دنیا کے بہت پراسرار اور نہایت بدنصیب آدمی کا نام ہے۔ نام کہاں، یہ اس کی شناخت ہے۔ اس شخص پر نہ جانے کتنی مرتبہ لکھا جا چکا ہے۔ اس پر فلمیں بھی بنیں، ہر ایک نے اپنے اپنے انداز سے اس پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے لیکن یہ راز ابھی تک حل نہیں ہو سکا کہ وہ کون تھا۔ وہ شخص اپنی زندگی میں بھی پراسرار رہا اور اپنی موت کے بعد بھی پراسرار ہے۔ یہ کہانی دنیا کے بدنصیب ترین شخص کی کہانی ہے۔

یہ واقعہ ہے سولہویں اور سترہویں صدی کے درمیان کا۔ کیونکہ اس کی موت نومبر 1703ء میں ہوئی تھی۔ فرانس مین اس وقت کنگ لوئس کی حکومت تھی۔ فرانس کی ایک جیل میں ایک ایسے قیدی کو لایا گیا جس کے چہرے پر لوہے کی نقاب چڑھی ہوئی تھی اور صرف اس کی آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں۔ اس قیدی کو بادشاہ کے حکم پر وہاں لایا گیا تھا۔ معمول کے مطابق جب اندراج کرنے کے لیے اس کا نام اور شناخت وغیرہ پوچھی گئی تو لانے والوں نے جواب دیا "نہیں، اس کی کوئی شناخت نہیں ہے۔ بادشاہ کے حکم پر اسے الگ کوٹھری میں رکھا جائے گا۔ کوئی شخص اس کے قریب ہونے کی کوشش نہ کرے۔ صرف کھانا اور پانی اس کے کمرے میں پہنچا کر واپس آجائے۔"

یہ تھا بادشاہ کا حکم اور ایک ایسا قیدی جس کے چہرے پر لوہے کی ایسی نقاب تھی جو کسی صورت اتر نہیں سکتی تھی۔ اس شخص کو فرانس کی مختلف جیلوں میں رکھا گیا۔ اور ہر جگہ اس کے ساتھ یہی صورتحال ہوتی تھی۔ کسی کو بھی اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔ خود وہ بھی بالکل خاموش رہتا تھا۔ کسی نے اسے بولتے ہوئے نہیں سنا۔ یا تو وہ گونگا تھا، یا پھر وہ خود ہی کسی سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بہت سے لوگوں کا خیال تھا کہ شاید وہ حکومت کا کوئی اہم عہدے دار ہے، جسے کسی قسم کی سزا سنائی گئی ہے لیکن کوئی اہم عہدے دار غائب بھی نہیں ہوا تھا، سب اپنی اپنی جگہ موجود تھے۔

اس کے بارے میں بے تحاشا قیاس آرائیاں کی گئیں۔ کون تھا وہ، بادشاہ نے اسے قید کیوں کروایا تھا۔ اس کی شناخت کیوں چھپائی گئی تھی....؟

کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ بادشاہ سے اس کے بارے میں سوال کر سکتا۔ ایک طرف تو یہ صورتحال تھی، دوسری طرف یہ بھی تھا کہ بادشاہ اس کی صحت کی طرف سے متفکر رہتا تھا۔

جب ایک مرتبہ وہ شخص بیمار پڑا تو بادشاہ نے اپنے خاص طبیب سے اس کا علاج کروایا تھا لیکن اس طبیب کو بھی معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ اس کا مریض کون ہے....؟

کچھ لوگوں کا یہ خیال تھا کہ شاید یہ شخص کسی بہت

بڑے راز سے واقف ہے اور بادشاہ اس سے وہ راز اگلوانا چاہتا ہے، اس لیے اسے قید میں رکھا ہوا ہے۔

وہ شخص راز اپنے سینے میں دفن کر چکا ہے۔ وہ بادشاہ کو بتانا نہیں چاہتا۔ لیکن یہ خیال اس لیے ناقابل قبول ہوا کہ اگر بادشاہ کا کوئی راز اس کے پاس ہوتا تو بادشاہ اسے قید میں رکھنے کا جھنجھٹ نہیں پالتا۔ ویسے ہی اس کو ہلاک کروادیتا، کون پوچھنے والا تھا۔

تو پھر یہ کون تھا....؟

وہ شخص برسوں تک فرانس کی مختلف جیلوں میں قید رہا اور کوئی بھی اس کی صورت دیکھنے میں کامیاب نہیں ہوا۔

بالآخر نومبر 1703ء میں اس آہنی نقاب پوش کی موت واقع ہوگئی۔ اب اس حوالے سے ایک اور حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اس کی موت کے بعد بادشاہ نے اس کے استعمال میں رہنے والی ہر چیز یا تو دفن کروادی یا جلوادی۔ انتہا یہ ہے کہ بادشاہ نے یہ سارا کام خود اپنی نگرانی میں کروایا تھا۔ اور آخرکار خود اس آدمی کی لاش بھی جلادی گئی تھی۔

اور وہ بے چارہ اپنی آہنی نقاب سمیت ہمیشہ کے لیے ایک پراسرار کردار بن کر رہ گیا کہ وہ کون تھا....؟ اس کردار کو سامنے رکھ کر نہ جانے کتنی کہانیاں لکھی جاچکی ہیں۔ کتنی فلمیں بن چکی ہیں لیکن یہ معما ابھی تک حل نہیں ہوپایا ہے اور شاید کبھی حل بھی نہ ہو۔

❖❖❖

وولپٹ کے سبز بچے Green Children Of Woolpit: یہ کہانی بارہویں صدی کی ہے۔ لیکن تاریخ لکھنے والوں نے اسے ہمیشہ زندہ رکھا ہے۔ اس کے بارے میں قیاس آرائیں کی ہیں۔ وولپٹ برطانیہ کا ایک قصبہ ہے۔ اس زمانے میں یہ ایک صاف ستھرا علاقہ تھا۔ لوگ کھیتی باڑی کیا کرتے یا اور دیگر کام کرتے۔ زندگی مشینی اور تیز رفتار نہیں ہوئی تھی۔ سب ایک دوسرے کو جانتے بھی تھے اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں بھی شریک رہا کرتے۔ یہ واقعہ اسی قصبے کا ہے۔ ایک صبح جب لوگ گھروں سے اپنے اپنے کام کے لیے نکلے تو انہوں نے دو بچوں کو دیکھا۔ دونوں گیارہ اور بارہ برس سے زیادہ کے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

ایک لڑکا تھا اور ایک لڑکی۔ ان دونوں کی شباہتیں ایک جیسی تھیں جو یہ بتا رہی تھیں کہ دونوں بھائی بہن ہیں۔ دونوں ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے اس طرح رو رہے تھے جس طرح والدین سے بچھڑ جانے والے بچے رویا کرتے ہیں۔

یہاں تک تو کوئی خاص بات نہیں تھی۔ خاص بات یہ تھی کہ دونوں کی جلد انتہائی گہرے سبز رنگ کی تھی۔ جیسے پورے جسم پر گہرے سبز رنگ کا پینٹ کر دیا گیا ہو۔ یہ ایک حیرت انگیز بات تھی۔

گہرے سبز رنگ کی جلد ایک انہونی سی بات تھی۔ قصبے میں جلد ہی سب کو اس کی خبر ہوگئی۔ پورا قصبہ ہی ان دونوں کو دیکھنے کے لیے وہاں جمع ہوگیا۔ جب ان بچوں سے بات کی گئی تو پتا چلا کہ وہ انگریزی نہیں جانتے۔ وہ ایک ایسی زبان بول رہے تھے، جو قصبے والوں کی سمجھ سے باہر

تھی۔ وہ جن معصوم نگاہوں سے قصبے والوں کی طرف دیکھ رہے تھے اور روئے جا رہے تھے، قصبے والوں کو ان پر بہت افسوس ہو رہا تھا۔ نہ جانے یہ بے چارے کون تھے، کہاں سے آئے تھے....؟

انہیں جب کھانے کے لیے دیا گیا تو انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا۔ اس موقعے پر مقامی چرچ کے پادری نے قصبے والوں سے کہا "دیکھو، مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ یہ دونوں بچے کسی اور سیارے سے آئے ہیں۔ انہیں خدا کا تحفہ سمجھو۔ ان کی قدر کرو، ان کا خیال رکھو اور یہ جان لو کہ خدا ہم سے خوش ہے اسی لیے اس نے ان دونوں کی پرورش کے لیے ہمارے قصبے ا انتخاب کیا ہے۔"

ان دونوں کے لے اسی وقت قصبے کا ایک گھر مخصوص کر دیا گیا۔ ان دونوں کو وہاں لے جایا گیا اور قصبے کے کچھ مردوں اور عورتوں نے اب بچوں کی پرورش کی ذمہ داری قبول کر لی۔

ایک مسئلہ یہ تھا کہ ان دونوں کو جو کچھ کھانے کے لیے دیا جاتا، وہ کھانے سے انکار کر دیتے تھے۔ یقیناً ان کی خوراک مختلف ہو سکتی تھی۔

لیکن کیا تھی، قصبے والوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ جب ایک عورت نے ان بچوں کے سامنے دودھ کے گلاس رکھے تو انہوں نے دودھ پی لیا تھا۔ ایک مسئلہ تو حل ہو گیا تھا۔ دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ ان سے بات کیسے کی جائے....؟ کیونکہ جو کچھ وہ بولتے تھے، وہ قصبے والوں کی سمجھ میں نہیں آتا تھا اور جو قصبے والے بولتے تھے، وہ ان بچوں کے سروں سے گزر جاتا تھا۔ بالآخر قصبے کے ایک آدمی نے ان دونوں کو انگریزی سکھانے کی ذمہ داری اپنے سر لے لی۔ چونکہ وہ بچے کچھ زیادہ عمر کے ہو چکے تھے اسی لیے انہیں کوئی نئی زبان سکھانا ایک مشکل مرحلہ تھا۔ اس کے باوجود اس آدمی نے ہمت نہیں ہاری اور ان دونوں کو انگریزی سکھاتا رہا۔ پانچ سال گزر گئے۔

ان پانچ برسوں میں قصبے والوں نے انہیں اپنی اولاد کی طرح قبول کر لیا تھا۔ قصبے کے ہر گھر میں ان کا آنا جانا تھا۔

دونوں انتہائی خوبصورت تھے اور قصبے والوں کا یہ خیال صحیح نکلا تھا کہ دونوں بھائی بہن تھے۔ انگریزی سیکھ جانے کے بعد انہوں نے یہی بتایا تھا۔

اپنے بارے میں انہوں نے یہ بتایا کہ ان کا تعلق ایک ایسی سرزمین سے ہے جو زمین کے نیچے ہے اور اندھیروں کی دنیا کہلاتی ہے۔ وہاں سورج کی روشنی کا گزر نہیں ہوتا اسی لیے ان دونوں کی جلدیں اتنے گہرے رنگ کی ہیں۔ ان دونوں نے یہ بھی بتایا کہ دونوں بھائی بہن گھر سے کھیلنے کے لیے نکلے تھے کہ نہ جانے کیسے یہاں آ گئے۔

قصبے والوں کا یہ خیال تھا کہ شاید ان دونوں کی زندگی اسی قصبے میں گزرے گی لیکن ایک دن وہ دونوں اچانک غائب ہو گئے۔ ان کا کوئی پتا نہیں چلا۔ جس طرح وہ آئے تھے۔ اسی طرح واپس چلے گئے۔ شاید اپنی اسی زمین دوز دنیا میں، جہاں سورج کی روشنی کا گزر نہیں ہوتا۔

نہ جانے کیسے کیسے بھید یہاں چھپے ہوئے ہیں۔ کیسے کیسے لوگ ہمارے اطراف میں ہیں۔ ایسے پراسرار لوگ جن کے لیے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کون ہیں۔ اور ان کی زندگی کیا ہے....؟

یہ بات تو یقینی ہے کہ ابھی بھی ان گنت بھید ہیں جن تک انسانی اذہان کی رسائی نہیں ہو سکی ہے۔

❄

عجیب نسخ

دنیا بھر میں رونما ہونے والے دلچسپ اور عجیب واقعات
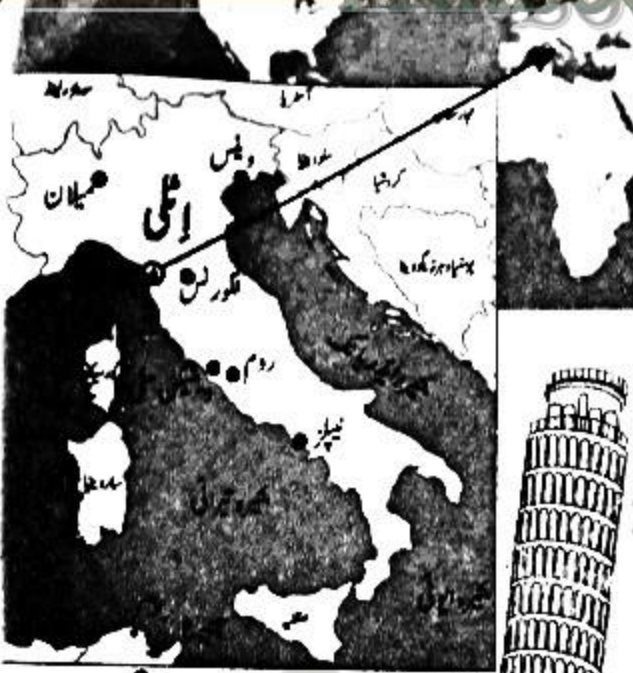
پیسا کا مینار

پیسا کا مینار (Pisa Tower) دنیا کے سات عجائبات میں سے ایک ہے۔ یہ اٹلی کے مشہور شہر پیسا میں نصب ہے۔ اٹلی کے باشندے کہتے ہیں یہ مینار ایک لاغر اور بوڑھی عورت ہے جس کا سانس کسی وقت بھی رک سکتا ہے اور وہ دم توڑ سکتی ہے، اگر یہ زمیں بوس ہو گیا، تو دنیا ایک خوبصورت اور عجیب چیز سے محروم ہو جائے گی۔ جس چیز نے اسے حیران کن بنا دیا ہے، وہ یہ ہے کہ گزشتہ نو سو برس سے مسلسل جنوب کی طرف جھکتا چلا جا رہا ہے، اور آج تک کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔

مینار کے گنبد میں سات گھنٹیاں لٹک رہی ہیں۔ ان میں سے ایک گھنٹی ساڑھے تین ٹن وزنی ہے۔ یہ گھنٹیاں وقفوں کے بعد بجتی رہتی ہیں۔ ایک مرتبہ کسی فنی خرابی کی وجہ سے یہ بڑے زور سے بجنے لگیں۔ ایسا محسوس ہوتا تھا، مینار ابھی گر جائے گا، ایسا شور تھا کہ مردے بھی جاگ اٹھیں۔ لیکن اس ٹیڑھے مینار کو ذرہ بھر نقصان نہ پہنچا۔ اس خوف سے کہ کہیں یہ آناً فاناً زمیں بوس نہ ہو جائے، ٹرک اور اسکوٹر وغیرہ جھکی ہوئی جانب جانے سے گریز کرتے تھے۔ ایک خاص بات یہ ہے کہ گزشتہ نو صدیوں میں اٹلی میں سینکڑوں زلزلے آئے، 838ء اور 1935ء کے شدید زلزلوں میں مینار کے بچاؤ کے لیے تدابیر اختیار کی گئیں، مگر مینار کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ دوسری جنگ عظیم میں اتحادیوں نے اس شہر پر تقریباً ایک سو بم برسائے۔ پورا شہر تلپٹ ہو گیا، مگر مینار کو ذرا بھی آنچ نہ آئی۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہر سال تقریباً بیس لاکھ سیاح اسے دیکھنے آتے ہیں، مگر 294 سیڑھیاں چڑھ کر گنبد تک جانے کی جرات بہت کم لوگ کرتے ہیں۔ دنیا بھر کے سیاح، مینار کے جھکاؤ سے پریشان ہوتے ہیں، لیکن خود اہل پیسا کو اس کا ذرا بھی احساس نہیں، بلکہ وہ تو اکثر گنگناتے رہتے ہیں "مینار کبھی نہیں گرے گا، کبھی نہیں گرے گا۔" تاہم مینار کے گرنے کا خطرہ ہر وقت موجود ہے۔

مثل مشہور ہے کہ اگر بنیاد ٹیڑھی ہو تو چاہے اس کی تعمیر آسمان کی بلندیوں تک کی جائے عمارت ٹیڑھی ہی رہتی ہے۔ ایسی عمارت کو سیدھا کرنے کا ایک ہی حل ہے کہ اُسے دوبارہ نئے سرے سے تعمیر کیا جائے۔

آج سے ہزاروں سال پہلے جب فن تعمیر ایک مشکل اور غیر معمولی فن سمجھا جاتا تھا۔ اس فن کے ماہرین بہت کم تھے اور خام مال و تعمیراتی تکنیک بھی محدود تھی۔ آج کی طرح اس شعبے میں آسانی نہیں تھی۔ تعمیرات پر بے پناہ اخراجات آتے تھے۔ صرف وہی حکومتیں عالی شان تعمیرات کراتی تھیں جن کے خزانوں میں خراج یا فتوحات کی دولت وافر آتی تھیں۔ یہی وجہ ہے ہمیں اس معاملے میں وہ ملک آگے نظر آتے ہیں جو زرعی لحاظ سے ترقی یافتہ تھے۔ جیسے مصر، ہندوستان اور عراق وغیرہ یا پھر سلطنت روما اور سلطنت ایران جیسے ممالک جنہوں نے فتوحات کی مدد سے آس پاس کے ممالک کی دولت لوٹی تھی۔ عموماً ذاتی شاہانہ خرچ، دفاع اور کسی قدر عوام کی فلاح و بہبود سے بچ جانے والی رقم سے ان ملکوں کے حکمران عالی شان عمارات بنواتے تھے۔

عام طور سے دفاع کے لیے یا کسی فتح یا کسی غیر معمولی واقعے کی یاد میں عالی شان تعمیرات کی جاتی تھیں۔ آج بھی ایسی غیر معمولی تعمیرات دنیا بھر میں موجود ہیں جو کسی نہ کسی فتح یا واقعے کی یاد دلاتی ہیں۔ ان کی تعداد لاکھوں میں ہے۔ صرف سلطنت روما کے دور میں بنائی گئی عمارات اور قلعوں کی تعداد دس ہزار سے زیادہ ہے اور یہ ساری تعمیرات غیر معمولی تھیں جن پر اس زمانے کے لحاظ سے کروڑوں کا خرچ آیا تھا اور ان کی تعمیر پر ہزاروں افراد کئی سال تک کام کرتے رہے تھے۔

تاریخی عمارتوں کے لحاظ سے یورپ کا شہر اٹلی خاص مقبولیت رکھتا ہے۔ سلطنت روما کے زوال کے بعد اٹلی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ کر رہ گیا۔ ان ریاستوں میں اٹلی کے جنوب میں واقع ایک چھوٹی سی ریاست پیسا بھی تھی۔ پیسا ایک شہری ریاست تھی جو ساحل کے ساتھ آباد ہے۔ اٹلی کے انتہائی جنوب میں واقع سسلی کے جزیرے سے اس کا فاصلہ کچھ ہی میل تھا۔ 1172ء میں سسلی نے جنگ کے بعد فتح کی خوشی میں ایک چرچ تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس وقت پیسا میں جمہوریت تھی اور ایک منتخب کونسل شہر اور ریاست کا نظم و نسق چلاتی تھی۔ اس کونسل نے چرچ کے ساتھ ایک گرجا گھر اور ایک مینار تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اٹلی میں امراء اور ریاستوں کو مینار سازی کا جنون رہا ہے اور تقریباً پورے اٹلی میں ہزاروں کے حساب سے مینار بنائے گئے تھے۔ ان میں سے بعض تین سو فٹ تک بلند تھے۔ میناروں کی تعمیر کا جنون اتنا تھا کہ لوگ اپنی دولت ایک دوسرے سے مقابلے میں مینار سازی پر لگانے لگے تھے۔

1173ء میں چرچ کی تعمیر شروع ہوئی.... کئی دہائیوں کے بعد جا کر کہیں یہ چرچ مکمل ہوا تھا۔ اس وقت اسے بنانے والے معماروں اور ریاستی کونسل نے گھنٹا گھر اور بپتسمہ گھر کی جگہ محفوظ رکھنے کے لیے ان کی بنیادوں پر کام کر لیا تھا۔ خاص طور سے گھنٹا گھر کی اولین منزل تعمیر کر لی گئی تھی۔ یہ پورا اسٹرکچر سفید اور ہلکے سبز رنگ کے سنگ مرمر سے بنایا جا رہا تھا۔ اس کی اندرونی دیواریں اور بنیادیں گرینائٹ سے بنائی گئی تھیں۔ گرینائٹ دنیا کا مضبوط ترین پتھر ہے۔ اس سے تعمیر کی گئی عمارات صدیوں برقرار رہتی ہیں۔ گرینائٹ اصل میں چونے کا پتھر ہوتا ہے جو موسمی تغیرات اور لاکھوں سال تک زیر زمین رہنے کے بعد سخت شکل اختیار کر جاتا ہے۔ چرچ کی تعمیر مکمل کر دی گئی اور بپتسمہ گھر بھی کچھ عرصے بعد مکمل ہو گیا تھا لیکن گھنٹا گھر (کلاک ٹاور) کی تعمیر آنے والے دو

سو سال تک جاری رہی۔ حالانکہ یہ کوئی بہت بلند گھنٹا گھر نہیں تھا۔

پیسا کے گھنٹا گھر کی تعمیر کئی وجوہات کی بنا پر دو صدیوں تک جاری رہی تھی۔ ایک تو اس کی تعمیر پر خرچ بہت زیادہ آرہا تھا اور وہ یورپ کی مفلوک الحالی کا دور تھا.... ایک وجہ یہ تھی کہ دوسری منزل کی تعمیر کے ساتھ ہی مینار کسی قدر ترچھا ہو گیا تھا اور اس کا جھکاؤ جنوب کی طرف ہو گیا تھا۔ جب گھنٹا گھر کی تعمیر کا منصوبہ بنایا گیا اور اس کا ڈیزائن منظور ہوا تو اس میں تعمیراتی اصول نظر انداز کر دیے گئے تھے۔ بلند میناروں کی تعمیر کے لیے ضروری ہے کہ یہ جس جگہ تعمیر کیے جائیں وہاں زمین سخت اور پتھریلی ہو اور بنیاد اتنی چوڑی ہو کہ پوری عمارت کا بوجھ سنبھال سکے۔ لیکن یہ دونوں باتیں نظر انداز کر دی گئیں۔

اٹلی کے بیشتر ساحلی شہروں کی طرح پیسا بھی اصل میں ایک نرم دلدلی ٹاپو پر آباد ہے۔ رومن دور میں یہاں دلدلوں کو پاٹ کر شہر بسایا گیا تھا۔ پھر بندرگاہ بنی، اگلی دو صدی میں پیسا ایک بڑا اور خوبصورت شہر بن چکا تھا۔ اوپر کی سطح پتھریلی ہونے کے باوجود پیسا کی اندرونی سطح آج بھی دلدلی اور نرم ہے جس پر ایک حد سے زیادہ بڑی اور وزنی عمارت کی تعمیر ممکن نہیں ہے۔ اس زمین پر حکومت نے سوچے سمجھے بغیر پندرہ ہزار ٹن وزنی مینار کی تعمیر کا منصوبہ بنالیا۔ مینار دوسری منزل کی تعمیر کے دوران ہی جھکنے لگا تھا لیکن اس وقت اس پر زیادہ توجہ نہیں دی گئی۔ ایک تو اس وقت تعمیراتی تکنیک اتنی اچھی نہیں تھی دوسرے معماروں کے پاس نقص جانچنے والے آلات بھی نہیں تھے۔ اس لیے جھکاؤ کے باوجود تعمیر کا سلسلہ جاری رہا۔

زمین میں کئی میٹر تک گہری اس کی بنیاد رکھی گئی اور پھر ایک کے بعد ایک منزل تعمیر ہو رہی تھی۔ دو سو مربع میٹر کی بنیاد والے اس مینار کی بلندی سو فٹ سے زیادہ ہے۔

مختلف وقتوں میں اس کی کل آٹھ منزلیں تو تعمیر ہوئیں۔ ان میں پہلی منزل کوئی بیس فٹ بلند ہے اور اس کے بعد ہر منزل چودہ فٹ بلند ہے جبکہ آخری منزل جہاں گھنٹا گھر ہے وہ بیس فٹ سے زیادہ بلند ہے۔ یوں اس کی بنیاد کے لحاظ سے دیکھا جائے تو اس کی بلندی زیادہ ہے اور پھر اسے بنایا بھی دلدلی زمین پر ہے جس کی وجہ سے مینار تعمیر مکمل ہونے کے فوراً بعد یہ ٹیڑھا ہونے لگا تھا۔

پیسا ٹاور کی بنیاد 1174ء میں بونانو پیانو نامی معمار نے رکھی۔ 1185ء تک وہ صرف تین منزلیں تعمیر کر پایا تھا کہ اس کی موت کا بلاوا آگیا۔ کہا جاتا ہے اس کی موت اس خوف سے ہوئی کہ مینار میں اس وقت جھکاؤ موجود تھا۔ 90 برس بعد ایک اور معمار نے اسے گرایا، بنیادیں گہری کھودیں اور از سر نو تعمیر شروع کی۔ وہ بھی سات منزلیں بنانے کے بعد دنیائے فانی سے رخصت ہو گیا۔ 80 سال تک تعمیر التوا میں پڑی رہی، پھر ایک تیسرے انجینئر نے اس کی آٹھویں منزل اور اس کے اوپر گنبد بنایا اور اس میں سات گھنٹیاں لٹکائیں، گویا یہ مینار دو صدیوں تک جاری رہا اور 1370ء میں یہ گھنٹا گھر پایۂ تکمیل کو پہنچا جو بعد میں عجائبات عالم میں سے ایک کہلایا۔ اس کی شہرت کا انداز اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ دنیا کے دس مشہور ترین میناروں میں اس کا نمبر پہلا ہے۔ ایفل ٹاور کا نمبر اس کے بعد آتا ہے۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے بونانو نے یہ جھکاؤ خود رکھا تا کہ دیکھنے والوں کی حیرت ہو، لیکن سائنسدان کہتے ہیں کہ یہ سرزمین پیسا کی اس مٹی کا قصور ہے جس میں اسفنج کی طرح مٹی اور ریت کے علاوہ ساٹھ فیصد پانی بھی موجود ہے۔ اگرچہ مینار کی بنیاد تیرہ فٹ چوڑی اور نو فٹ گہری ہے، اس کے باوجود جھکاؤ مسلسل بڑھ رہا ہے۔

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ پیسا ٹاور کی تکمیل کے وقت

ہی اس کا ٹیڑھا پن واضح ہو گیا تھا اور مینار کی بالائی منزل مرکز سے کئی فٹ دور جا چکی تھی۔ لیکن اس وقت یہ جھکاؤ خطرناک نہیں تھا اور دوسرے اس بات سے واقف ہونے کے باوجود ان لوگوں کے پاس ایسا کوئی طریقہ نہیں تھا کہ مینار کا جھکاؤ ختم کر سکتے یا اسے مزید جھکنے سے ہی روک سکتے۔ اس لیے بے بس ہو کر اہل پیسا نے مینار کو اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ انہوں نے یہ عقیدہ بنا لیا کہ خدا ان پر مہربان ہے اور وہی اس مینار کو گرنے سے بچائے ہوئے ہے۔

اس مینار کی وجہ سے وہ چوک جس پر کیتھڈرل واقع ہے معجزوں کا چوک کہلاتا ہے۔ اس کے نام کی وجہ پیسا ٹاور ہے جو خطرناک حد تک جھکا نظر آنے کے باوجود گزشتہ نو صدیوں سے کھڑا ہے اور اس کی مستحکم تعمیر میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ حیرت انگیز بات ہے کہ نو صدیوں کے دوران پیسا ٹاور نے درجنوں سمندری طوفانوں اور کم سے کم دو شدید زلزلوں کا سامنا کیا ہے اور اس کے باوجود یہ کھڑا ہوا ہے۔ ایک زلزلے میں چرچ کی عمارت کو نقصان ہوا تھا لیکن پیسا کا مینار صرف جھولتا رہا اور پھر اپنی جگہ مستحکم ہو گیا۔ ماہرین کا خیال ہے کہ اس کی نرم دلدلی زمین جو اس کے جھکاؤ کا سبب بن رہی ہے اسی نے اسے زلزلے میں زمین بوس ہونے سے بچایا ہے۔ کیونکہ یہ زمین زلزلے کا شدید جھٹکا جذب کر کے اسے مینار تک جانے سے روکتی ہے یوں مینار اتنی حرکت نہیں کر پاتا جو اس کے زمین بوس ہونے کے لیے کافی ہو۔

پندرہویں صدی میں اٹلی اور یورپ کے تعمیراتی ماہرین نے پیسا ٹاور کو جھکنے سے روکنے کی تگ و دو شروع کر دی تھی۔ اس وقت تک یہ اپنے مرکز سے دو میٹر یا سات فٹ دور جا چکا تھا۔ جب سورج دوپہر میں عین اس کے اوپر ہوتا تھا تو جنوبی سمت میں اس کا سایہ دیوار سے سات فٹ آگے پڑ رہا ہوتا تھا۔ اس وقت ماہرین کو اس کے سوا اور کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ اسے سہارا دینے کے لیے اس کی جنوبی سمت میں پلرز تعمیر کر دیے جائیں۔ لیکن حکومت نے یہ منصوبہ مسترد کر دیا اور رومانوی فن تعمیر کا یہ حسین شاہکار بدصورت ہونے سے بچ گیا۔ ایک تجویز یہ تھی کہ اس کی پہلی منزل کے چاروں طرف دیوار بنا کر اسے پگھلی ہوئی دھاتوں سے بھر دیا جائے اور یہ دھاتیں ٹھنڈی ہو کر پہلی منزل کو اپنی گرفت میں لے لیں گی جس سے پیسا کا مینار گرنے کے خطرے سے نکل آئے گا اور اس کا مشہور زمانہ جھکاؤ بھی برقرار رہے گا۔ لیکن عملی طور پر یہ بہت مشکل اور ناممکن حد تک پیچیدہ کام تھا کیونکہ پگھلی ہوئی دھات الٹا عمارت کو نقصان پہنچا سکتی تھی۔

آنے والی دو صدیوں تک مینار بچانے کی کوئی نئی کوشش نہیں کی گئی۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ مینار کا جھکاؤ برابر جاری تھا اور اس میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ سترھویں صدی تک مینار کا جھکاؤ تین میٹر زیادہ دس فٹ ہو چکا تھا۔ یہ جھکاؤ اتنا واضح اور خوفناک تھا کہ لوگ اس کے پاس جانے سے ڈرنے لگے تھے۔ ایک معمولی زلزلے نے اس کے جھکاؤ میں یکدم ایک فٹ کا اضافہ کر دیا تھا۔ لیکن جب پیسا کا مینار برقرار رہا تو رفتہ رفتہ لوگوں کا اعتماد بحال ہو گیا۔

سترھویں صدی میں ماہرین تعمیرات نے جدید تکنیک کی مدد سے مینار اور اس کی بنیادوں کا پہلی مرتبہ سائنٹیفک معائنہ کیا اور انہوں نے محسوس کیا کہ جھکنے کے باوجود اس کے تمام حصے اپنی جگہ مستحکم اور مضبوط ہیں۔ ان ماہرین نے مینار کو مزید جھکنے سے بچانے کے لیے کئی تجاویز پیش کیں لیکن ان میں سے کوئی بھی قابل عمل نہیں تھی۔ حیران کن طور پر اٹھارویں صدی میں مینار کا جھکاؤ بہت کم ہو گیا تھا اور یہ تقریباً ایک جگہ رک گیا تھا۔ اس وقت لوگوں کا خیال تھا کہ اب یہ اپنی بنیادوں پر مستحکم ہو گیا ہے اور مزید نہیں جھکے گا لیکن انیسویں صدی میں ان کا یہ خیال غلط ثابت ہوا اور مینار پھر جھکنے لگا۔ اس کی جھکنے کی رفتار پچھلی

صدیوں کے مقابلے میں بہت زیادہ بھی ہو گئی تھی۔ ایک سو سال کے اندر یہ مزید تین فٹ اپنے مرکز سے دور چلا گیا تھا اب یہ اپنے مرکز سے چار میٹرز کے فاصلے پر تھا۔

پہلی جنگ عظیم کے دوران اٹلی کو بھاری جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا تھا، دوسری جنگ عظیم سے پہلے اٹلی نے صنعتی لحاظ سے بڑی تیزی سے ترقی کی، اس دور میں ماہرین نے مینار کو مزید جھکنے سے بچانے کے منصوبے کا آغاز کیا، اس سلسلے میں جدید علوم کی مدد سے مینار کے جھکاؤ کی پیمائش کی گئی اور جدید ٹیکنالوجی سے کام لے کر اسے گرنے سے بچانے کے کام کا آغاز کیا گیا۔ ماہرین نے فرش میں متعدد چھوٹے لیکن طویل سوراخ کر کے فولادی پائپ ڈالے اور عمارت کو ان پائپوں سے منسلک کر کے پائپوں میں کنکریٹ بھر دیا، آج کل بھاری عمارتیں جو ریتیلی یا دلدلی زمین پر تعمیر کی جاتی ہیں ان کو زمین میں دھنسنے سے بچانے کے لیے یہی تکنیک استعمال کی جاتی۔ لیکن پیسا ٹاور میں یہ طریقہ ناکام رہا۔ کیونکہ زمین میں بہت زیادہ کھدائی ممکن نہیں تھی۔ بنیاد بہت مختصر ہونے کی وجہ سے مینار کے گرنے کا خطرہ لگا رہتا تھا اور پھر مینار کا کوئی بنیادی فولادی ڈھانچا نہیں تھا جس سے فولادی پائپ منسلک کیے جاتے اور پورے مینار کو سہارا دیتے۔ اس لیے مختلف جگہوں پر 80 ٹن کنکریٹ بھرنے کے باوجود مسئلہ جوں کا توں رہا۔

دوسری جنگ عظیم میں اتحادیوں نے اس شہر پر تقریباً ایک سو بم برسائے۔ پورا شہر تلپٹ ہو گیا، مگر مینار کو ذرا بھی آنچ نہ آئی۔ جنگ عظیم کے بعد ہوائی سفر کی وجہ سے دنیا میں سیاحت فروغ پانے لگی تھی اور بے شمار سیاح صرف جھکا ہوا ٹاور دیکھنے کے لیے پیسا کے خاموش اور چھوٹے سے شہر میں آنے لگے۔ پیسا، جدید اٹلی کا ایک چھوٹا سا اور غیر اہم شہر ہے۔ یہاں کی بندرگاہ عام سی ہے اور یہاں صنعتیں بھی نہ ہونے کے برابر ہیں۔ لوگ زیادہ تر ماہی گیری سے روزگار کماتے ہیں۔ اس لیے جب سیاحوں نے صرف پیسا مینار کی خاطر یہاں آنا شروع کیا تو اہل پیسا کو اس مینار کی افادیت کا درست اندازہ ہوا۔ بیسویں صدی کے نصف سے ہر سال دس سے بیس لاکھ سیاح پیسا آنے لگے۔ ان سیاحوں کی وجہ سے پیسا کے باشندوں کی مالی حالت بہتر ہوتی چلی گئی۔

دنیا کے مختلف حصوں سے جو سیاح اسے دیکھنے آتے ہیں، وہ جھکاؤ دور کرنے کے لیے گوناگوں تجویزیں پیش کرتے ہیں۔ لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اٹلی کے سائنسدان بھی اس کے متعلق نئے نئے منصوبے پیش کرتے رہتے۔ لیکن جب ماہرین نے مرمت اور عام لوگوں کی حفاظت کے لیے پیسا ٹاور کو عام افراد کے لیے بند کرنے کی بات کی تو مقامی لوگ چراغ پا ہو گئے تھے کیونکہ پیسا مینار پر چڑھنے اور اس کے آس پاس گھومنے پر پابندی لگ جاتی تو پھر کون پیسا آنا پسند کرتا۔ لوگوں کے دباؤ کی وجہ سے پورے تین سال تک مینار کو عام لوگوں کے لیے بند نہیں کیا گیا تھا۔ حالانکہ اس سارے عرصے میں مینار مسلسل جھکتا رہا تھا اور اسے بچانے کے لیے کوئی بھی سنجیدہ کوشش نہ ہو سکی۔ معاملہ ٹلتا رہا اور مینار کا جھکاؤ اپنے مرکز سے چار اعشاریہ سات میٹرز ہو گیا یعنی پندرہ فٹ اور تقریباً ساڑھے چار انچ۔ یہ جھکاؤ بہت زیادہ تھا اور مینار اب کسی وقت بھی گر سکتا تھا۔

بیسویں صدی کے دوران کچھ ایسے واقعات ہوئے جس سے پیسا ٹاور کے بارے میں لوگوں کے خدشات بڑھ گئے۔ اٹلی کے ساحلی شہر اور بندرگاہوں پر دلدلی زمینوں پر آباد چند صدیوں پرانے مینار زمین بوس ہو گئے۔ اس حادثے نے اہل پیسا کو مضطرب کر دیا۔ ہر طرف سے آوازیں اٹھنے لگیں کہ پیسا ٹاور کو بچانے کے لیے اقدامات کیے جائیں اور اسے عام افراد کے لیے بند کر دیا جائے۔ 1990ء میں پیسا ٹاور کو عوام کے لیے بند کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

لیکن ابھی تک مینار کے جھکاؤ کی وجہ کا تعین نہیں ہو پایا تھا۔ سول انجینئرز کا خیال تھا کہ مینار کی بنیاد کی مٹی نرم ہے اور یہ آسانی سے الگ ہو جاتی ہے، اس کا بونڈ کمزور ہے اور وجہ سے مینار جھک رہا ہے لیکن جیو ٹیک انجینئرز کا خیال تھا کہ اصل مسئلہ اس سے نیچے کی ریت والی پرت ہے۔ کیونکہ جب سمندر میں جوار بھاٹا آتا ہے تو اس ریت میں نمی کی وجہ سے کھسکاؤ پیدا ہوتا ہے اور یہی مسئلے کی جڑ ہے۔

1992ء میں مینار کو عارضی سہارا دینے کے لیے اس کی شمالی سمت سے مضبوط فولادی رسے اس کی بالائی منزل سے باندھ دیے گئے۔ یہ خاصا دشوار کام تھا کیونکہ ایک ایک رسے کا اپنا وزن دو سے چار ٹن تک تھا اور ہر رسا سو ٹن وزن سہار سکتا تھا۔

پیساٹاور کی بنیاد بہت مضبوط قسم کے پتھروں سے بنی ہے۔ اس لیے ماہرین نے فیصلہ کیا کہ اس پتھر کی بنیاد پر وزن رکھ کر مینار کو مزید جھکنے سے روکا جائے۔ اس مقصد کے لیے سب سے وزنی دھات سیسے کا انتخاب کیا گیا، لیکن یہ منصوبہ بھی رد کر دیا گیا کیونکہ سیسہ بہت زیادہ آلودگی پھیلانے والی دھات ہے۔

ایک تجویز یہ تھی کہ فرش میں سوراخ کر کے بنیادوں میں وزنی لنگر باندھ دیے جائیں جو زیر زمین مٹی کے ساتھ مل کر عمارت کو سہارا دیں۔ اس طرح یہ مزید جھکنے سے بچ جائے گی لیکن عمارت کے فرش میں سوراخ کرنے سے عمارت کے اصل اسٹرکچر کو نقصان ہوتا، دوسرے اس عمل کے دوران معمولی سی غلطی سے مینار فوراً گر سکتا تھا۔ بہرحال 1995ء میں اس پر عمل درآمد شروع ہوا۔ مگر اس بار مینار اتنی تیزی سے ٹیڑھا ہونے لگا کہ پچھلے کئی سالوں میں اتنا نہیں جھکا جتنا ان چند مہینوں میں جھک گیا۔ مینار کو گرنے سے بچانے کے لیے اسے مزید فولادی رسوں سے سہارا دیا اور اس کے فرش پر پھر سے سیسے کی اینٹیں رکھ دی گئیں۔ ان کا وزن نو سو ٹن تھا۔

آخر کار لندن کے جیو ٹیک انجینئرز پروفیسر برلینڈ نے ایک تجویز پیش کی کہ اگر مینار کی شمالی سمت سے بنیاد کے نیچے سے مٹی کی ایک مخصوص مقدار نکال دی جائے تو مینار کشش ثقل کے زیر اثر خود بہ خود سیدھا ہونے لگے گا۔ پروفیسر برلینڈ پُر امید تھا کہ اس عمل سے مینار نہ صرف گرنے سے بچ جائے گا بلکہ اس کا خطرناک جھکاؤ ختم ہو کر اپنے معمول کے جھکاؤ پر واپس آجائے گا۔ اس نے ذمہ داری لے لی۔ کمیٹی نے اجازت دے دی۔ 1999ء میں یہ کام شروع ہوا اور پیساٹاور کی شمالی سمت میں بنیاد کے نیچے ڈرل کر کے مٹی نکالی جانے لگی۔ یہ سارا عمل بہت احتیاط اور سست روی سے کیا جا رہا تھا تاکہ بنیاد کو نقصان نہ ہو۔

کام اتنی احتیاط اور سست روی سے ہو رہا تھا کہ جیسے کوئی چمچ سے کنواں کھود رہا ہو۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آنے والے دو سالوں میں مینار کی شمالی بنیاد کے نیچے سے صرف ستر ٹن مٹی نکالی جا سکی تھی۔ دو سال بعد جا کر یہ کام مکمل ہو گیا، جب ماہرین نے جائزہ لینا شروع کیا کہ مینار پر اس کا کیا اثر ہوا ہے تو حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اب مینار اڑتالیس سینٹی میٹر سیدھا ہو گیا تھا۔ اس کوشش سے یہ مینار چند مہینوں میں اس پوزیشن میں آگیا جس میں انیسویں صدی کے آغاز میں تھا۔

2001ء میں پیساٹاور کو پورے بارہ سال بعد عوام اور سیاحوں کے لیے پھر کھول دیا گیا تھا۔ 2008ء میں ماہرین کو اس کی بنیاد میں نصب برقی آلات سے معلوم ہوا ہے کہ اب پہلی مرتبہ اس نے پوری طرح جھکنا بند کر دیا ہے۔ اور اس پوزیشن میں اس کے گرنے کا خطرہ باقی نہیں رہا ہے۔ ماہرین کا اندازہ ہے کہ اگلے 300 سال تک اسے گرنے سے بچا لیا گیا ہے، لیکن پھر بھی محفوظ ہونے کے باوجود اسے کسی سمندری طوفان اور زلزلوں سے بہر حال خطرہ لاحق ہے۔

دنیا بھر میں اس ماہ منائے جانے والے تہواروں، مذہبی و ثقافتی تقریبات، خوشی اور غم سے منسوب یادگار اور اہم دنوں کا تذکرہ

دسمبر 2014ء / صفر، ربیع الاول 1436ھ

S	M	T	W	T	F	S
	1	2	3	4	5	6
7	8	9	10	11	12	13
14	15	16	17	18	19	20
21	22	23	24	25	26	27
28	29	30	31			

یومِ شہادت امام حسن مجتبیٰؓ

22 دسمبر 2014

28 صفر المظفر اسلام کے دوسرے امام، حضرت علی اور فاطمۃ الزہرا کے بڑے بیٹے اور حضرت محمد ﷺ کے نواسے حضرت امام حسن مجتبیٰؓ کا یوم شہادت ہے، ہر سال دنیا بھر میں یہ دن امام حسنؓ کی صبر و استقامت اور قربانی کی یاد میں نہایت عقیدت و احترام سے منایا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں ملک بھر میں مجالس عزاء اور تقریبات منعقد ہوتی ہیں، علماء حضرت امام حسنؓ کی تعلیمات پر روشنی ڈالتے ہیں کہ کس طرح آپؓ نے اقتدار کی قربانی دے کر اُمت کو انتشار سے بچالیا تھا۔

عالم اسلام

عرسِ مبارک حضرت داتا گنج بخشؒ

12 دسمبر 2014

برصغیر کے عظیم صوفی بزرگ حضرت سید ابوالحسن شیخ علی بن عثمان ہجویریؒ المعروف داتا گنج بخش کے یوم وصال کی مناسبت سے داتا صاحب کے نوسو اکہتر (971) ویں عرس کی تین روزہ تقریبات 18 تا 20 صفر (12 تا 24 دسمبر 2014ء) کو جوش و خروش سے منائی جائیں گی۔ عرس میں شرکت کے لیے ملک بھر سے لاکھوں زائرین داتا کی نگری لاہور میں آتے ہیں اس موقع پر مزار پر چادر پوشی کی خصوصی تقریب کے ساتھ مسجد داتا دربار میں قومی محفل حسن قرات اور محفل نعت کا انعقاد ہوتا ہے۔

یومِ وصال حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ

1 دسمبر 2014

خطۂ پنجاب کے عظیم ولی اللہ، سلسلۂ سہروردیہ کے روحانی بزرگ شیخ الاسلام حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ کا یوم وصال 7 صفر 661ھ ہے۔ اس سال 1 دسمبر 2014ء کو آپؒ کے سات سو چوہتّرویں 774 عرس کی تقریبات ملتان میں منائی جائیں گی۔ اس موقع پر درگاہ کے سجادہ نشین کی طرف سے مزار کو غسل دے کر پھولوں کی چادر چڑھائی جاتی ہے۔ عرس کے دوران مزار کا احاطہ، ہزاروں زائرین کے قیام وطعام کا مرکز بنا رہتا ہے۔

عرسِ مبارک حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ

8 دسمبر 2014

وادی مہران سندھ کے عظیم المرتبت بزرگ، صوفی شاعر اور تاریخ دان، شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ نے 14 صفر 1165 ہجری بمطابق 1752 عیسوی کو بھٹ شاہ میں وفات پائی، اس سال 14 صفر (8 دسمبر 2014ء) کو آپ کا دوسو اکہتر واں (271) عرس منایا جائے گا۔ اس موقع پر ملک بھر سے آئے ہوئے ہزاروں افراد مزار پر حاضری دے کر شاہ بھٹائی سے اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ عرس کی تقریبات کا آغاز مزار پر چادر چڑھا کر ہوتا ہے، اس موقع پر میلہ بھی لگتا ہے۔ نامور فنکار شاہ لطیف بھٹائی کا کلام اور آپ کے ایجاد کردہ موسیقی کے آلے تنبورو کو بجا کر خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

پاکستان

139 واں یوم قائداعظم محمد علی جناحؒ

25 دسمبر 2014

بابائے قوم، بانی پاکستان، قائداعظم محمد علی جناح، 25 دسمبر 1876 کو کراچی پیدا ہوئے۔ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے یوم پیدائش پر ملک بھر میں تقریبات اور سیمینارز منعقد کیے جاتے ہیں جن میں ان کی شاندار خدمات پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔
اس موقع پر ملک کی اہم شخصیات مزار قائد پر حاضری اور پھول چڑھاتی ہیں۔
یوم قائداعظم تجدید عہد کا دن ہے جو ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ہمارے عظیم قائد نے حکمت عملی اور انتھک محنت اور جدوجہد سے اس خطہ ارضی کو حاصل کیا۔ اس موقع پر ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم بانی پاکستان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے جذبہ ایمانی کو زندہ کرکے قائد کے اصل پاکستان کی حفاظت اور تکمیل کا فریضہ سرانجام دیں۔

اقوام عالم

پہاڑوں کا عالمی دن

11 دسمبر 2014

پاکستان سمیت دنیا بھر میں 11 دسمبر کو زمین کے ایک چوتھائی حصہ پر پھیلے پہاڑوں اور کہساروں کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔ اس عالمی دن کو منانے کا آغاز 2002ء میں کیا گیا، یہ عالمی دن منانے کا مقصد انسانی زندگی میں پہاڑوں کی اہمیت، فوائد پہاڑوں کا قدرتی حسن برقرار رکھنے کے لئے اقدامات کا شعور اجاگر کرنا ہے۔ پہاڑی علاقوں میں رہنے والے لوگوں کے مسائل اجاگر کرنا ہے۔ صرف پاکستان میں 108 چوٹیاں واقع ہیں۔ اس موقع پر دنیا بھر میں تقریبات اور سیمینار منعقد ہوتے ہیں، جن میں پہاڑیوں کی حالت بہتر بنانے اور ان کے قدرتی ماحول کو برقرار رکھنے کے لئے خصوصی اقدامات کی ضرورت پر زور دیا جاتا ہے۔

انسانی حقوق کا عالمی دن

10 دسمبر 2014

گزشتہ 64 برس سے دنیا بھر میں ہر سال 10 دسمبر کو انسانی حقوق کا عالمی دن منایا جاتا ہے، عالمی حقوق انسانی سے مراد انسانی حقوق کا وہ عالمی منشور ہے جس کا منشاء ہے کہ انسان اس دنیا میں آزاد اور پرامن رہے۔ اس موقع پر ہیومن رائٹس کی سرکاری وغیر سرکاری تنظیموں کے اشتراک سے انسانی حقوق کے بارے میں عوامی شعور بیدار کرنے کیلئے خصوصی واکس منعقد کی جاتی ہیں، جن میں سرکاری و غیر سرکاری حکام سمیت، تمام مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے افراد بڑی تعداد میں شرکت کرتی ہیں۔

اینٹی کرپشن ڈے

9 دسمبر 2014

کرپشن ایک سنگین جرم ہے جو معاشرتی و معاشی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھا جاتا ہے۔ پاکستان سمیت دنیا بھر میں ہر سال 9 دسمبر کو انسداد کرپشن کے حوالے سے عالمی دن منایا جاتا ہے۔ اس دن کی مناسبت سے دنیا بھر میں سیمینارز، واکس اور دیگر تقریبات کا انعقاد کیا جاتا ہے، جس میں عوام کو کرپشن کے خاتمے سے متعلق آگاہی دی جاتی ہے۔ پاکستان میں قومی احتساب بیورو کی طرف سے اس مناسبت سے اینٹی کرپشن ویک منایا جاتا ہے اور اس دن کی مناسبت سے مختلف پروگرام ترتیب دیئے گئے ہیں۔

مختصر مختصر

5 دسمبر: مٹی کا عالمی دن world soil day، یہ دن قدرت کا ایک انمول تحفہ اور ہمارے ماحول کا اہم جز "مٹی" کی اہمیت اجاگر کرنے کے لیے منایا جاتا ہے، مٹی اس دنیا میں سب سے قدیم تعمیراتی جز ہے، جو لاکھوں معدنیات کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اور نباتات کی پیداوار کے لیے لازمی ہے۔

7 دسمبر: سول ایوی ایشن (شہری ہوابازی) کا عالمی دن، یہ دن شہری ہوابازی کے پچاس سال مکمل ہونے پر 1994ء سے منایا جارہا ہے۔ یہ دن منانے کا مقصد انٹرنیشنل سول ایوی ایشن کی اہمیت کے متعلق شعور بیدار کرنا اور بین الاقوامی فضائی ٹرانسپورٹ کیلئے انٹرنیشنل سول ایوی ایشن آرگنائزیشن کے کردار کو اجاگر کرنا ہے۔ اس دن دنیا بھر کے مسافر بردار طیاروں، ہوائی اڈوں اور ان سے منسلک افراد کی خدمات کو سراہا جاتا ہے۔

18 دسمبر: عربی زبان کا عالمی دن، یونیسکو کے زیر اہتمام اس عالمی دن منانے کا مقصد مختلف زبانیں بولنے والے لوگوں کو ایک دوسرے کے قریب لانا ہے، ان کے درمیان ثقافتی ہم آہنگی پیدا کرنا ہے۔

20 دسمبر: انسانی یک جہتی کا عالمی دن (international human solidarity day) اس کا مقصد غربت کے خاتمے، دنیا کی آبادی کے غریب ترین طبقات خاص طور پر ترقی پذیر ممالک میں انسانی اور سماجی ترقی کو فروغ دینا ہے۔

غلامی سے نجات کا دن

2 دسمبر 2014

غلامی کی جدید شکل جبری مشقت اور بیگار کے خاتمے کا عالمی دن ہر سال 2 دسمبر کو منایا جاتا ہے اس دن کو منائے جانے کا مقصد انسانوں کی تجارت، جنسی استحصال، بچوں کی محنت کی نامناسب اشکال، ضرورت کی شادی، دلہنیں بیچ جانا، بیواؤں کی فروخت اور بچوں کو زبردستی پکڑ کر مسلح تصادمات میں استعمال جیسے غلامانہ اعمال کو جڑ سے اکھاڑنا ہے اور دور حاضر کی ہر قسم کی غلامی کے خاتمے پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے اس کے خلاف شعور بیدار کرنا ہے۔ اس وقت دنیا میں دو کروڑ دس لاکھ عورتیں، مرد اور بچے حالت غلامی میں زندگیاں بسر کررہے ہیں۔

تارکین وطن کا بین الاقوامی دن

18 دسمبر 2014

ہر سال 18 دسمبر کو تارکین وطن کا دن منایا جاتا ہے۔ اس وقت دنیا بھر میں پھیلے ہوئے 23 کروڑ سے زائد لوگ اپنے وطن اور اپنوں سے دور وہ کر اپنے خاندان کے اخراجات اٹھا رہے ہیں۔ یہ تعداد دنیا کے پانچویں بڑے ملک کو آباد کرنے کے لئے کافی ہے۔ یہ دن دنیا بھر میں تارکین وطن کی کوششوں، کامیابیوں، اور حقوق کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ اس دن تمام ممالک کی جانب سے ان لوگوں کو تحفظ مہیا کرنے کی فوری ضرورت کو اجاگر کیا جاتا ہے۔

انٹرنیشنل والنٹیئر ڈے

5 دسمبر 2014

پاکستان سمیت دنیا بھر میں انٹرنیشنل والنٹیئر ڈے (رضا کاروں کا عالمی دن) 5 دسمبر کو منایا جاتا ہے، یہ دن منانے کا مقصد دنیا بھر میں رضا کاروں کے حقوق کا تحفظ اور انہیں معاشرہ میں ان کو جائز مقام دلانا ہے اور مقامی، قومی اور بین الاقوامی سطح پر جاری ترقیاتی کاموں میں مل جل کر کام کرکے اقتصادی اور سماجی ترقی کو ممکن بنانا ہے۔ یہ رضا کار دنیا سے غربت جہالت ناانصافی ظلم وستم کے خاتمے کے لیے اپنا کردار کرتے ہیں۔ اس موقع پر مختلف تقاریب اور واک کا اہتمام کیا جاتا ہے، جس میں اقتصادی و سماجی ترقی میں رضا کاروں کا کردار پر زور دیا جاتا ہے۔

کرسمس۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یوم پیدائش

25 دسمبر 2014

25 دسمبر کو عیسائی برادری کرسمس کا تہوار مناتی ہے۔ یہ دن اللہ کے بندے اور رسول حضرت عیسیٰ کا یوم پیدائش ہے۔ دنیا کے دیگر ملکوں کی طرح پاکستان میں بھی مقامی مسیحی برادری دسمبر کے مہینے میں اپنے مرکزی مذہبی تہوار کی تیاریوں میں مصروف ہوتی ہے۔ کرسمس کے موقع پر دنیا بھر میں گرجا گھروں میں خصوصی دعائیہ تقاریب کے بعد مسیحی برادری کی ایک بڑی تعداد اپنے عزیز اقربا سے ملنے یا تفریحی مقامات کا رخ کرتی ہے۔ عیسائی اپنے گھروں اور دیگر عمارات میں رنگ برنگے قمقموں اور آرائشی چیزوں سے سجا صنوبر کا درخت (کرسمس ٹری) لگاتے ہیں اور ایک دوسرے کو تحفہ تحائف دیتے ہیں۔

حنوکا۔ روشنیوں کا تہوار

16 دسمبر 2014

یہودیوں میں روشنیوں کا تہوار "حنوکا" Hanukkah (عید تجدید) منایا جاتا ہے، یہ تہوار آج سے دو ہزار برس قبل بیت المقدس کے یونانی تسلط سے آزادی کی خوشی میں منایا جاتا ہے، اس روز یہودیوں نے یروشلم پہ دوبارہ قبضہ اور اسے بتوں سے پاک کیا تھا۔
اس موقع پر انہوں نے 8 روز تک میں شمعیں روشن کر کے شاندار جشن منایا تھا۔ یہ تہوار یہ چھ شاخوں والے ایک شمعدان مینورہ (Menorah) کو جلا کر منایا جاتا ہے۔

پارسی مذہب کے بانی زرتشت کا یوم وصال

26 دسمبر 2014

"زرتشت نو دسو" پارسی مذہب کے بانی زرتشت کا یوم وصال ہے، پارسی مذہب کا یہ اہم دن پارسی کیلنڈر کے دسویں مہینے کی گیارہ تاریخ کو منایا جاتا ہے، جو اس سال 26 دسمبر کو ہوگا۔ اس تہوار میں پارسی لوگ اپنے پیغمبر زرتشت کی حیات و سچائی اور نجات اور امن کی تعلیمات پر مجالس کرتے ہیں، آتش کدوں میں خصوصی عبادات کی جاتی ہیں۔

روہتسو بودھی ڈے

8 دسمبر 2014

بدھ مت کا یہ تہوار 8 دسمبر کو گوتم بدھ کے نروان پانے اور اپنی تعلیمات کی تبلیغ کے آغاز کے دن کے طور پر منایا جاتا ہے۔

معذوروں کا عالمی دن

3 دسمبر 2014

اس وقت دنیا کی کل آبادی کے دس فیصد لوگ کسی نہ کسی معذوری میں مبتلا ہیں۔ نابینا اور معذور افراد سے یکجہتی کے لئے معذوروں کا عالمی دن (انٹر نیشنل ڈے آف ڈس ایبل پرسن) ہر سال 3 دسمبر کو منایا جاتا ہے۔ جس کا بنیادی مقصد معذور افراد کے ساتھ اظہار یکجہتی اور انہیں معاشرے کا کارآمد شہری بنانے کے لئے ترغیب دینا اور دنیا بھر میں معذوروں کو درپیش مسائل کا اجاگر کرنا ہے۔

ورلڈ ایڈز ڈے

1 دسمبر 2014

1988ء سے ہر سال یکم دسمبر کو پاکستان سمیت دنیا بھر میں ستر لاکھ جانوں کے قاتل ایڈز کے خلاف آگاہی کا عالمی منایا جاتا ہے۔ اس موقع پر ایڈز کے خاتمہ، اس مہلک مرض کے بارے میں عوامی شعور بیدار کرنے کے لئے ہیلتھ سیمینارز، کانفرنسز اور ورکشاپس، مذاکروں کا اہتمام کیا جاتا ہے تاکہ عوام الناس کو ایڈز کے مرض، اس کی وجوہات، ابتدائی علامات، علاج معالجہ، تدارکی اقدامات اور دیگر امور کے بارے میں آگاہ کیا جا سکے۔ ہر سال دسمبر کی پہلی تاریخ کو اس مرض اور اس کے خلاف وعدوں کی یاد دلانے کے لیے دنیا بھر میں لوگ لال رنگ کا ربن پینے یا بازو پر لگاتے ہیں۔

عالمِ امروز

دلچسپ خبریں، حیرت انگیز واقعات اور ایجادات.....

مرتبہ: برمیس

یورپ میں پرندوں کی تعداد میں ڈرامائی کمی

برطانیہ کی یونیورسٹی آف ایگزیٹر کے ایک جائزے کے مطابق تین عشرے پہلے کے مقابلے میں براعظم یورپ میں پرندوں کی تعداد میں بیالیس کروڑ پرندوں کی کمی واقع ہو چکی ہے۔ یورپ بھر میں پرندوں کی جانب سے یہ ایک بڑی تنبیہ ہے اور یہ بات واضح ہے کہ جس طریقے سے ہم آج کل اپنے ماحول کا انتظام چلا رہے ہیں، پرندوں کی بہت سی جانی پہچانی اقسام کے لیے زندہ رہنا کافی مشکل ہو گا۔

پرندوں کی تعداد میں نوے فیصد کمی چڑیاؤں اور تیتروں جیسے عام پرندوں کے ہاں دیکھنے میں آئی۔ انہیں وہ تحفظ حاصل نہیں ہے، جو بقا کے خطرے سے دوچار پرندوں کی بہت سی اقسام کو حاصل ہے۔ دوسری جانب سفید بگلے جیسے نایاب پرندوں کو تحفظ حاصل ہے، ان کی تعداد میں حالیہ برسوں کے دوران اضافہ دیکھا گیا ہے۔

پرندوں کی عام اقسام کی تعداد میں کمی اس لیے بھی تشویشناک ہے کہ یہ وہ پرندے ہیں، جو لوگوں کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچاتے ہیں۔ یہ عام پرندے فصلوں اور پھل دار درختوں کو نقصان پہنچانے والے کیڑوں کی روک تھام میں مدد دیتے ہیں اور پودوں کے بیج ایک سے دوسری جگہ پہنچانے میں بھی معاون ثابت ہوتے ہیں۔ اسی طرح مُردار کھانے والے پرندے قدرتی ماحول کو صاف رکھنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

انکشافات

پچاس برس قبل چین میں نئی کمیونسٹ قیادت نے یہ اندازے لگاتے ہوئے کہ ایک عام چڑیا سال میں ساڑھے چار کلوگرام اناج کھا جاتی ہے اور یہ کہ ہر ایک ملین ہلاک کر دی جانے والی چڑیاؤں کے بدلے میں ساٹھ ہزار انسانوں کو خوراک فراہم کی جا سکتی ہے، کروڑہا چڑیاؤں کو ہلاک کر دیا گیا تھا۔ تاہم ایک ہی عشرے بعد جب قحط کی سی صورتِ حال پیدا ہو گئی تو چینی حکام کو اپنے فیصلے کے غلط ہونے کا اندازہ ہوا اور انہیں یہ پتہ چلا کہ یہ پرندہ فصلوں کو نقصان پہنچانے والے کیڑوں کو تلف کرنے میں کتنا اہم کردار ادا کرتا تھا۔ تب ماؤزے تنگ کے حکم پر چڑیاؤں کو مارنے کی مہم ختم کر دی گئی تھی۔

انٹرنیٹ

گوگل، مستقبل کا پرسنل سیکرٹری

دنیا کے سب سے بڑے سرچ انجن گوگل مستقبل میں ایک ایسے پرسنل سیکرٹری کا کردار ادا کرے گا، جو اپنی تکنیکی صلاحیتوں کو استعمال کرتے ہوئے اپنے صارف کو بھرپور فائدہ پہنچائے گا۔ ساتھ ہی یہ سرچ انجن سوچنے سمجھنے کے دائرے کو بھی وسیع کرنے میں مکمل تعاون کرے گا۔ مستقبل کی دنیا میں کسی بھی شخص کو مطلوبہ معلومات اس کے سوال کرنے سے پہلے ہی دستیاب ہو جایا کرے گی۔ مثال کے طور پر گوگل اس کی آواز پہچان لے گا، دنیا کی کوئی بھی زبان سمجھی جا سکتی ہو گی اور ٹچ اسکرین اور کمپیوٹر ٹیکنالوجی بے انتہا ترقی کر جائیں گے۔ یعنی مستقبل میں اس شعبے میں بے پناہ امکانات ہوں گے۔

مستقبل کی دنیا

شہر کے اندر شہر بسانے کا منصوبہ

بلند و بالا عمارتیں بنانا ہمیشہ سے انسانی فطرت میں شامل رہا ہے۔ ہر دور میں جدید، خوبصورت اور بلند عمارتیں تعمیر کی گئیں۔ آج سائنس کے ترقی یافتہ دور میں تو اس دوڑ میں فن تعمیر کے ایسے ایسے شاہکار تعمیر کئے گئے ہیں جن کو دیکھ کر عقل حیران رہ جائے لیکن ابھی یہ سفر ختم نہیں ہوا بلکہ اس کو مزید عروج میں پہنچایا جا رہا ہے لندن میں ایسی عظیم الشان عمارت کی تعمیر کا منصوبہ تیار کیا گیا ہے جو عمارت کم اور شہر زیادہ نظر آئے گا۔

چین کے کم فائی تائی نامی سپر اسکائی اسکریپر ایوارڈ یافتہ انجینئر نے اس منصوبے کو حقیقت کا رنگ دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ کم فائی کی جانب سے ڈیزائن کی گئی اس عمارت کو "اینڈ لیس سٹی" The Endless City کا نام دیا گیا ہے۔ اس بلند و بالا عمارت کی لمبائی 300 میٹر ہو گی۔ کم فائی کا کہنا ہے کہ وہ صرف ایک بلند عمارت کی تعمیر نہیں کر رہے بلکہ ایک شہر بسا رہے ہیں۔ اس ٹاور میں دو گلیاں ہوں گی جو پوری عمارت میں گھومیں گی۔ اس کے دونوں جانب نہ صرف گھر بلکہ دوکانیں اور پارک بھی بنائے جائیں گے، جب آپ کا دل کرے آپ کسی پارک میں جائیں اور خوب انجوائے کریں۔ ڈیزائنر کا کہنا ہے کہ اس عمارت سے پورے لندن سے رابطہ رکھنے کے ساتھ ساتھ پورے لندن کا نظارہ بھی کیا جا سکے گا۔

ایجادات

معذور بچے اب چل سکیں گے

دنیا بھر کے معذور بچوں کیلئے خوشی کی خبر ہے کہ وہ معذوری کے باوجود چلنے کے قابل ہو جائیں گے۔ جی ہاں آئرلینڈ نے اب ایسی ڈیوائس ایجاد کی ہے جسے پہن کر وہ عام لوگوں کی طرح چل پھر سکیں گے۔ "فائر فلائی اپسی" firefly upsee نامی اس ڈیوائس کو والدین اپنی کمر سے باندھ کر بچوں کو ساتھ لے کر چل سکتے ہیں جبکہ اس طرح بچے کھڑے ہو کر نہ صرف چل سکیں گے بلکہ کھیل کود بھی کر سکیں گے۔ یہ ڈیوائس جسمانی معذور بچوں کی زندگی میں کسی خوشگوار تبدیلی سے کم نہیں۔

کانٹیکٹ لینس میں ٹی وی

جیمز بونڈ اور مشن امپوسبل جیسی سائنس فکشن فلموں میں آپ نے ایسے کانٹیکٹ لینس دیکھے ہوں گے جنہیں کیمرے یا ورچول رئیلٹی کے

اس خواب ناک ٹاور کو حقیقت کا رنگ دینے والی تعمیراتی کمپنی شور کی منیجر الینا ویلکارس کا کہنا ہے کہ ٹاور کے اندر آپ پورے شہر کا چکر لگا سکیں گے۔ ان کا کہنا تھا کہ عمارت کی گلیاں چھت کے قریب زیادہ وسیع ہوں گی تاکہ قدرتی روشنی اور ہوا کا حصول ممکن ہو جس کی بدولت توانائی کا خرچہ کم کیا جاسکے گا۔ عمارت میں بارش کے پانی کو جمع کرنے اور اسے ری سائیکل کے ذریعے دوبارہ استعمال کرنے کا نظام بھی موجود ہوگا۔

برطانیہ میں لندن کا شمار ان شہروں میں ہونے لگا ہے کہ جہاں زیادہ تر آبادی کا حصہ مشرق وسطی اور ایشیاء سے تعلق رکھنے والے لوگوں پر مشتمل ہے۔ مقامی انگریز آبادی اب اقلیت میں شمار ہونے لگی ہے۔ اب لندن کے مختلف حصوں میں مختلف ممالک سے تعلق رکھنے والے افراد آباد ہیں جو کہ اب برطانوی شہری ہیں ان کو انگریز آبادی کے مساوی ہر وہ سہولت میسر ہے جو کہ پورے برطانیہ میں مقامی انگریز آبادی کو فراہم کی جاتی ہے۔ تعلیم، صحت، بے روزگاری الاؤنس کے علاوہ رہائش کے لئے مقامی کونسلوں کے فراہم کردہ فلیٹ اور گھر حاصل ہیں۔

2001ء میں لندن کی آبادی 7.3 ملین کے لگ بھگ تھی۔ 2011ء کی مردم شماری کے مطابق لندن کی کل آبادی 8.2 افراد پر مشتمل ہے جن میں غیر ملکیوں کی اکثریت ہے۔ اینڈلیس سٹی شاید بڑھتی ہوئی آبادی کے اسی مسئلہ کو حل کرسکے۔

طور پر استعمال کیا جاتا ہے، اب آپ یہ ایجاد حقیقت کے روپ میں بھی دیکھ سکیں گے۔ گوگل گلاس کی ٹکر پر

انوویگا نامی امریکی کمپنی نے ایک ایسا کانٹیکٹ لینس "iOptik" تیار کیا ہے جس میں آپ ٹی وی دیکھ سکتے ہیں۔ اس لینس کو براہ راست آنکھ میں لگانے سے اس میں موجود ننھے اسکرین آپ کو یہ تاثر دیں گے کہ آپ 240 انچ کا ٹی وی دس فٹ کے فاصلے سے دیکھ رہے ہیں۔ اس میں نانو ٹیکنالوجی استعمال کی گئی ہے اور
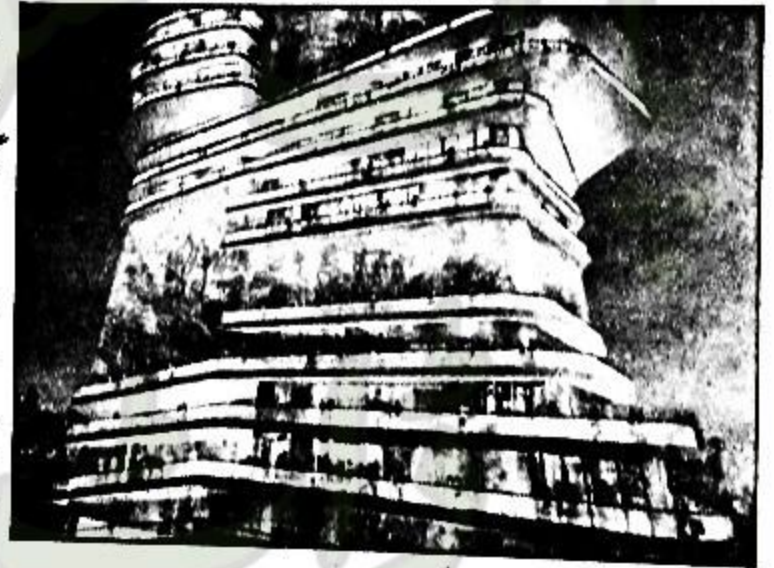
تمام آلات ننھے منے ہیں۔ یہ کمپنی ایسے ہائی ٹیک لینس بھی بنا رہی ہے جو امریکی فوج استعمال کرسکے، خاص بات یہ ہے کہ یہ لینس پاور نہیں مانگتے اور عام لینس کی طرح آنکھوں میں جم جاتے ہیں، یہ لینس نارمل بصارت کو بڑھا دیتے ہیں اور عام بصارت میں کوئی خلل بھی نہیں ڈالتے۔

معاشرہ

جسمانی ورزش .... ڈپریشن کا مؤثر علاج

ڈپریشن دنیا بھر میں پائے جانے والے ذہنی عارضوں میں سب سے عام بیماری ہے اور دنیا بھر میں 350 ملین افراد اس کا شکار ہیں۔ عالمی ادارہ صحت ڈبلیو ایچ او کے مطابق ڈپریشن دنیا بھر میں انسانوں کی کارکردگی میں نقص پیدا ہونے کا سب سے بڑا سبب ہے۔ اس بیماری کا عام طور سے علاج ادویات یا فزیوتھراپی یا پھر بیک وقت دونوں کے امتزاج سے کیا جاتا ہے۔ تاہم بہت سے مریض اس بیماری سے نجات حاصل نہیں کر پاتے۔

برطانیہ کے طبی ماہرین نے ایک تحقیق میں کہا ہے کہ فارغ اوقات میں پابندی اور تسلسل کے ساتھ کی جانے والی جسمانی ورزش ڈپریشن کے ممکنہ مریضوں میں ایک ہی وقت میں جسمانی اور ذہنی دونوں طرح کی صحت کے لیے مفید ثابت ہوتی ہے۔ بیس سے چالیس سال کی درمیانی عمر کے ایسے افراد، جنہوں نے پہلے کبھی جسمانی ورزش نہ کی ہو، جب پابندی سے ہر ہفتے تین بار جسمانی ورزش اور سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہیں تو ان میں ڈپریشن کی بیماری کے خطرات 16 فیصد کم ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہفتہ وار بنیادوں پر کی جانے والی ہر اضافی جسمانی ورزش اس بیماری کے امکانات میں مزید کمی کا سبب بنتی ہے۔

صحت

انڈے کھائیے

ذہنی امراض سے محفوظ رہیے

کیا آپ یاداشت کی کمزوری اور دماغی انتشار سے بچنا چاہتے ہیں تو فکر کی کوئی بات نہیں اس کے لیے صرف انڈے کھانا ہوں گے۔ یہ دعویٰ ٹفٹس یونیورسٹی امریکا میں کی جانیوالی ایک طبی تحقیق میں سامنے آیا ہے۔ تحقیق کے مطابق انڈے دو اینٹی آکسائیڈنٹس لیوٹین اور زیکس نیتھن کا بہترین ذریعہ ہیں جو دماغی افعال کو بہتر بنا کر یاداشت کی کمزوری اور ذہنی انتشار میں مبتلا ہونے کے امکانات کو انتہائی کم کر دیتے ہیں۔

اخروٹ کا روزانہ استعمال سرطان سے محفوظ رکھتا ہے

کیلی فورنیا، امریکی کی یونیورسٹی میں کی جانے والی تحقیق میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ اخروٹ کا روزانہ استعمال مردوں کو غدود کے سرطان سے بچا سکتا ہے، اخروٹ میں انسانی صحت کے لئے انتہائی مفید اجزا پائے جاتے ہیں جو کہ چھاتی کے سرطان اور دل کی بیماریوں کو قابو کرنے میں مدد فراہم کرتے ہیں۔

چاکلیٹ نقصان دہ نہیں

برطانیہ میں کی گئی نئی تحقیق میں ثابت ہوا ہے کہ چاکلیٹ مزے دار ہونے کے ساتھ ساتھ صحت مند بھی ہوتی ہے یہ انسانی جسم کی قوت مدافعت پیدا کرنے والے عناصر کو مضبوط کرتی ہے، چاکلیٹ میں موجود کوکا، پوٹاشیم، میگنیشیم، آئرن اور زنک دماغی صحت کو بہتر کرنے میں مددگار ہوتے ہیں۔ ریسرچ کے مطابق تھوڑی سے ورزش اور اچھی غذا کے ساتھ براؤن چاکلیٹ کھانے سے بیڈ کولیسٹرول (ایل ڈی ایل) کم ہوتا ہے اور صحت مند کولیسٹرول (ایچ ڈی ایل) بڑھتا ہے۔

کُتبہ

غلام عباس

شہر سے کوئی ڈیڑھ دو میل کے فاصلے پر پر فضا باغوں اور پھلواریوں میں گھری ہوئی قریب قریب ایک ہی وضع کی بنی ہوئی عمارتوں کا ایک سلسلہ ہے جو دور تک پھیلتا چلا گیا ہے۔ ان عمارتوں میں کئی چھوٹے بڑے دفتر ہیں جن میں کم و بیش چار ہزار آدمی کام کرتے ہیں۔ دن کے وقت اس علاقے کی چہل پہل اور گہما گہمی عموماً کمروں کی دیواریوں ہی میں محدود رہتی ہے مگر صبح کو ساڑھے دس بجے سے پہلے اور سہ پہر کو ساڑھے چار بجے کے بعد وہ سیدھی اور چوڑی چکلی سڑک جو شہر کے بڑے دروازے سے اس علاقے تک جاتی ہے ایک ایسے دریا کا روپ دھار لیتی ہے جو پہاڑوں سے آیا ہو اور اپنے ساتھ بہت سا خس و خاشاک بہا لایا ہو۔

گرمی کا زمانہ، سہ پہر کا وقت، سڑکوں پر درختوں کے سائے لمبے ہونے شروع ہو گئے تھے مگر ابھی تک زمین کی تپش کا یہ حال تھا کہ جوتوں کے اندر تلوے جھلسے جاتے تھے۔ ابھی ابھی ایک چھڑکاؤ گاڑی گزری تھی۔ سڑک پر جہاں کہاں پانی پڑا تھا، بخارات اٹھ رہے تھے۔

شریف حسین کلرک درجہ دوم معمول سے کچھ سویرے دفتر سے نکلا اور اس بڑے پھاٹک کے باہر آ کر کھڑا ہو گیا جہاں سے تانگے والے شہر کی سواریاں لے جایا کرتے تھے۔ گھر کو لوٹتے ہوئے آدھے راستے تک تانگے میں سوار ہو کر جانا ایک ایسا لطف تھا جو اسے مہینے کے شروع کے صرف چار پانچ روز ہی ملا کرتا تھا اور آج کا دن بھی انہی مبارک دنوں میں سے ایک تھا۔ آج خلاف معمول تنخواہ کے آٹھ روز بعد بھی اس کی جیب میں پانچ روپے کا نوٹ اور کچھ آنے پیسے پڑے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ اس کی بیوی مہینے کے شروع ہی میں بچوں کو لے کر میکے چلی گئی تھی اور وہ گھر میں اکیلا رہ گیا تھا۔ دن میں دفتر کے حلوائی سے دو چار پوریاں لے کر کھا لی تھیں اور اوپر سے پانی پی کر پیٹ بھر لیا تھا۔ رات کو شہر کے کسی سستے سے ہوٹل میں جانے کی ٹھہرائی تھی۔ بس بے فکری ہی بے

لکڑی تھی۔ گھر میں کچھ ایسا اثاثہ تھا نہیں جس کی رکھوالی کرنی پڑتی اس لیے وہ آزاد تھا کہ جب چاہے گھر جائے اور چاہے تو ساری رات سڑکوں پر گھومتا رہے۔

تھوڑی دیر میں دفتروں سے کلرکوں کی ٹولیاں نکلنی شروع ہوئیں۔ ان میں ٹائپسٹ، ریکارڈ کیپر، ڈسپیچر، اکاؤنٹنٹ، ہیڈ کلرک، سپرنٹنڈنٹ غرض اونیٰ واعلیٰ ہر درجہ اور حیثیت کے کلرک تھے اور اسی لحاظ سے ان کی وضع قطع بھی ایک دوسرے سے جدا تھی۔ مگر بعض ٹائپ خاص طور پر نمایاں تھی۔ سائیکل سوار آدھی آستینوں کی قمیض، خاکی زین کے نیکر اور چپل پہنی، سر پر سولا ہیٹ رکھی، کلائی پر گھڑی باندھی، رنگدار چشمہ لگائی، بڑی بڑی توندوں والے بابو چھاتا کھولی، منہ میں بیڑی، بغلوں میں فائلوں کے گٹھے دابی، ان فائلوں کو وہ قریب قریب ہر روز اس امید میں ساتھ لے جاتے کہ جو گتھیاں وہ دفتر کے غل غپاڑے میں نہیں سلجھا سکے ممکن ہے گھر کی یکسوئی میں ان کا کوئی حل سوجھ جائے۔ مگر گھر پہنچتے ہی وہ گرہستی کاموں میں ایسے الجھ جاتے کہ انہیں دیکھنے تک کا موقع نہ ملتا اور اگلے روز انہیں یہ مفت کا بوجھ جوں کا توں واپس لے آنا پڑتا۔

بعض منچلے تانگے، سائیکل اور چھاتے سے بے نیاز، ٹوپی ہاتھ میں، کوٹ کاندھے پر، گریبان کھلا ہوا جسے بٹن ٹوٹ جانے پر انہوں نے سیفٹی پن سے بند کرنے کی کوشش کی تھی اور جس کے نیچے سے چھاتی کے گھنے بال پسینے میں تربتر نظر آتے تھے۔ نئے رنگروٹ سستے سلے سلائے ڈھیلے ڈھالے بدقطع سوٹ پہنے اس گرمی کے عالم میں واسکٹ اور نکٹائی کالر تک سے لیس، کوٹ کی بالائی جیب میں دو دو تین تین فونٹین پن اور پنسلیں لگائے خراماں خراماں چلے آرہے تھے۔

گو ان میں سے زیادہ تر کلرکوں کی مادری زبان ایک ہی تھی مگر وہ لہجہ بگاڑ بگاڑ کر غیر زبان میں باتیں کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ اس کی وجہ وہ طمانیت نہ تھی جو کسی غیر زبان پر قدرت حاصل کرنے پر اس میں باتیں کرنے پر اکساتی ہے بلکہ یہ کہ انہیں دفتر میں دن بھر اپنے افسروں سے اسی غیر زبان میں بولنا پڑتا تھا اور اس وقت وہ باہم بات چیت کر کے اس کی مشق بہم پہنچا رہے تھے۔

ان کلرکوں میں ہر عمر کے لوگ تھے۔ ایسے کم عمر بھولے بھالے ناتجربہ کار بھی جن کی ابھی مسیں بھی پوری نہیں بھیگی تھیں اور جنہیں ابھی اسکول سے نکلے تین مہینے بھی نہیں ہوئے تھے اور ایسے عمر رسیدہ جہاں دیدہ گھاگھ بھی جن کی ناک پر سالہا سال عینک کے استعمال کے باعث گہرا نشان پڑ گیا تھا اور جنہیں اس سڑک کے اتار چڑھاؤ دیکھتے دیکھتے پچیس پچیس تیس تیس برس ہو چکے تھے۔ بیشتر کارکنوں کی پیٹھ پر گدی سے ذرا نیچے خم سا آگیا تھا اور کند استروں سے متواتر داڑھی مونڈھتے رہنے کے باعث ان کے گالوں اور ٹھوڑی پر بالوں میں جڑیں پھوٹ نکلی تھیں جنہوں نے بیشمار ننھی ننھی پھنسیوں کی شکل اختیار کر لی تھی۔

پیدل چلنے والوں میں بہتیرے لوگ بخوبی جانتے تھے کہ دفتر سے ان کے گھر کو جتنے راستے جاتے ہیں ان کا فاصلہ گنے گنائے ہزار قدم ہے۔ ہر شخص افسروں کے چڑچڑے پن یا ماتحتوں کی نالائقی پر نالاں

غلام عباس نے 1909ء میں امر تسر میں آنکھیں کھولیں۔ تعلیم اور پرورش لاہور کے ادب پرور ماحول میں پائی۔ لکھنے لکھانے کا شوق فطرت میں داخل تھا۔ ان کی باقاعدہ ادبی زندگی کا آغاز 1925ء سے ہوا۔ ابتدائی چند سالوں کا عرصہ غیر ملکی افسانوں کے ترجموں میں گزارا۔ 1928ء سے 1937ء تک ممتاز ڈرامہ نگار سید امتیاز علی تاج کے والد شمس العلماء مولوی سید ممتاز علی کے ہفت روزہ رسالوں پھول (بچوں کیلئے) اور تہذیب نسواں (عورتوں کیلئے) میں بطور نائب مدیر کام کیا۔ جنگ عظیم دوئم میں آل انڈیا ریڈیو میں ملازم ہو گئے اور اس کے ہندی و اردو رسالوں سارنگ اور آواز کی ادارت کے فرائض سرانجام دیئے۔ اسی دور میں کئی شاہکار افسانے بھی تخلیق کئے۔ قیام پاکستان کے بعد لاہور چلے آئے اور ریڈیو پاکستان سے وابستہ ہو کر اس کے رسالے آہنگ کے ایڈیٹر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ 10 نومبر 1982ء کو کراچی میں انتقال فرمایا۔

بحثیت افسانہ نگار غلام عباس کا نام اردو کے افسانہ نگاروں میں ایک منفرد اور اعلیٰ مقام کا حامل ہے، گو کہ انہوں نے بہت کم افسانے لکھے لیکن جتنے لکھے بہت خوب لکھے۔ غلام عباس ان کے افسانوں میں صداقت، واقعیت اور حقیقت پسندی کا وہ جوہر جھلکتا ہے جو افسانہ نگاری کی جان ہوتا ہے۔ ان کے کردار ہمارے روزمرہ زندگی اور معاشرے ہی کے چلتے پھرتے اور جیتے جاگتے کردار ہیں۔ غلام عباس کی تحریر "کتبہ" اردو ادب کی مشہور کہانی ہے، کہانی کا مرکزی کردار پرانے زمانے کا مفلوک کلرک تھا، رستے سے سنگ مرمر ایک تختہ پسند آنے پر خرید لیا، دل میں بہت سے ارمان امیدیں تراش لیں، پھر اسی تصور نے کتبہ تراش دیا۔

ایک تانگے کی سواریوں میں ایک مسافر کی کی دیکھ شریف حسین لپک کر اس میں سوار ہو گیا۔ تانگہ چلا اور تھوڑی دور میں شہر کے دروازے کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ شریف حسین نے اکنی نکال کر کوچوان کو دی اور گھر کے بجائے شہر کی جامع مسجد کی طرف چل پڑا۔ جس کی سیڑھیوں کے گرداگرد ہر روز شام کو کہنہ فروشوں اور سستا مال بیچنے والوں کی دکانیں سجا کرتی تھیں اور میلہ سا لگا کرتا تھا۔ دنیا بھر کی چیزیں اور ہر وضع اور ہر قماش کے لوگ یہاں ملتے تھے۔ اگر مقصد خرید و فروخت نہ ہو تو بھی یہاں لوگوں کو چیزیں خریدتی، مول تول کرتے دیکھنا بجائے نظر آتا تھا۔

خود ایک پر لطف تماشا تھا۔

شریف حسین لیکچر باز حکیموں، سنیاسیوں، تعویذ گنڈے بیچنے والے سیانوں اور کھڑے کھڑے تصویر اتار دینے والے فوٹو گرافروں کے جمگھٹوں کے پاس ایک ایک دو دو منٹ رکتا، سیر دیکھتا اس طرف جا نکلا جہاں کباڑیوں کی دکانیں تھیں، یہاں اسے مختلف قسم کی بے شمار چیزیں نظر آئیں۔ ان میں سے بعض ایسی تھیں جو اپنی اصلی حالت میں بلاشبہ صنعت کا اعلیٰ کا نمونہ ہوں گی۔ مگر ان کباڑیوں کے ہاتھ پڑتے پڑتے یا تو ان کی صورت اس قدر مسخ

ہوگئی تھی کہ پہچانی ہی نہ جاتی تھی یا ان کا کوئی حصہ ٹوٹ پھوٹ گیا تھا جس سے وہ بیکار ہوگئی تھیں۔ چینی کے ظروف اور گلدان، ٹیبل لیمپ، گھڑیاں، جلی ہوئی بیٹریاں، چوکھٹی، گراموفون کے کل پرزے، جراحی کے آلات، ستار، بھس بھرا ہرن، پیتل کے لم ڈھینگ، بدھ کا نیم قد مجسمہ......

ایک دکان پر اس کی نظر سنگ مرمر کے ایک ٹکڑے پر پڑی جو معلوم ہوتا تھا کہ مغل بادشاہوں کے کسی مقبرے یا بارہ دری سے اکھاڑا گیا ہو۔ اس کا طول کوئی سوا فٹ تھا اور عرض ایک فٹ۔ شریف حسین نے اس ٹکڑے کو اٹھا کر دیکھا۔ یہ ٹکڑا ایسی نفاست سے تراشا گیا تھا کہ اس نے محض یہ دیکھنے کے لیے کہ بھلا کباڑی اس کے کیا دام بتائے گا، قیمت دریافت کی۔

تین روپے! کباڑی نے اس کے دام کچھ زیادہ نہیں بتائے تھے مگر آخر اسے اس کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اس نے ٹکڑا رکھ دیا اور چلنے لگا۔

''کیوں حضرت چل دیے؟ آپ بتائیے کیا دیجیے گا.....!''

وہ رک گیا۔ اسے یہ ظاہر کرتے ہوئے شرم سی آئی کہ اسے اس چیز کی ضرورت نہ تھی اور اس نے محض اپنے شوق، تحقیق کو پورا کرنے کے لیے قیمت پوچھی تھی۔ اس نے سوچا، دام اس قدر کم بتاؤ کہ جو کباڑی کو منظور نہ ہوں۔ کم از کم وہ اپنے دل میں یہ تو نہ کہے کہ یہ کوئی کنگلا ہے جو دکانداروں کا وقت ضائع اور اپنی حرص پوری کرنے آیا ہے۔

''ہم تو ایک روپیہ دیں گے۔'' یہ کہہ کر شریف حسین نے چاہا کہ جلد جلد قدم اٹھاتا ہوا کباڑی کی نظروں سے اوجھل ہو جائے مگر اس نے اس کی مہلت ہی نہ دی۔

''اجی سنیے تو۔ کچھ زیادہ نہیں دیں گی! سوا روپیہ بھی نہیں... اچھا لے جائیے''.....

شریف حسین کو اپنے آپ پر غصہ آیا کہ میں نے بارہ آنے کیوں نہ کہے۔ اب لوٹنے کے سوا چارہ ہی کیا تھا۔ قیمت ادا کرنے سے پہلے اس نے اس مرمریں ٹکڑے کو اٹھا کر دوبارہ دیکھا بھالا کہ اگر ذرا سا بھی نقص نظر آئے تو اس سودے کو منسوخ کردے مگر وہ ٹکڑا بے عیب تھا۔ نہ جانے کباڑی نے اسے اس قدر سستا بیچنا کیوں قبول کیا تھا۔

رات کو جب وہ کھلے آسمان کے نیچے اپنے گھر کی چھت پر اکیلا بستر پر کروٹیں بدل رہا تھا تو اس سنگ مرمر کے ٹکڑے کا ایک مصرف اس کے ذہن میں آیا۔ خدا کے کارخانے عجیب ہیں وہ بڑا غفور الرحیم ہے۔ کیا عجب اس کے دن پھر جائیں۔ وہ کلرک درجہ دوم سے ترقی کرکے سپرنٹنڈنٹ بن جائے اور اس کی تنخواہ چالیس سے بڑھ کر چار سو ہو جائے... یہ نہیں تو کم سے کم ہیڈ کلرک ہی سہی۔ پھر اسے ساجھے کے مکان میں رہنے کی ضرورت نہ رہے بلکہ وہ کوئی چھوٹا سا مکان لے لے اور اس مرمریں ٹکڑے پر اپنا نام کندہ کرا کے دروازے کے باہر نصب کردے۔

مستقبل کی یہ خیالی تصویر اس کے ذہن پر کچھ اس طرح چھاگئی کہ یا تو اس مرمریں ٹکڑے کو بالکل بے مصرف سمجھتا تھا یا اب اسے ایسا محسوس ہونے لگا گویا وہ ایک عرصے سے اس قسم کے ٹکڑے کی تلاش میں تھا اور اگر اسے نہ خریدتا تو بڑی بھول ہوتی۔

شروع شروع میں جب وہ ملازم ہوا تھا تو اس کا کام کرنے کا جوش اور ترقی کا ولولہ انتہا کو پہنچا ہوا تھا مگر دو سال کی سعیٔ لا حاصل کے بعد رفتہ رفتہ اس کا یہ جوش ٹھنڈا پڑ گیا اور مزاج میں سکون آ چلا تھا مگر اس سنگ مرمر کے ٹکڑے نے پھر اس کے خیالوں میں ہلچل ڈال دی۔ مستقبل کے متعلق طرح طرح کے خوش آئند خیالات ہر روز اسکے دماغ میں چکر لگانے لگی۔ اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، دفتر جاتے، دفتر سے آتے، کوٹھیوں کے باہر لوگوں کے نام کے بورڈ دیکھ کر۔ یہاں تک کہ جب مہینہ ختم ہوا اور اسے تنخواہ ملی تو اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اس سنگ مرمر کے ٹکڑے کو شہر کے ایک مشہور سنگ تراش کے پاس لے گیا جس نے بہت چابکدستی سے اس پر اس کا نام کندہ کر کے کونوں میں چھوٹی چھوٹی خوش نما بیلیں بنا دیں۔

اس سنگ مرمر کے ٹکڑے پر اپنا نام کھدا ہوا دیکھ کر اسے ایک عجیب سی خوشی ہوئی۔ زندگی میں شاید یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے اپنا نام اس قدر جلی حروف میں لکھا ہوا دیکھا ہو۔

سنگ تراش کی دکان سے روانہ ہوا تو بازار میں کئی مرتبہ اس کا جی چاہا کہ کتبہ پر سے اس اخبار کو اتار ڈالے جس میں سنگ تراش نے اسے لپیٹ دیا تھا اور اس پر ایک نظر اور ڈالے مگر ہر بار ایک نامعلوم حجاب جیسے اس کا ہاتھ پکڑ لیتا۔ شاید وہ راہ چلتوں کی نگاہوں سے ڈرتا تھا کہ کہیں وہ اس کتبہ کو دیکھ کر اس کے ان خیالات کو نہ بھانپ جائیں جو پچھلے کئی دنوں سے اس کے دماغ پر مسلط تھے۔

گھر کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھتے ہی اس نے اخبار اتار پھینکا اور نظریں کتبہ کی دلکش تحریر پر گاڑے دھیرے دھیرے سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ بالائی منزل میں اپنے مکان کے دروازے کے سامنے پہنچ کر رک گیا۔ جیب سے چابی نکالی۔ قفل کھولنے لگا۔ پچھلے دو برس میں آج پہلی مرتبہ اس پر یہ انکشاف ہوا کہ اس کے مکان کے دروازے کے باہر ایسی کوئی جگہ ہی نہیں کہ اس پر کوئی بورڈ لگایا جا سکے۔ اگر جگہ ہوتی بھی تو اس قسم کے کتبے وہاں تھوڑا ہی لگائے جاتے ہیں۔ ان کے لیے تو بڑا سا مکان چاہیے جس کے پھاٹک کے باہر لگایا جائے تو آتے جاتے نظر بھی پڑے.....

قفل کھول کر مکان کے اندر پہنچا اور سوچنے لگا کہ فی الحال اس کتبہ کو کہاں رکھوں۔ اس کے حصہ مکان میں دو کوٹھڑیاں، ایک غسل خانہ اور ایک باورچی خانہ تھا۔ الماری صرف ایک ہی کوٹھڑی میں تھی مگر اس کے کواڑ نہیں تھے۔ بالآخر اس نے کتبہ کو اسی بے کواڑ کی الماری میں رکھ دیا۔

ہر روز شام کو جب وہ دفتر سے تھکا ہارا واپس آتا تو سب سے پہلے اس کی نظر اس کتبہ پر ہی پڑتی۔ امیدیں اسے سبز باغ دکھاتیں اور دفتر کی مشقت کی تھکان کسی قدر کم ہو جاتی۔ دفتر میں جب کبھی اس کا کوئی ساتھی کسی معاملے میں اس کی رہنمائی کا جویا ہوتا تو اپنی برتری کے احساس سے اس کی آنکھیں چمک اٹھتیں۔ جب کبھی کسی ساتھی کی ترقی کی خبر سنتا، آرزوئیں اس کے سینے میں ہیجان پیدا کر دیتیں۔ افسر کی ایک ایک نگاہ لطف و کرم کا نشہ اسے آٹھ آٹھ دن رہتا۔

جب تک اس کے بیوی بچے نہیں آئے وہ اپنے

خیالوں میں ہی مگن رہا۔ نہ دوستوں سے ملتا، نہ کھیل تماشوں میں حصہ لیتا، رات کو جلد ہی ہوٹل سے کھانا کھا کر گھر آجاتا اور سونے سے پہلے گھنٹوں عجیب عجیب خیالی دنیاؤں میں رہتا مگر ان کے آنے کی دیر تھی کہ نہ تو وہ فراغت ہی رہی اور نہ وہ سکون ہی ملا۔ ایک بار گھر گرہستی کے فکروں نے اسے ایسا گھیر لیا کہ مستقبل کی سہانی تصویریں رفتہ رفتہ دھندلی پڑ گئیں۔

کتبہ سال بھر تک اسی بے کواڑ کی الماری میں پڑا رہا۔ اس عرصے میں اس نے نہایت محنت سے کام کیا۔ اپنے افسروں کو خوش رکھنے کی انتہائی کوشش کی مگر اس کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔

اب اس کے بیٹے کی عمر چار برس کی ہوگئی تھی اور اس کا ہاتھ اس بے کواڑ کی الماری تک بخوبی پہنچ جاتا تھا۔ شریف حسین نے اس خیال سے کہیں اس کا بیٹا کتبہ کو گرا نہ دے اسے وہاں سے اٹھالیا اور اپنے صندوق میں کپڑوں کے نیچے رکھ دیا۔

ساری سردیاں یہ کتبہ اس صندوق ہی میں پڑا رہا۔ جب گرمی کا موسم آیا تو اس کی بیوی کو گرم کپڑے رکھنے کے لیے اس کے صندوق میں سے فالتو چیزوں کو نکالنا پڑا چنانچہ دوسری چیزوں کے ساتھ بیوی نے کتبہ بھی نکال کر کاٹھ کے اس پرانے بکس میں ڈال جس میں ٹوٹے ہوئے چوکھٹے، بے بال کے برش، بیکار صابن دانیاں، ٹوٹے ہوئے کھلونے اور ایسی ہی اور دوسری چیزیں پڑی رہتی تھیں۔

شریف حسین نے اب اپنے مستقبل کے متعلق زیادہ سوچنا چھوڑ دیا تھا۔ دفتروں کے رنگ ڈھنگ دیکھ کر وہ اس نتیجہ پر پہنچ گیا تھا کہ ترقی لطیفہ غیبی سے نصیب ہوتی ہے، کڑی محنت جھیلنے اور جان کھپانے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اس کی تنخواہ میں ہر دوسرے برس تین روپے کا اضافہ ہوتا جاتا جس سے بچوں کی تعلیم وغیرہ کا خرچ نکل آتا اور اسے زیادہ تنگی نہ اٹھانی پڑتی۔

پے درپے مایوسیوں کے بعد جب اس کو ملازمت کرتے بارہ برس ہو چکے تھے اور اس کے دل سے رفتہ رفتہ ترقی کے تمام ولولے نکل چکے تھے اور کتبہ کی یاد تک ذہن سے محو ہو چکی تھی تو اس کے افسروں نے اس کی دیانت داری اور پرانی کارگزاری کا خیال کر کے اسے تین مہینے کے لیے عارضی طور پر درجہ اول کے ایک کلرک کی جگہ دے دی جو چھٹی جانا چاہتا تھا......

جس روز اسے یہ عہدہ ملا اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اس نے تانگے کا بھی انتظار نہ کیا بلکہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا پیدل ہی بیوی کو یہ مژدہ سنانے چل دیا۔ شاید تانگہ اسے کچھ زیادہ جلدی گھر نہ پہنچا سکتا....!

اگلے مہینے اس نے نیلام گھر سے ایک سستی سی لکھنے کی میز اور ایک گھومنے والی کرسی خریدی۔ میز کے آتے ہی اسے پھر کتبہ کی یاد آئی اور اس کے ساتھ ہی اس کی سوئی ہوئی امنگیں جاگ اٹھیں۔ اس نے ڈھونڈ ڈھانڈ کے کاٹھ کی پیٹی سے کتبہ نکالا، صابن سے دھویا، پونچھا اور دیوار کے سہارے میز پر لگا دیا۔

یہ زمانہ اس کے لیے بہت کٹھن تھا کیونکہ وہ اپنے افسروں کو اپنی برتر کارگزاری دکھانے کے لیے چھٹی پر گئے ہوئے کلرک سے دگنا کام کرتا۔ اپنے ماتحتوں کو خوش رکھنے کے لیے بہت سا ان کا کام بھی کر دیتا۔ گھر پر آدھی رات تک فائلوں میں غرق رہتا پھر بھی وہ خوش تھا۔ ہاں جب کبھی اسے اس کلرک کی واپسی

کا خیال آتا تو اس کا دل بجھ سا جاتا۔ کبھی کبھی وہ سوچتا، ممکن ہے وہ اپنی چھٹی کی میعاد بڑھوا لے... ممکن ہے وہ بیمار پڑ جائے... ممکن ہے وہ کبھی نہ آئے......

مگر جب تین مہینے گزرے تو نہ تو اس کلرک نے چھٹی کی میعاد بڑھوائی اور نہ ہی بیمار پڑا۔ البتہ شریف حسین کو اپنی پرانی جگہ پر آ جانا پڑا۔

اس کے بعد جو دن گزرے وہ اس کے لیے بڑی مایوسی اور افسردگی کے تھے۔ تھوڑی سی خوش حالی کی جھلک دیکھ لینے کے بعد اب اسے اپنی حالت پہلے سے زیادہ ابتر معلوم ہونے لگی تھی۔ اس کا جی کام میں مطلق نہ لگتا تھا۔ مزاج میں آلکس اور حرکات میں سستی سی پیدا ہونے لگی۔ ہر وقت بیزار بیزار سا لگتا۔ نہ کبھی ہنستا، نہ کسی سے بولتا چالتا۔ مگر یہ کیفیت چند دن سے زیادہ نہ رہی۔ افسروں کے تیور جلد ہی اسے راہ راست پر لے آئے۔

اب اس کا بڑا لڑکا چھٹی میں پڑھتا تھا اور چھوٹا چوتھی میں اور منجھلی لڑکی ماں سے قرآن مجید پڑھتی۔ سینا پرونا سیکھتی اور گھر کے کام کاج میں اسکا ہاتھ بٹاتی۔ باپ کی میز کرسی پر بڑے لڑکے نے قبضہ جما لیا۔ وہاں بیٹھ کر وہ اسکول کا کام کیا کرتا چونکہ میز کے ہلنے سے کتبہ گر جانے کا خدشہ رہتا تھا اور پھر اس نے میز کی بہت سی جگہ بھی گھیر رکھی تھی اس لیے لڑکے نے اسے اٹھا کر پھر اسی بے کواڑ کی الماری میں رکھ دیا تھا۔

سال پر سال گزرتے گئے۔ اس عرصے میں کتبہ نے کئی جگہیں بدلیں۔ کبھی بے کواڑ کی الماری میں تو کبھی میز پر۔ کبھی صندوقوں کے اوپر تو کبھی چارپائی کے نیچے۔ کبھی بوری میں تو کبھی کاٹھ کے بکس میں۔ ایک دفعہ کسی نے اٹھا کر باورچی خانے کے اس بڑے طاق میں رکھ دیا جس میں روزمرہ کے استعمال کے برتن رکھے رہتے تھے۔ شریف حسین کی نظر پڑ گئی۔ دیکھا تو دھوئیں سے اس کا سفید رنگ پیلا پڑ چلا تھا۔ اٹھا کر دھویا، پونچھا اور پھر بے کواڑ الماری میں رکھ دیا۔ مگر چند ہی روز میں اسے پھر غائب کر دیا گیا اور اس کی جگہ وہاں کاغذی پھولوں کے بڑے بڑے گملے رکھ دیئے گئے جو شریف حسین کے بڑے بیٹے کے کسی دوست نے اسے تحفے میں دیئے تھے۔ رنگ پیلا پڑ جانے سے کتبہ الماری میں رکھا ہوا بدنما معلوم ہوتا تھا مگر اب کاغذی پھلوں کے سرخ سرخ رنگوں سے الماری میں جیسے جان پڑ گئی تھی اور ساری کوٹھڑی دہک اٹھی تھی۔

اب شریف حسین کو ملازم ہوئے پورے بیس سال گزر چکے تھے۔ اس کے سر کے بال نصف سے زیادہ سفید ہو چکے تھے اور پیٹھ میں گدی سے ذرا نیچے خم آ گیا تھا۔ اب بھی کبھی کبھی اس کے دماغ میں خوشحالی و فارغ البالی کے خیالات چکر لگاتے مگر اب ان کی کیفیت پہلے کی سی نہ تھی کہ خواہ وہ کوئی کام کر رہا ہو تصورات کا ایک تسلسل ہے کہ پہروں ٹوٹنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ اب اکثر اوقات ایک آہ دم بھر میں ان تصورات کو اڑا لے جاتی اور پھر بیٹی کی شادی، لڑکوں کی تعلیم، اس کے بڑھتے ہوئے اخراجات، پھر ساتھ ہی ساتھ ان کے لیے نوکریوں کی تلاش... یہ ایسی فکریں نہ تھیں کہ پل بھر کو بھی اس کے خیال کو کسی اور طرف بھٹکنے دیتیں۔

پچپن برس کی عمر میں اسے پنشن مل گئی۔ اب اس کا بڑا بیٹا ریل کے مال گودام میں کام کرتا تھا۔ چھوٹا کسی دفتر میں میں ٹائپسٹ تھا اور اسے چھوٹا

انٹرنس میں پڑھتا تھا۔ اپنی پنشن اور لڑکوں کی تنخواہیں سب مل ملا کے کوئی ڈیڑھ سو روپے ماہوار کے لگ بھگ آمدنی ہو جاتی تھی جس میں بخوبی گزر ہونے لگی تھی۔ علاوہ ازیں اس کا ارادہ کوئی چھوٹا موٹا بیوپار شروع کرنے کا بھی تھا مگر مندے کے ڈر سے ابھی پورا نہ ہو سکا تھا۔

اپنی کفایت شعاری اور بیوی کی سلیقہ مندی کی بدولت اس نے بڑے بیٹے اور بیٹی کی شادیاں خاصی دھوم دھام سے کر دی تھیں۔ ان ضروری کاموں سے نمٹ کر اس کے جی میں آئی کہ حج کر آئے مگر اس کی توفیق نہ ہو سکی۔ البتہ کچھ دنوں مسجدوں کی رونق خوب بڑھائی۔ مگر پھر جلد ہی بڑھاپے کی کمزوریوں اور بیماریوں نے دبانا شروع کر دیا اور زیادہ تر چارپائی ہی پر پڑا رہنے لگا۔

جب اسے پنشن وصول کرتے تین سال گزر گئے تو جاڑے کی ایک رات کو وہ کسی کام سے بستر سے اٹھا۔ گرم گرم لحاف سے نکلا تھا، پچھلے پہر کی سرد اور تند ہوائیں تیر کی طرح اس کے سینے میں لگیں اور اسے نمونیا ہو گیا۔ بیٹوں نے اس کے بہتیرے علاج معالجے کرائے اس کی بیوی اور بہو دن رات اس کی پٹی سے لگی بیٹھی رہیں مگر افاقہ نہ ہوا اور وہ کوئی چار دن بستر پر پڑے رہنے کے بعد مر گیا۔

اس کی موت کے بعد اس کا بڑا بیٹا مکان کی صفائی کرا رہا تھا کہ پرانے اسباب کا جائزہ لیتے ہوئے ایک بوری میں اسے یہ کتبہ مل گیا۔ بیٹے کو باپ سے بے حد محبت تھی۔ کتبہ پر باپ کا نام دیکھ کر اس کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو بھر آئے اور وہ دیر تک ایک محویت کے عالم میں اس کی خطاطی اور نقش و نگار کو دیکھتا رہا۔ اچانک اسے ایک بات سوجھی جس نے اس کی آنکھوں میں چمک پیدا کر دی۔

اگلے روز وہ کتبہ کو ایک سنگ تراش کے پاس لے گیا اور اس سے کتبہ کی عبارت میں تھوڑی سی ترمیم کرائی اور پھر اسی شام اسے اپنے باپ کی قبر پر نصب کر دیا۔

کچھ نہیں بلکہ بہت سارے لوگ یہ سوچ رکھتے ہیں کہ مرد ہونا طاقت اور اکرام کا سبب ہے۔ عورت کا وجود کمزوری اور شرمندگی کی علامت ہے۔

ایسا سوچنے والے صرف مرد ہی نہیں ہیں کئی عورتیں بھی اس بات پر یقین رکھتی ہیں۔

بیٹے کی ماں بن کر بعض عورتیں خود کو محفوظ اور معزز خیال کرتی ہیں، بیٹی کی ماں بن کر خود کو کمزور محسوس کرتی ہیں۔ مردانہ تسلط والے معاشرے میں کئی مصیبتوں، دکھوں اور ظلمتوں کے درمیان ابھرنے والی ایک کہانی.... مرد کی انا اور عونت، عورت کی محرومیاں اور دکھ، پست سوچ کی وجہ سے پھیلنے والے اندھیرے، کمزوروں کا عزم، علم کی روشنی، روحانیت کی کرنیں، معرفت کے اجالے، اس کہانی کے چند اجزائے ترکیبی ہیں۔

نئی قلم کار آفرین ارجمند نے اپنے معاشرے کا مشاہدہ کرتے ہوئے کئی اہم نکات کو نوٹ کیا ہے۔ آفرین ارجمند کے قلم سے ان کے مشاہدات کس انداز سے بیان ہوئے ہیں اس کا فیصلہ قارئین خود کریں گے۔

آٹھویں قسط:

جمال کے تیور دیکھ کر گاؤں والوں پر جیسے برف سی جم گئی۔

پ۔پپ پولیس کو بلاؤ۔ رحم دین نے دبی دبی سرگوشی میں برابر والے کو کہنی ماری۔

یہ تونے کیا کیا اے بد بخت؟، مولوی رفیق کپکپاتے ہجوم کو چیرتے ہوئے تڑپ کر اندر شفیق کی طرف بڑھے۔

انھوں نے جھک کر بے سدھ شفیق کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔

ارے بد بختو....! کیا بگاڑا تھا اس شریف آدمی نے تمہارا....؟ انھوں نے دہائی دی۔ جمال نے ان کی دہائی کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک حقارت بھری نظر شفیق پر ڈالی،

دیکھ لو اپنی آنکھوں سے تم سب.... اگر کسی نے میرے بیٹے کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا تو اس سے زیادہ برا انجام ہو گا۔ جمال کے رعونت بھرے لہجہ سے طاقت کا نشہ بھی جھلک رہا تھا۔ جمال کے باہر نکلتے ہی سب جلدی سے شفیق کے گھر میں داخل ہو گئے۔ کوئی پانی کے چھینٹے مار رہا تھا۔ تو کوئی اس کی نبض ڈھونڈ رہا تھا۔

شکر ہے اللہ کا... اس کی نبض چل رہی ہے....

ایک آدمی نے جلدی سے کپڑے کی دھجی سے اس کا خون صاف کرنا شروع کر دیا۔

رجب علی اور اس کا چھوٹا بھائی سکینہ کو بتانے درگاہ کی طرف دوڑے تھے۔ سکینہ ابھی درگاہ کے راستے ہی میں تھی کہ انہوں نے اسے جا لیا اور صورتحال سے آگاہ کیا۔ سکینہ کے لئے تو جیسے وقت وہیں تھم گیا، اس کی سانسیں رُکنے لگیں.... وہ پارس کا ہاتھ تھامے بمشکل خود کو سنبھالے گھر تک پہنچی۔ شفیق کا سر مولوی رفیق کی گود میں تھا۔ کوئی اس کا خون صاف کر رہا تھا تو کوئی پانی کی چھینٹوں سے اس کو ہوش میں لانے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ منظر سکینہ کی سانس کھینچ رہا تھا۔ وہ سفید پڑتی جا رہی تھی۔ پارس نے جلدی سے ماں کا ہاتھ تھام لیا اور اسے مضبوطی سے پکڑے اندر لے آئی۔ وہ ماں کو چارپائی پر بٹھا کر خود شفیق سے لپٹ گئی۔

بابا۔ بابا.... اس نے شفیق کو ہلانا شروع کر دیا۔

راستہ دو بڑے حکیم جی کو.... ایک آدمی لوگوں کو شفیق کے پاس سے ہٹا کر حکیم صاحب کے لئے راستہ بنانے لگا۔

مولوی رفیق نے پارس کو اٹھانے کی کوشش کی۔ مگر انہیں جیسے کرنٹ سا لگ گیا۔ وہ یکبارگی پیچھے کھڑے حکیم صاحب سے ٹکرائے۔

ایک آدمی نے جلدی سے انہیں سہارا دیا۔

انہیں دوسرے کمرے میں لے جاؤ۔ دوسرا بولا شاید صدمے سے چکرا گئے ہیں۔

مولوی صاحب اس وقت کچھ نہ سمجھ پائے۔

مولوی صاحب آپ یہاں بیٹھئے۔ مت گھبرائے شفیق کو کچھ نہیں ہو گا۔ وہ دلاسہ دینے لگا۔

تھوڑی دیر میں شفیق کو ہوش آ گیا تھا۔ حکیم صاحب اب اس کی مرہم پٹی میں مصروف تھے۔ پارس باپ کا ہاتھ تھامے بیٹھی تھی اور شفیق کی نظریں اس پر ٹکی تھیں۔ مگر وہ خاموش تھا۔ اس نے لوگوں کی کسی بات کا کوئی جواب نہ دیا تھا۔

❖❖❖

صبح تک شفیق کی طبیعت سنبھل چکی تھی۔ وہ جسم میں شدید درد اور تکان محسوس کر رہا تھا۔ سکینہ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی یخنی بنانے کے لئے اٹھ کر گئی تھی۔ وہ کل کے واقعات سوچنے لگا۔ اسے جمال کے اتنے شدید ردِ عمل کی توقع نہیں تھی۔ اتنی سی بات پر اتنا زیادہ غصہ۔ اور پھر اس کی سوچ کا دھارا پارس پر رک گیا۔ اس کے پریشان چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

یہ لو جی....! گرم گرم یخنی پیو۔ سکینہ نے دھواں اٹھتی یخنی کا پیالہ اس کے ہاتھوں میں تھما دیا۔

سکینہ تُو ٹھیک ہے ناں؟ شفیق یخنی پر پھونکے مارتا

ہوا غور سے سکینہ کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ خلافِ توقع اسے بہت پرسکون دکھائی دی ورنہ تو شفیق کی ذرا سی تکلیف پر اس کے اس کی آنکھوں کی برسات کا تھمنا ناممکن ہو جاتا تھا...؟

کیوں جی؟ کیا ٹھیک نہیں لگ رہی...؟ وہ مسکرائی۔

ٹوڈر گئی تھی ناں۔ اس کی نظروں میں سوال تھا۔

نہ جانے اسے کیا ستا تھا۔

سکینہ کی آنکھوں میں نمی سی تیر گئی۔ اس نے سر ہلایا۔ وہ اٹھ کر چارپائی پر شفیق کے سرہانے بیٹھ گئی اور اس کے بازو کی پٹی کو ٹھیک کرتے ہوئے بولی

ہاں ڈر گئی تھی۔

جب آپ کو بیہوش حالت میں دیکھا تھا تو سچ میں تو جیسے مر گئی تھی۔ مگر پھر نہ جانے کیا ہوا۔ پارس نے مجھے تھام لیا۔ وہ مجھے مضبوطی سے تھامے چارپائی تک لائی اور کسی بڑے کی طرح بٹھا کر دلاسہ دیا۔ اس پل میری سوچ بدلنے لگی۔ میرے دل کو ٹھنڈک سی مل گئی۔ مجھے لگا جب تک میری سانسیں چل رہیں آپ کو کچھ نہیں ہو گا اور پھر دھیرے دھیرے یہ یقین اتنا مضبوط ہوتا چلا گیا کہ آپ ہنستے ہوئے بالکل ٹھیک ٹھاک نظروں کے سامنے آ گئے۔

سکینہ اس منظر کو چشمِ تصور میں دہرانے لگی

اتنا یقین ہے تجھے اپنی محبت پر۔ وہ دھیرے سے بولا:

نہیں، اپنے آپ پر نہیں بلکہ وہ مسکرائی۔ اور ذرا توقف دے کر بولی

مجھے اللہ پر یقین ہے.... جس نے آپ کی اتنی محبت میرے میں ڈال دی ہے۔ اس کی آنکھوں کی نمی جھلملانے لگی اور شفیق کا سیروں خون تقیر بنتی پڑے ہی بڑھنے لگا۔

شاید اسے یہی ستا تھا۔

سچ کہوں تو آج میں سمجھا کہ کہ اللہ نے پارس کی تربیت کے لیے تجھے کیوں چنا۔ تجھے ایک بات بتاؤں....؟

جی بتاؤ۔

جب میں ہوش میں آیا تو مجھے اپنے جسم میں ایک کرنٹ سا دوڑتا محسوس ہوا۔ جب تک پارس میرا ہاتھ تھامے بیٹھی رہی میرے جسم میں ایک نئی طاقت گردش کرتی رہی۔

شفیق جذباتی ہونے لگا۔ کل میں نے اپنی بچی کی کراتوں کو محسوس کیا۔ وہ کچھ دیر خاموشی سے سکینہ کی طرف دیکھتا رہا۔

جانتی ہوں۔

وہ ہے ہی کراتوں والی۔ پارس کو ہمیں سونپ کر اللہ نے خاص کرم کیا ہے ہم پر۔ سکینہ بولی

اس کی نظریں بے اختیار پارس کو ڈھونڈنے لگیں۔

کہاں ہے وہ۔ بلاؤ نا اسے۔

رات بھر یہیں تھی آپ کے پاس۔ صبح سلایا ہے اسے۔

کسی نے کمرے کا دروازہ بجایا۔ سکینہ نے گردن موڑ کر دیکھا۔ صائقہ نہ جانے کب سے کھڑی تھی۔

ارے تو باہر کیوں کھڑی ہے اندر آ۔ شفیق شفقت سے بولا۔ وہ تو اس کی چھوٹی بہنوں کی طرح تھی۔

صائقہ کے ہاتھ میں پیالہ تھا۔

سکینہ نے ایک موڑھا آگے کھسکا دیا۔

میں سخت شرمندہ ہوں بھائی شفیق۔ وہ روتے ہوئے بولی۔ کل رات مجھے رجب علی نے سب بتادیا۔

میرے بیٹے کی وجہ سے آپ کی یہ حالت ہوئی۔ اس کے لئے معافی مانگنے آئی تھی۔

ارے ارے پاگل ہوگئی ہے کیا۔

جا میں بات نہیں کرتا۔ تُو نے مجھے لمحوں میں غیر کردیا۔ اسے غصہ آنے لگا۔

نہیں نہیں بھائی جی۔ ایسی کوئی بات نہیں ۔ ایسا بالکل بھی مت سوچیئے گا۔ وہ شرمندہ ہوگئی۔

وہ.... کل پنچائیت نے بلایا ہے۔ جمال کو بھی آپ کو بھی۔ وہ اٹک کر بولی۔

ہاں ہاں تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے بھلا۔ ہم ضرور جائیں گے اور پھر غلطی سراسر اس کی ہے۔

نہیں بھائی جی بات یہ نہیں ہے۔ وہ پھر اٹکی

مطلب؟

اصل بات یہ ہے کہ سننے میں آیا ہے کہ جمال کی اس حرکت کا مقصد آپ کو ڈرانا تھا۔

لیکن کس بات سے؟

ان کا اصل خوف پارس کی پڑھائی اور آپ کی بڑھتی ہوئی ہمت ہے۔

شوکت اور جمال خاص طور پر کسی کے کہنے پر یہ کام کررہے ہیں۔

کسی کا مطلب چودھری تو نہیں ۔ شفیق نے خدشہ ظاہر کیا۔

صاعقہ خاموش رہی

تو تیرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ پنچائیت میں مال کا جھگڑا نہیں بلکہ میرے خلاف سنوائی ہوگی۔

جی.... ایسا ہی لگ رہا ہے سب کو۔

ہم.... اس نے ایک طویل ہنکارا ابھرا دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔

❖❖❖

سرکار آپ کا غلام آپ کا وفادار ہوں۔ سرکار۔

جمال بری طرح چودھری سراج کے جوتوں سے اپنا منہ رگڑ رہا تھا۔

چودھری سراج حقے کے بڑے بڑے کش لیتا اور دھواں اس کے منہ پر چھوڑ دیتا۔ جمال کا کھانس کھانس کر برا حال تھا۔

چودھری نے نوٹوں کی گڈی جمال کی جانب پھینک دی۔ باقی کل پنچائیت کے فیصلے کے بعد۔ دیکھتے ہیں تُو یہ کرپاتا ہے کہ نہیں۔

جمال ندیدوں کی طرح روپیوں پر جھپٹ پڑا۔ اس کو چودھری کی خوشنودی ہر حال میں مقصود تھی۔ جب جمال کو پارس کے لیے ماسٹر ماجد سے ٹیوشن والی بات پتہ چلی تو اس کے لئے گاؤں والوں کو پڑھائی کے خلاف اکسانا مشکل نہ رہا تھا۔ حالانکہ ابھی ایسا ہوا نہ تھا صرف سوچا گیا تھا۔

مگر گاؤں والوں کے تنگ ذہنوں میں زہر بھرنے کے لئے یہ سناسنایا بہانہ ہی کافی تھا۔

جمال کے بھڑکاوں کی وجہ سے شفیق اور سکینہ کو اتنی شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا جس کا انہوں نے خواب میں بھی نہ سوچا تھا۔ گاؤں کے کئی لوگ جو کل تک دونوں کا دم بھرتے تھے اس وقت ایسے کھڑے تھے جیسے کہ غیر اور مخالف۔ پارس کا کسی غیر مرد سے ٹیوشن لینا ان کے لیے غیرت للکارنے کے برابر تھا۔ اس بات پر تو مولوی رفیق نے بھی مخالفت کردی۔

چوہدری کی سازشیں رنگ لائیں۔ پنچائیت میں کئی

لوگ ایک دوسرے سے آگے بڑھ کر لڑکیوں کی تعلیم کے خلاف بول رہے تھے۔ کچھ لوگوں نے شفیق اور سکینہ کے نام لے کر کہا کہ یہ دونوں گاؤں کا ماحول خراب کرنا چاہتے ہیں۔ کئی لوگوں کی باتیں سن کر چوہدری نے بناوٹی انداز میں لوگوں سے پوچھا:

"تو بھائیو... پھر کیا فیصلہ ہے آپ سب کا...."

ہمیں گاؤں کی روایات کو ہر حال میں بچانا ہے، لڑکیوں کا کام گھرداری ہے۔ انہیں سینا پرونا، کھانا پکانا سکھانا بہت ضروری ہے۔ موٹی موٹی کتابیں پڑھانا لڑکیوں کے لیے بالکل غیر ضروری ہے۔

ٹھیک ہے تو سارے گاؤں کا یہ فیصلہ ہے کہ لڑکیوں کو اسکول نہیں بھیجا جائے گا"....

ہاں.... ہاں....

ایک ساتھ کئی آوازیں آئیں۔

❖❖❖

سکینہ اور شفیق کو گاؤں والوں کی سوچ پر شدید صدمہ تھا جو ان دونوں کے اچھے برتاؤ اور نیک سلوک کے باوجود نہیں بدل پائی تھی۔ تعلیم کے معاملے میں گاؤں کے لوگ آج بھی فضول روایات کے غلام تھے۔ شفیق اور سکینہ سمجھ گئے تھے کہ اس گاؤں کی عورتوں کی تو کیا مردوں کی حالت بدلنا بھی آسان نہیں ہے۔ سکینہ کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آ گئے۔

مگر اس رات شفیق نے ایک فیصلہ کر لیا تھا۔ اب اسے اپنی بیٹی کا مستقبل آباؤ اجداد کی زمین سے بھی کہیں زیادہ پیارا تھا۔ گاؤں چھوڑنے کا فیصلہ اس کے لئے بہت کٹھن تھا۔ شاید سکینہ کبھی نہ مانتی۔ وہ اس معاملے میں بہت حساس تھی۔ اس کے لئے یہ گاؤں اپنے والد ماسٹر غلام رسول کی نشانی تھی۔ یہاں کے لوگوں سے وہ اس لئے پیار کرتی تھی کیوں کہ اس کے بابا ان سے پیار کرتے تھے اور پھر پیر سائیں کی درگاہ بھی یہاں تھی۔

شفیق کافی دیر تمام پہلوؤں پر غور کرتا رہا۔ شفیق کے ذہن میں بابا ہاشم کی شبیہہ ابھری، اس نے اپنے آپ سے کہا۔ بیٹی کی بہترین تعلیم وتربیت کی ذمہ داری بھی تو بابا ہاشم نے ہمیں ہی سونپی ہے پھر یہی احساس اس کے ہر خدشے اور سوچ پر حاوی ہو گیا۔

وہ سویرے اپنے کچھ پرانے کاروباری دوستوں سے مدد لینے تحصیل جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔

مگر پارس کی آواز نے اس کے قدم روک لئے۔ وہ پلٹا۔ پارس اٹھی بیٹھی تھی۔

ہاں پتر۔ وہ وہیں سے بولا

کیا ہوا؟ کچھ چاہیے۔ وہ سمجھا کہ پارس تحصیل سے کچھ منگوانا چاہتی ہے۔ شفیق کے اس سوال پر پارس پلنگ

سے اٹھ کر اس کے پاس آگئی۔

ہاں بول.... اس نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

بابا.... ؟ مجھے درگاہ جانا ہے۔ وہ بولی

ہاں ٹھیک ہے۔ میں آجاؤں تو پھر چلیں گے۔

نہیں، آج اور ابھی۔ پارس نے اصرار کیا۔

کوئی خاص بات، ابھی تو ہاشم بابا بھی نہیں ہے۔ پھر.... ؟ شفیق نے جاننے کی کوشش کی۔

پارس نے کوئی جواب دیئے بغیر دھیرے سے گردن جھکالی۔ بس جانا ہے۔ وہ بضد تھی

شفیق نے مزید کریدنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ جانتا تھا پارس کا ایک گہرا رشتہ ہے دربار سائیں سے۔

ہو گی کوئی بات.... ٹھیک ہے۔ تیار ہو جا.... ہم چلتے ہیں۔ اس نے سامان کا تھیلا فرش پر رکھ دیا۔

درگاہ پہنچے تو پارس بغیر رکے سیدھی اندر مزار کی جانب بڑھتی گئی۔ وہ دونوں اس کے پیچھے پیچھے تھے۔

ان کے لئے یہ باعثِ حیرت بھی تھا اور خوشی بھی اس وقت سامنے ہاشم بابا موجود تھے۔ کافی عرصے بعد اچانک انھیں سامنے دیکھ دونوں حیرت و خوشی کے عالم میں تھے۔

بابا ہاشم کی نظریں اس وقت دروازے پر ہی لگی ہوئیں تھیں جیسے وہ بھی پارس کے منتظر ہوں۔ خلافِ معمول ہاشم بابا نے سلام کا جواب بھی سر ہلا کر دیا۔ اس کے علاوہ اور کوئی بات نہ کی۔ وہ بالکل خاموش تھے۔ پارس ان کے سامنے سلام کر کے ادب سے بیٹھ گئی تھی۔ اس کی نظریں مسلسل جھکی ہوئی تھیں۔

انھوں نے ایک گہری نگاہ پارس پر ڈالی اور پھر آنکھیں بند کرلیں۔ اس وقت اتنی گہری خاموشی تھی کہ سکینہ اور شفیق کو اپنی سانسوں کے چلنے کی آواز بھی صاف آرہی تھی۔ فرطِ ادب سے وہ سانس بھی آہستہ آہستہ لے رہے تھے۔ تقریباً دس پندرہ منٹ اسی طرح گزر گئے پھر بابا نے آنکھیں دھیرے سے کھول دیں۔ پارس اسی طرح خاموش نظریں جھکائے بیٹھی رہی جیسے کوئی ساکت و جامد موم کی گڑیا ہو۔ ہاشم بابا کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ آگئی۔ اب وہ ان کی جانب متوجہ ہو گئے۔

ہاں بھئی کیسے ہو۔ سب ٹھیک ہے ناں۔

وہ اپنے پاس رکھے مٹی کے پیالے پر سے ڈھکنا اٹھا کر اس میں سے ہاتھ میں کچھ نکالتے ہوئے بولے۔

شفیق نے پارس کی پڑھائی والی بات اور گاؤں میں ہونے والے اختلافات کا مختصر احوال ان کے سامنے رکھ دیا۔

لو ریوڑیاں کھاؤ۔ ہاشم بابا ان کی بات سنتے رہے اور پھر کچھ ریوڑھیاں ان کی جانب بڑھا دیں۔ جیسے فکر کی کوئی بات ہی نہ ہو۔

اپنے وقت پر یہ بھی ہو جائے گا۔ انھوں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ مطمئن رہو کہ تم نے اپنی ذمہ داری نبھائی۔ بابا کی بات سن کر شفیق کی کچھ ڈھارس بندھی۔

اب کسی کی وجہ سے اپنی جگہ تو نہیں چھوڑی جاتی ناں۔ مخالفتوں کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اب تک کرتے آئے ہو۔ وہ مزید بولے

وہ بابا ہاشم کے منہ سے گھر چھوڑنے والی بات سن کر سنبھل کر بیٹھ گیا۔ اس نے ابھی تک اس بات کا ذکر سکینہ سے بھی نہیں کیا تھا

لو اور ریوڑیاں کھاؤ۔ انھوں نے مٹھی بھر کر

ریوڑیاں شفیق کے ہاتھ میں دے دیں۔

اس دوران پارس بالکل خاموش ویسی موم کی گڑیا بنی بیٹھی تھی۔

وہ تقریباً گھنٹہ بھر بابا ہاشم کے پاس بیٹھے رہے۔

واپسی پر دونوں کا دل بہت مطمئن تھا۔ان کی اداسی پر لگا کر اڑ گئی تھی۔وہ ایک نئے حوصلے اور عزم کے ساتھ اپنے گھر اپنے گاؤں لوٹ رہے تھے۔

پارس کے چہرے پر گہرا سکون تھا۔مگر اس کے ساتھ ایک ایسی چمک اور رعب جو سکینہ کو بار بار اس کی جانب دیکھنے پر مجبور کرتا مگر وہ زیادہ دیر دیکھ نہ پاتی۔اس کے انداز میں ایک تمکنت تھی.... وقار تھا اور ساتھ ہی ایک گہری خاموشی بھی۔

گھر پہنچ کر سکینہ نے سب سے پہلے اپنے بابا ماسٹر غلام رسول کا صندوقچہ کھول لیا اور اس میں کتابیں نکال کر پارس کے ہاتھ میں رکھتے ہوئے بولی۔

پارس شاید میں تجھے مڈل تو پاس نہ کرواسکوں گی۔ پر یہ کتابیں تیرے نانا کی ہیں۔وہ کہتے تھے ان کو پڑھنے سے ہم بڑے آدمی بن جاتے ہیں۔

مجھے یقین ہے تُو بھی ان کو پڑھ کر بڑی آدمی بن جائے گی۔اس نے پورے یقین سے کہا

پارس نے ایک کتاب اٹھائی۔سرورق پڑھنے لگی۔ لکھا تھا"سیرتِ طیبہ ﷺ" پارس نے عقیدت سے کتاب کو چوم لیا۔

سکینہ کے آنسوؤں کی برسات شروع ہو چکی تھی۔ شفیق سے سکینہ کا یہ دل شکستہ انداز اور باتیں برداشت نہ ہوئیں۔وہ اٹھ کر دونوں کے قریب آگیا۔اس نے پارس کے ہاتھ سے کتاب لے کر ماتھے سے لگائی۔

اس سے بڑا سچ کوئی نہیں یہ سب سے بڑے انسان اور ہم ان کے غلاموں کے غلام۔ وہ نظریں جھکائے بولا۔

سوہنے آقا ﷺ خوش ہوتے ہیں جب ان کے غلام باطل کے سامنے ہار نہ مان کر مشکلوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں۔

اس نے ذرا دیر رک سکینہ کی طرف دیکھا۔پارس ماں کے آنسو اپنی انگلیوں میں جذب کر رہی تھی۔اس کی ہچکیاں رک چکیں تھیں۔

وہ اب شفیق کی بات خاموشی سے سن رہی تھی۔سکینہ کو متوجہ دیکھ کر شفیق نے مزید کہا تُو یہ تو مان گئی کہ کتاب پڑھنے سے ہم بڑے آدمی بن جاتے ہیں پر یہ نہ سمجھ پائی کہ کس طرح۔وہ پھر کچھ دیر توقف دے کر بولا

دیکھ جو تُو نے مانا تھا اب اس کے سمجھنے کا وقت ہے۔وہ اسے بچوں کی طرح سمجھانے لگا۔

جتنا بڑا مقصد اتنا مشکل راستہ اور اتنا ہی سچا جنون چاہیے اس راستے کو پار کرنے کے لیئے۔اب اگر پارس کو بڑا آدمی بنانا ہے تو مشکل راستے سے تو گزرنا ہی ہو گا۔ شفیق کا لہجہ مضبوط ہو گیا۔

اور پھر ان مشکلات کے لیئے تو ہم پہلے سے تیار تھے۔نیا تو کچھ بھی نہیں۔تو پھر کیوں تُو ہمت ہارتی ہے۔

اس نے سکینہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا

ہم اپنی بیٹی کو ضرور پڑھائیں گے۔اسی گاؤں میں رہ کر اور انہیں لوگوں کے درمیان رہ کر ہم اپنی بیٹی کو

پڑھائیں گے۔اس کے لہجے میں جوش تھا۔استحکام تھا۔
سکینہ اسے تکنے لگی۔
اب ایسے کیوں دیکھ رہی کچھ بول ناں۔ یہ ہم دونوں کی ذمہ داری ہے۔
سکینہ کے چہرے پر پھر سے گہرا سکون آگیا تھا۔کل تک سکینہ جس یقین سے پارس کی پڑھائی پر بات کرتی تھی اس نے آج اپنا یقین شفیق کی آنکھوں میں بھی دیکھ لیا تھا۔
پارس جو سکینہ کی گود میں سر دیئے بیٹھی تھی۔اس نے سر اٹھا کر ماں کو دیکھا، مسکرائی اور ہاں اماں میں ضرور پڑھوں گی۔
سکینہ نے پارس کا ماتھا چوم لیا۔پھر شفیق کی طرف دیکھ کر بولی جانتی ہوں پتر۔تیرے بابا مجھے کبھی ہارنے نہیں دیں گے۔
اور تو مجھے۔شفیق نے جملہ پورا کر دیا
مگر کس طرح۔سکینہ نے سوال کیا۔
پہلے فیصلہ تو کر۔ہمت تو پکڑ۔پھر راستہ بھی سامنے آجائیگا۔شفیق نے پھر حوصلہ دیا۔
ہاں ہماری بیٹی ضرور پڑھے گی۔سکینہ نے بھی ایک نئے عزم کے ساتھ وعدہ کیا۔اور اٹھ کر الماری سے آٹھویں تک کی کتابوں کا ایک بنڈل نکال لائی جو شفیق ایک بار شوق میں بازار سے اکٹھا اٹھا لایا تھا۔
یہ لے انھیں اب تو سنبھال۔اس نے کتابیں پارس کے ہاتھ میں تھمادیں۔جس چیز کی بھی ضرورت ہو اپنے بابا کو بتا دینا۔اس نے پارس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔
پارس اپنی کتابیں سمیٹ کر لے گئی اور شفیق اور سکینہ آئندہ کا لائحہ عمل سوچنے لگے۔

کوئی بات نہیں۔میں بات کروں گا ماسٹر سے۔اگر وہ پارس کو مشکل مضمون پڑھا دیا کریں تو ہماری کافی مدد ہو جائے گی.....کافی دیر سوچنے کے بعد شفیق بولا۔
ماسٹر ماجد سے؟
سوچ لو جی کبھی کسی کے گھر دیکھا آتے جاتے انہیں نہیں دیکھا گاؤں میں نئے آدمی ہیں۔سکینہ نے خدشات کا اظہار کیا۔
ہاں جانتا ہوں۔میں نے معلومات لی تھیں جب پارس کے امتحان کے دوران اس سے ملا تھا۔تو بھی تو ملی تھی تجھے بھی تو اچھے آدمی لگے تھے وہ۔شفیق نے کہا
ہاں ملی تھی اچھے بھلے مانس ہیں۔مگر گاؤں والے....
اگر مگر کچھ نہیں۔ہم دیکھ لیں گیں گاؤں والوں کو اور پھر میں خود انہیں لایا کروں گا۔ہفتے میں دو دن بھی آجائیں گے تو ہماری پارس کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ماشاللہ ذہین ہے۔اس نے پوری پلاننگ سامنے رکھ دی۔
ہاں.... یہ بالکل صحیح ہے۔سکینہ اب پوری طرح مطمئن تھی۔اس نے پھر سے پارس کے بڑے آدمی بننے کا خواب آنکھوں میں سجالیا تھا۔
اور پھر ہفتے میں دو دن ماسٹر ماجد جو خود ایک ادھیڑ عمر انسان تھے شفیق کے ساتھ گھر آجاتے اور پارس کو پڑھا جاتے۔
سکینہ اور شفیق خود بھی پارس کو پورا وقت دیتے۔
پارس کا بیشتر وقت کتابیں پڑھتے اور ماسٹر صاحب کے دیئے گئے ہوم ورک کو کرتے گزرتا۔
اس نے بہت سے پڑھنے والے مشکل الفاظ کمرے کی دیواروں پر چسپاں کر دیئے تھے جنہیں آتے

جاتے دہراتی رہتی۔

ماسٹر ماجد نے بھی جب اس کے کمرے میں اس طرح کی تحریروں جن میں حساب کے فارمولوں سے لے کر بابا بھلے شاہ کی کافیاں تک شامل تھیں چسپاں دیکھیں تو اس کو شاباشی دیئے بغیر نہ رہ سکے وہ اس کی پڑھنے کی یہ لگن دیکھ بہت متاثر ہوتے۔

❖❖❖

ایک طرف سکینہ اور شفیق اپنے فرض کی ادئیگی میں مصروف تھے تو دوسری طرف برادری میں ان کے خلاف مشورے ہونے لگے تھے۔ انہیں اب گاؤں بھر سے تو کیا اپنے قریبی دوستوں سے بھی شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

وہ پرانے رشتے دار جنہوں نے کبھی صورت بھی نہ دیکھی تھی وہ بھی اب شکایتیں کرتے نظر آتے۔ اور پھر کچھ ہی دنوں میں ان کو پیغام مل گیا کہ پنچائیت کی بات نہ ماننے پر انہیں برادری سے الگ کر دیا گیا ہے۔ ان کے مرنے جینے سے اب کسی کا بھی کوئی واسطہ نہ ہو گا۔

دونوں کو برادری کے اس جاہلانہ فیصلے پر شدید رنج تھا۔ بہر حال وہ اس سب کے لئے تیار تھے۔

کیا ہوا....؟ شفیق نے سکینہ کو اداس دیکھا تو پوچھ بیٹھا۔

آج کنیز کی بیٹی کلثوم کی مایوں تھی سب عورتیں کنیز کے گھر جمع تھیں سوائے میرے۔ وہ مایوسی سے بولی

کوئی گل نہیں کچھ دن ٹھہر جا سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اس نے ہمت بندھائی....

سکینہ کچھ کہے بغیر باورچی خانے میں چلی گئی۔

کنیز کے گھر میں خوب چہل پہل تھی۔ کونے پر پر لگے تندور میں مکئی کی روٹیاں پکائی جا رہی تھیں تو ایک جانب ساگ میں مکھن ڈال کر دھیمی آنچ پر چھوڑ دیا گیا تھا۔

مگر اس شادی کے ماحول میں بھی دلہن سے زیادہ پارس اور اس کی پڑھائی زیر بحث تھی۔

ہم تو ویسے ہی خلاف تھے ایک تو بیٹی گود لی اور پھر اس کے پڑھانے لکھانے کے ڈرامے۔ ماسی شاداں کو تو مصروفیت مل گئی تھی۔

توبہ توبہ .... قربِ قیامت کے آثار ہیں۔ وہ کانوں کو ہاتھ لگا کر بولی

سچ ماسی۔ ایک لڑکی حیرت سے بولی۔

ہاں تو اب قیامت کوئی بتا کر تھوڑی آئے گی۔ یہی نشانیاں ہیں کہ عورتیں بے حیا ہو جائیں گی۔

شوہر کو غلط اور خود کو صحیح سمجھنا بہت بڑا گناہ ہے۔ ماسی شاداں نے اپنے بازو پھیلا کر گناہ کا حجم بتایا۔

لیکن سکینہ خالہ تو ایسی نہیں ہے، وہ تو کھانا بھی بہت اچھا بناتی ہیں۔ وہ لڑکی پھر بولی

ہے ہے کیا ہو گیا ہے لڑکی تجھے۔ عورت کا اصل کام بس یہ ہے۔ ماسی شاداں نے روٹی پکاتی عورتوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

ارے جہنم میں جلیں گیں ایسی عورتیں جو لوگوں کے سامنے اپنی آواز اونچی کریں۔ ایک اور بوڑھی عورت بولی۔

نا بابا نا.... میں تو کبھی بھی اپنی بیٹی کو اس کے گھر نہ بھیجوں۔ وہ کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولی۔

میں بھی۔ کنیز نے بھی اپنی چھوٹی بیٹی مہرین کو گلے لگا لیا۔

❀

کرامات

ایک صاحب کرامات کا قصہ، وہ اپنے اس وصف سے خود آگاہ نہیں تھا اور اپنی کرامات کے زندہ ثبوتوں پر حیران تھا۔

پیر صاحب کا معمول تھا کہ فجر کی نماز اور ذکر و اذکار سے فارغ ہو کے علاقے کی مشہور خانقاہ کے انتظامات میں مصروف ہو جاتے۔ وہاں کے علماء میں انہیں ایک خاص مقام حاصل تھا اور عوام پر تو اُن کی روحانیت کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ اُن کے گھر کے دروازے پر کھجور کا ایک چھوٹا سا درخت تھا جو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے لگایا تھا، طلوعِ آفتاب سے پہلے پہلے وہ خود ہی اُسے پانی دیا کرتے تھے۔

حسبِ معمول آج جب وہ پانی دے کر اندر جانے لگے تو کیا دیکھتے ہیں کہ کچھ لوگ اُن کی طرف بڑھے چلے آرہے ہیں۔ وہ بڑے مظلوم اور مصیبت زدہ سے نظر آرہے تھے۔ انہوں نے پیر صاحب کو سلام کیا۔ پیر صاحب نے سلام کا جواب دے کر صبح سویرے آنے کی وجہ دریافت کی۔ اُن میں سے ایک شخص آگے بڑھا اور پیر صاحب کے پاؤں پکڑ کے ملتجیانہ انداز میں گویا ہوا۔

"اے اللہ کے ولی! ہم بڑی مصیبت میں گرفتار ہیں، اور آپ کی ذاتِ بابرکات کے علاوہ کوئی اور ہمیں اس سے نجات نہیں دلا سکتا۔ میری بیوی سخت بیمار ہے، بلکہ سمجھیں، قریب الموت ہے۔ آپ کے دم کرنے سے وہ ضرور اچھی ہو جائے گی۔"

"وہ ہے کہاں ...؟" پیر صاحب نے بے نیازی سے پوچھا۔ "قریب ہی .... ایک گاؤں میں ... سواری تیار ہے۔" اُس نے ہجوم کے پیچھے کھڑے ہوئے دو گدھوں کی طرف

مصر کے معروف کہانی کار توفیق الحکیم کی تحریر
ترجمہ: سید خالد محمود ترمذی

اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
"اچھا میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں، لیکن میں ذرا گھر میں اور مریدین کو خبر کر دوں!"
"وقت بہت نازک ہے"۔ سب نے بیک آواز کہا "عورت نزع کے عالم میں ہے، شاید ہمارے جاتے جاتے وہ ختم بھی ہو جائے۔ براہِ کرم آپ اسی وقت ہمارے ساتھ چلیں۔ جگہ کوئی دور نہیں ہے، دوپہر تک ہم واپس آجائیں گے"۔
"اچھا، تو چلو پھر، ہمیں دیر نہیں کرنی چاہیے"۔ پیر صاحب نے ہجوم کے پیہم اصرار سے مجبور ہو کر کہا، اور گدھوں کی طرف چلے۔ ایک گدھے پر خود، اور دوسرے پر عورت کا خاوند سوار ہو گیا، باقی لوگ پیدل پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ کئی گھنٹے انہیں اسی طرح چلتے گزر گئے۔ پیر صاحب کے استفسار پر کہ جگہ کتنی دور ہے، دوسرا سوار کہتا "بس پہنچے ہی سمجھیں"۔ اسی طرح کرتے کرتے دوپہر کے قریب جا کے کہیں گاؤں دکھائی دیا۔ جب وہ گاؤں میں داخل ہوئے تو گاؤں والوں نے اُن کا پُر جوش استقبال کیا۔ وہ لوگ اُنہیں ایک گھر کے بڑے سے کمرے میں لے گئے جہاں بستر پر ایک عورت دراز تھی۔ اس کی بے نور آنکھیں چھت کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ پیر صاحب نے اُسے ہلایا، لیکن جواب ندارد، وہ تو موت کے دروازے پر دستک دے رہی تھی۔ پیر صاحب نے دَم درود کرنا شروع کیا، وہ مشکل اپنا عمل ختم کر پائے تھے کہ عورت نے ایک لمبی آہ کھینچی، اور پھر اس طرح سسکیاں بھرنے لگی کہ پیر صاحب کو یہ گمان گزرا کہ اُس کی روح نکلنے والی ہے۔
عورت نے آنکھیں کھول دیں، اور حیرانی سے ماحول کا جائزہ لینے لگی۔ "میں کہاں ہوں؟" وہ بڑبڑائی۔
"تم اپنے گھر میں ہو"۔ پیر صاحب نے حیرانی کے عالم میں کہا۔
"مجھے پانی پلاؤ"۔
"پانی کا گھڑا لاؤ"۔ اُس کے عزیز و اقارب چلائے۔ کوئی دوڑ کے پانی کا جگ بھر لایا، جس سے عورت نے خوب سیر ہو کے پانی پیا، پھر اس نے ایک لمبی ڈکار لی اور کہنے لگی۔
"کھانے کو کچھ ہے؟ مجھے بھوک لگ رہی ہے"۔ اُس کا یہ کہنا تھا کہ اہلِ خانہ میں سے کوئی روٹی لا رہا ہے تو کوئی سالن، اور کوئی اچار تو کوئی چٹنی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ سب کچھ ہضم کر گئی، پھر وہ اپنے بستر سے اُتری اور یوں چلنے پھرنے لگی جیسے بالکل بھلی چنگی ہو، کبھی بیماری نہ ہوئی ہو۔
اہلِ خانہ پیر صاحب کے حضور فرطِ ادب سے جھک گئے۔ کوئی اُن کے ہاتھوں پر بوسوں کی بھرمار کرنے لگا تو کوئی اُن کے پاؤں چومنے لگا، پھر اُن میں سے ایک عمر رسیدہ شخص اُن سے مخاطب ہوا:
"آپ کی دعا کی برکت سے عورت کی جان بچ گئی ہے، اس کے لیے ہم دل کی گہرائیوں سے آپ کے ممنون ہیں۔ ہم آپ کا کس منہ سے شکر ادا کریں۔ آپ خود بتائیں، اس نیکی کے صلے میں ہم آپ کی کیا خدمت بجا لائیں؟ ہم زندگی بھر آپ کے اس احسان کا بدلہ نہیں چکا سکتے...؟"
"میں نے تو ایسا کوئی کام نہیں کیا جو کسی صلے یا شکریے کا مستحق ہو"۔ پیر صاحب خود اِس غیر معمولی واقعے پر حیران و پریشان تھے۔ اُن کی سمجھ میں نہیں

آرہا تھا کہ یہ معجزہ کیسے ہو گیا۔

"یہ سب کچھ تو اللہ کی قدرت سے ہوا ہے، انا اللہ علی کل شی، قدیر آپ اسے جو کچھ بھی کہیں"۔

صاحب خانہ بولا "اے اللہ کے سچے ولی! بہر حال یہ کسی معجزے سے کم نہیں اور اللہ نے اِسے آپ کے مبارک ہاتھوں سے سرانجام دیا ہے۔ آپ جیسی مقدس ہستی کا ہمارے گھر تشریف لانا ہمارے لیے باعثِ عزت و افتخار ہے، اور ہمیں اپنی خوش بختی پر ناز ہے۔ آپ ہمیں اجازت دیں کہ ہم اپنے حالات اور علاقے کے رواج کے مطابق آپ کی مہمان نوازی کا شرف حاصل کریں"۔

اُس نے ایک خاص کمرا پیر صاحب کے لیے خالی کرنے کا حکم دیا، اور اُس میں اُنھیں ٹھہرایا۔ جب بھی وہ اُس سے رخصت چاہتے، وہ اللہ رسول کی قسمیں کھا کے کہتا "اُس معزز ہستی کو، جس نے میری بیوی کی جان بچائی ہے، تین دن سے پہلے کیسے جانے دے سکتا ہوں؟ تین دن آپ جیسے عظیم محسن کو مہمان رکھنا بہت قلیل مدت ہے"۔

اس عرصے میں وہ اُن کے ساتھ بڑی عزت سے پیش آیا، اور کوئی دقیقہ خدمت کا اُس نے فرو گزاشت نہیں کیا۔ جب تین روز گزر گئے تو اُس نے ایک گدھے پر تحفے تحائف، اناج، دالیں اور انڈے مرغیاں وغیرہ لادیں اور پانچ پونڈ کا ایک نوٹ بطور نذرانہ پیش کیا اور اُن کی پذیرائی کے لیے دروازے تک اُن کے ہمراہ گیا۔ وہ بمشکل اُنھیں گدھے پر سوار کرا پایا تھا کہ ایک نوجوان دوڑتا ہوا آیا، اور پیر صاحب کے پاؤں پکڑ کر کہنے لگا "آپ کی کرامت کی شہرت قریب کے تمام دیہات میں پھیل گئی ہے۔

میں بھی اُس کا چرچا سن کر حاضر ہوا ہوں۔ میرا ایک چچا میرے لیے والد کی جگہ پر ہے، وہ بسترِ مرگ پر ہے۔ اُس کی خواہش ہے کہ وہ آپ سے نیاز حاصل کرے۔ خدا کے لیے مرنے سے پہلے اُس کی یہ آرزو پوری کر دیں"۔

"لیکن میرے بچے، دیکھو تو سہی، میں تو پہلے ہی اپنے گھر جانے کو تیار کھڑا ہوں"۔ پیر صاحب نے بے یقینی کے سے انداز میں کہا۔

"جب تک آپ میرے چچا کو دیکھ نہیں لیں گے، میں آپ کو ہر گز جانے نہیں دوں گا۔ ہم آپ کا زیادہ وقت نہیں لیں گے"۔ یہ کہہ کر نوجوان نے گدھے کی رسّی پکڑی، اور ایک طرف چل دیا۔

"تمھارا چچا ہے کہاں؟" پیر صاحب نے دریافت کیا۔

"بالکل قریب، بس چند منٹ کا فاصلہ ہے"۔

پیر صاحب کے لیے سوائے تعمیل کے کوئی چارہ نہ تھا۔ کوئی ایک گھنٹے چلنے کے بعد وہ دوسرے گاؤں پہنچے، جہاں اُس نے پہلے کی طرح ایک گھر میں ایک آدمی کو بسترِ مرگ پر دراز پایا۔ اُس کے گھر والے اُس کی چارپائی کے گرد اُمید و بیم کی حالت میں چہرے لٹکائے کھڑے تھے۔

پیر صاحب نے جوں ہی دم درود کرنا شروع کیا، وہ مرد اُٹھ بیٹھا اور کھانے پینے کو مانگنے لگا۔ اس معجزے پر لوگ متحیر رہ گئے، اور انھوں نے قسم کھائی کہ پیر صاحب کے اس احسان کا بدلہ ضرور چکائیں گے اور اُنھیں کم از کم تین دن اپنا مہمان رکھیں گے۔

یہ تین دن بڑے مزے میں گزرے۔ اُن کی

خوب خاطر مدارات کی گئی۔ پھر وہاں سے واپسی پر جب وہ تحفوں سے لدے پھندے گاؤں والوں کے ہم راہ جلوس کی صورت میں گاؤں کے دروازے پر پہنچے تو تیسرے گاؤں سے ایک آدمی آیا اور اُس نے پیر صاحب کو اپنے گاؤں چلنے کی دعوت دی۔ "خواہ چند لمحوں کے لیے سہی، پر اپنے بابرکت وجود سے ہمارے گاؤں کو بھی عزت بخشیے"۔

پیر صاحب کے لیے اس اجنبی سے فرار کا کوئی راستہ نہ تھا۔ اُس اجنبی شخص نے گدھے کی رسی تھام کے اُسے ایک سمت ہانکنا شروع کر دیا اور بالآخر اُسے ایک گھر کے سامنے لے جاکر کھڑا کیا۔ وہاں پیر صاحب کے حضور میں ایک لنگڑا لڑکا پیش کیا گیا جسے پیر صاحب کے چھونے کی دیر تھی کہ وہ اچھا بھلا چلنے پھرنے لگا۔

تمام جوان و پیر خوشی کے مارے تالیاں پیٹنے لگے، اور انہوں نے بھی تہیہ کیا کہ وہ تین روز تک اُن کی مہمان نوازی کریں گے، کہ وہ صاحب کرامت بزرگ تھے۔

جب تین راتیں گزر گئیں تو گاؤں والوں نے مزید تحائف ان کی نذر کیے، یہاں تک کہ گاؤں کے لوگوں نے کچھ رقم بھی اُن کی نذر کی کہ کل بیس پونڈ ہو گئے جنھیں پیر صاحب نے تہ بند میں اُڑس لیا۔ وہ گدھے پر سوار ہو گئے اور گاؤں والوں سے کہا کہ وہ اُنھیں اُن کے گاؤں تک چھوڑ آئیں۔ وہ سب یہ کہتے ہوئے اُن کے ہمراہ ہو لیے

"ہماری جانیں بھی آپ پر نثار ہیں، ہم آپ کو آپ کے گھر والوں کے حوالے کر کے ہی لوٹیں گے۔ ہمیں آپ کی جان زر و جواہر سے بھی زیادہ پیاری ہے"۔

"میں آپ کو تکلیف تو دے رہا ہوں..." پیر صاحب نے وجہ بیان کی، "اس لیے کہ آپ لوگ تو جانتے ہی ہیں، راستے غیر محفوظ ہیں، اور آج کل راہزنوں کا زور ہے"۔

"آپ سچ فرماتے ہیں۔ یہاں تو دن دہاڑے آدمی اغوا ہو جاتے ہیں"۔

"خود حکومت اس وبا کو دور کرنے میں بے بس ہو گئی ہے"۔

پیر صاحب فرمانے لگے "مجھے پتہ چلا ہے کہ ان راہوں میں ڈاکوؤں کے گروہ بسوں، لاریوں کو روک لیتے ہیں اور کھاتے پیتے، خوش حال مسافروں کو اغوا کر لیتے ہیں، پھر اُن کے عزیز و اقارب سے بھاری رقمیں طلب کرتے ہیں۔ بعض اوقات محافظوں کی موجودگی میں بھی ایسا ہوتا ہے۔ ایک دفعہ ایک بس میں دو پولیس والے سفر کر رہے تھے کہ ڈاکوؤں نے بس روک لی اور ایک مال دار اسامی کو نیچے اترنے کو کہا۔ جب اُس نے پولیس والوں سے مدد کی درخواست کی تو پتہ ہے، انہوں نے کیا جواب دیا؟ انہوں نے کہا

"دفع ہو جاؤ اور ہمیں بھی جانے دو"۔

مجمع ہنسنے لگا اور پیر صاحب کی ڈھارس بندھانے لگا "فکر نہ کریں، آپ ہمارے ساتھ ہیں، آپ زمین پر جبھی اپنے قدم مبارک رکھیں گے، جب آپ کا گاؤں آجائے گا"۔

"مجھے علم ہے، آپ لوگ بڑے بہادر ہیں، آپ لوگوں نے میری بڑی قدر و منزلت فرمائی ہے اور میرے ساتھ بڑی فیاضی اور سخاوت سے

پیش آئے ہیں"۔
"ایسا نہ کہیں جی! آپ ہمیں اپنی جانوں سے بھی زیادہ عزیز ہیں"۔ اور نہ جانے اُن کی شان میں وہ کیا کیا قصیدے کہتے گئے، اور زمین و آسمان کے قلابے ملاتے گئے۔ اُن کے اوصاف کا تذکرہ کرتے ہوئے اُن کی کرامات کو سراہتے گئے۔ پیر صاحب یہ سنتے رہے اور گزرتے ہوئے واقعات پر غور کرتے رہے، آخر گویا ہوئے
"بے شک، پچھلے دنوں میں جو کچھ مجھ سے صادر ہوا، وہ غیر معمولی نوعیت کا حامل ہے، لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ یہ سب کچھ محض میرے بدولت ہوا ہو.....؟"
"کیا آپ کو اس میں کوئی شک ہے؟"
"یہ تو آپ لوگوں کی برکت ہے کہ مجھ سے ان کرامتوں کا ظہور رہا ہے"۔
"اس سے آپ کا کیا مطلب ہے؟"
"یہی کہ آپ ہی لوگ اس کا واحد سبب ہیں"۔
"آپ کو یہ کس نے بتایا....؟" وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے بڑبڑائے۔
"یہ آپ کے اعتقادات کی وجہ سے ہوا"۔ پیر صاحب نے بڑے اعتماد سے تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا "اعتقاد کی بدولت آپ یہ سب کچھ حاصل کر پائے ہیں۔ آپ نہیں جانتے کہ ایک مومن کے سینے میں کتنی بڑی طاقت پوشیدہ ہوتی ہے۔ عقیدہ ایک طاقت ہے میرے عزیزو! عقیدہ ایک عظیم طاقت ہے۔ کرامات تو تمہارے سینوں میں پوشیدہ ہے، جیسے پانی پہاڑوں میں، اور صرف عقیدے ہی کی طاقت سے وہ چشمے کی صورت میں اُبل سکتا ہے"۔ انہوں نے اپنی پُر امن تقریر جاری رکھی، اور سامعین سر دھنتے رہے۔ وہ زورِ خطابت میں جذباتی ہوتے گئے، اور اُنہوں نے یہ محسوس ہی نہیں کیا کہ اُن کے ہم راہی بھی ایک ایک کر کے اُن کا ساتھ چھوڑتے جا رہے ہیں۔
اُنہیں تو تبھی علم ہوا جب وہ خانقاہ کی حدود میں داخل ہوئے، اور سواری سے اُتر کر زمین پر قدم رکھے۔ جوں ہی وہ اپنے شرکائے جلوس کا شکریہ ادا کرنے کو مڑے تو وہاں کسی کو نہ پا کر ہکا بکا رہ گئے۔
اُن کی حیرت اُس وقت ختم ہوئی جب اُنہوں نے خود کو گھر والوں اور اپنے مریدین کے گھیرے میں پایا۔ اُن کے مریدین اُن کے ہاتھ چومنے لگے۔ اُن لوگوں کی آنکھوں میں تشکر و امتنان کے آنسو جھلک رہے تھے۔ اُن میں سے ایک بزرگ صورت نے انہیں گلے لگاتے ہوئے کہا "شکر ہے، آپ بخیریت واپس آ گئے ہیں۔ اُنہوں نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اُنہوں نے آپ کے بدلے میں جو رقم لی ہے، اُس پر مٹی ڈالیں۔ آپ ہمارے لیے ہر مال و دولت سے زیادہ قیمتی ہیں"۔
رقم کے لفظ پر چوکنا ہو کر پیر صاحب نے استفسار فرمایا،
"کیسی رقم؟"
"جو ہم نے ڈاکوؤں کو دی ہے"۔
"کون سے ڈاکو؟"
"جنہوں نے آپ کو اغوا کیا تھا۔ پہلے تو وہ دس ہزار پونڈ سے کم لینے پر کسی صورت رضامند ہی نہیں ہوتے تھے۔ کہتے تھے کہ آپ تو سونے میں تلنے کے لائق ہیں۔ بالآخر ہماری منت سماجت سے بمشکل

آدمی رقم لینے پر رضامند ہوئے، اور ہم نے پانچ ہزار پونڈ نقد آپ کے عوض ادا کیے"۔

"پانچ ہزار پونڈ....!" پیر صاحب حیران ہوکر چلائے اور وہ بھی میرے عوض؟ انہوں نے تمہیں یہ بتایا کہ میں اغوا کیا گیا ہوں؟

"جی ہاں۔ آپ کے غائب ہونے کے تین روز بعد کچھ لوگ آئے، اور کہا کہ ایک گروہ نے آپ کو اغوا کرلیا ہے، اُنہوں نے دھمکی دی کہ اگر ہم نے معاوضہ ادا نہ کیا تو وہ آپ کو جان سے ماردیں گے، اور ادائیگی کی صورت میں آپ کو صحیح سلامت ہمیں واپس لوٹا دیں گے"۔

پیر صاحب نے اِن الفاظ پر غور کیا اور وہ سب محیر العقول واقعات فلم کی طرح اُن کی چشمِ تصور کے سامنے گھوم گئے۔

"یہاں یہ سب واقعات اس کی گواہی دیتے ہیں"۔ جیسے وہ اپنے آپ سے مخاطب ہوں، "وہ قریب الموت مرد اور عورت، اور وہ لنگڑا، جو میرے عمل سے ایک دم ٹھیک ٹھاک ہوگیا.... بڑے چالاک تھے وہ لوگ...!"

اُن کے اہل خانہ نے اُن کا جسم اور کپڑے ٹٹولنے شروع کردیے اور کہنے لگے "اللہ کا شکر ہے، آپ بخیریت واپس آگئے ہیں۔ آپ کو اُنہوں نے کوئی تکلیف تو نہیں پہنچائی؟ اُنہوں نے آپ کے ساتھ کوئی برا سلوک تو نہیں کیا؟"

"نہیں، کوئی تکلیف نہیں پہنچائی، بلکہ انہوں نے تو مجھ سے کرامات سرزد کرائیں... وہ کرامات جو مجھے بہت مہنگی پڑی ہیں"۔

❄

نو آموز لکھنے والے متوجہ ہوں

اگر آپ کو مضمون نگاری یا کہانی نویسی کا شوق ہے

اور اب تک آپ کو اپنی صلاحیتوں کے اظہار کا موقع نہیں مل سکا ہے تو روحانی ڈائجسٹ کے لیے قلم اُٹھایئے.... یہ خیال رہے کہ موضوع اور تحریری حسن ایسا ہو جس میں قارئین دلچسپی محسوس کریں۔ آپ طبع زاد تحریروں کے علاوہ تراجم بھی ارسال کرسکتے ہیں۔ ترجمہ کی صورت میں اصل مواد کی فوٹو اسٹیٹ کاپی منسلک کرنا ضروری ہے۔ مضمون کاغذ کے ایک طرف اور سطر چھوڑ کر خوشخط لکھا جائے۔ مضمون کی نقل اپنے پاس محفوظ رکھیں کیونکہ اشاعت یا عدم اشاعت دونوں صورتوں میں مسودہ واپس نہیں کیا جاتا۔

قلم اٹھایئے اور اپنے تعمیری خیالات کو تحریر کی زبان دیجیے۔

تحریر کی اصلاح اور نوک پلک سنوارنا ادارہ کی ذمہ داری ہے۔

شعبہ مضامین

روحانی ڈائجسٹ،

1-D,1/7 ناظم آباد۔ کراچی

فارسی ادب سے ایک شاہکار افسانہ

گُبڑا داؤد

صادق ہدایت

ترجمہ: محمد عارف قریشی

نہیں! نہیں! مجھے یہ کام ہرگز نہیں کرنا چاہیے، قطعی طور پر اسے بھول جانا چاہیے۔ یہ بات دوسروں کے لیے تو خوشی اور مسرت کا باعث ہے مگر میرے لیے رنج اور دکھ کا سامان ہے! نہیں، ہرگز نہیں!

داؤد زیر لب بڑبڑاتا اور اپنے زرد رنگ کے چھوٹے سے عصا کو زمین پر ٹیکتا ہوا بڑی دشواری سے چلا جا رہا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ وہ اپنا جسمانی توازن بڑی مشکل سے برقرار رکھے ہوئے ہے۔ اس کا بڑا سا چہرہ، لاغر شانوں کے درمیان باہر نکلے ہوئے سینے پر جھکا ہوا تھا۔ بظاہر اس کی شخصیت انتہائی غیر موثر بلکہ نفرت انگیز اور گھناؤنی نظر آتی تھی۔ پتلے پتلے بھینچے ہوئے ہونٹ، کمان کی طرح باریک ابرو، شکستہ پلکیں، زرد رنگ، رخساروں کی ہڈیاں ابھری ہوئی، پشت کے ساتھ پیچھے کو نکلی ہوئی جیکٹ، ناموزوں لمبے لمبے ہاتھ اور سر پر ڈھیلی ڈھالی ٹوپی، اس نے خود پر زبردستی سنجیدگی طاری کر رکھی تھی اور وہ اپنے اعصا کو اکثر سختی سے زمین پر مارتا رہتا تھا۔ ان تمام باتوں نے مل جل کر اسے بے حد مضحکہ خیز بنا دیا تھا۔

وہ شاہراہ پہلوی کے موڑ سے چلا تھا اور شہر کی بیرونی سڑک سے ہوتا ہوا ”دولت دروازے“ کی طرف جا رہا تھا۔

سورج اپنے سفر کی آخری منزل میں تھا۔ ہوا میں معمولی سی خنکی تھی۔ بائیں جانب ڈوبتے سورج کی دھندلی روشنی میں گارے سے اٹھائی گئی دیواریں اور اینٹوں سے بنے ہوئے ستون بڑی خاموشی سے آسمان کی طرف سر اٹھائے کھڑے تھے۔ دائیں طرف حال ہی میں پر کی گئی خندق کے کنارے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر زیر تعمیر مکان نظر آ رہے تھے یہاں نسبتاً تنہائی اور سکون تھا۔ کبھی کبھار کوئی گاڑی یا بگھی گزرتی تو پانی کے چھڑکاؤ کے باوجود ہلکے سے گرد و غبار کو فضا میں بلند کر جاتی۔

داؤد سوچ رہا تھا کہ بچپن سے لے کر اب تک وہ مسلسل دوستوں کے لیے ہنسی مذاق اور ٹھٹھے کا سامان ہی بنتا رہا ہے اور اس کی ساری زندگی لوگوں کے رحم و کرم پر گزری ہے۔ اسے یاد آیا کہ پہلی مرتبہ جب استاد نے تاریخ کا سبق پڑھاتے ہوئے کہا تھا کہ اسپارٹا (یونان قدیم) کے لوگ عجیب الخلقت اور مضحکہ خیز شکل و صورت لے کر پیدا ہونے والے بچوں کو جان سے مار دیا کرتے تھے تو داؤد کے تمام

ساتھیوں نے اس کی طرف بڑی عجیب نظروں سے دیکھا تھا۔ جس پر اس نے خود کو ایک نامعلوم سی کیفیت میں مبتلا پایا تھا۔

تو یہ اس کی زبردست خواہش تھی کہ اس قانون کا نفاذ ساری دنیا پر کیا جانا چاہیے یا کم از کم اکثر مقامات کی طرح یہاں بھی یہ پابندی عائد کر دی جائے کہ ناکارہ، بیمار اور اپاہج لوگ شادی کرنے سے باز رہیں۔ کیونکہ اس کے خیال میں اس ساری صورت حال کا ذمہ دار اس کا باپ تھا۔

چہرے کی رنگت اڑی اڑی سی، رخساروں کی ہڈیاں باہر نکلی ہوئی، اندر کو دھنسی ہوئی نیلی نیلی آنکھیں اور ادھ کھلا منہ! یہ تھی اس کے باپ کی شکل و شباہت! اس آتشک زدہ بوڑھے نے ایک جوان لڑکی سے شادی کر لی جس کے نتیجے میں تمام بچے اندھے اور لولے لنگڑے پیدا ہوئے تھے۔ داؤد کے بہن بھائیوں میں سے ایک جو زندہ رہ گیا تھا، وہ بھی گونگا اور نیم پاگل تھا۔ دو سال پہلے وہ بھی مر گیا۔

"شاید وہ تمام خوش نصیب تھے جو، اب اس دنیا میں نہیں۔" داؤد نے اپنے آپ سے کہا، وہ زندہ رہ گیا تھا اور اپنے آپ اور دوسروں سے بیزار زندگی گزر رہا تھا۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ ہمیشہ تنہائی کی زندگی بسر کرے گا اور کسی سے میل جول نہیں رکھے گا۔

بچپن ہی سے مدرسے میں ورزش، کھیل کود، شرارت، بھاگ دوڑ، رسی پھلانگنا اور آنکھ مچولی وغیرہ ایسی تمام دلچسپیاں جو اس کے ہم جماعتوں کے لیے خوشی اور تفریح کا باعث بنتی تھیں، اس کے لیے شجر ممنوعہ رہی تھیں۔ وہ مدرسے کے ایک کونے میں چہرے کے سامنے کتاب رکھ کر بیٹھ جاتا اور اس کی آڑ میں اپنے ان ساتھیوں کو دیکھا رہتا جو کھیل کود میں مشغول ہوتے تھے۔ تاہم اس کے ساتھ ساتھ وہ پڑھائی میں بہت زیادہ محنت کرتا تا کہ تعلیمی میدان میں ہی دوسروں پر سبقت لے جائے۔

کلاس کے نالائق طالب علموں میں دو ایک اس کے قریب رہنے کی کوشش کرتے تاکہ ریاضی کے سوال اور دوسرا ہوم ورک اس کی مدد سے حل کر سکیں۔ وہ بخوبی جانتا تھا کہ ان کی دوستی مطلب کی ہے۔ وہ دیکھتا تھا کہ حسن خان جو اس کی کلاس کا خوبرو اور خوش لباس لڑکا تھا ساری کلاس کی توجہ کا مرکز بنا رہتا۔ اساتذہ میں سے دو تین اس سے ہمدردی اور توجہ کا اظہار کرتے تھے لیکن وہ بھی اس وجہ سے نہیں کہ وہ ایک محنتی طالب علم تھا بلکہ ازراہ ترحم! چنانچہ ایک لائق طالب علم ہونے کے باوجود اسے اپنی تعلیم ادھوری چھوڑنا پڑی۔

اب وہ ہر طرح سے خالی ہاتھ تھا۔ سب لوگ اس سے دور رہنے کی کوشش کرتے۔ یہاں تک کہ اس کے دوست بھی اس کے ساتھ چلنے میں عار محسوس کرتے۔ عورتیں اسے دیکھ کر تمسخر سے کہتیں.....!

"ذرا اس کبڑے کو دیکھو! کیا لگ رہا ہے" یہ باتیں اسے آپے سے باہر کر دیتیں۔ چند سال پیشتر اس نے دو لڑکیوں کو شادی کا پیغام بھجوایا تو دونوں نے اس کا مذاق اڑایا تھا۔ ان میں سے ایک جس کا نام زبیدہ تھا، اس کے قریب ہی فشر آباد میں رہتی تھی۔ آتے جاتے کئی مرتبہ انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا بلکہ ان کی آپس میں گفتگو بھی ہوئی تھی۔ شام کے وقت جب وہ مدرسے سے واپس آتا تو اکثر اسے دیکھنے کے لیے چلا جاتا۔ اب اسے یاد آ رہا تھا کہ اس کے ہونٹوں کے کنارے پر ایک سیاہ تل تھا۔

داؤد نے اپنی خالہ کے ذریعے زبیدہ کو اپنے لیے مانگا تو اس نے ازراہ تمسخر کہا تھا! "کیا دنیا مردوں سے خالی ہو گئی ہے کہ میں ایک کُبڑے کی بیوی بنوں....؟"

زبیدہ کی اس بے رخی کے باوجود داؤد اب تک اسے چاہتا تھا۔ وہ اس کی جوانی کی حسین یادوں میں سے ایک تھی۔ اب بھی دانستہ یا نادانستہ اس کا گزر اس طرف سے ہوتا تو بیتے دنوں کی یہ خوبصورت یادیں اس کے تصور میں ابھر آتیں۔

اب وہ ہر شے سے بیزار اور الگ تھلگ رہتا۔ اکثر اوقات تنہا ہی نکل جاتا اور جمگھٹوں سے دور بھاگتا۔ جب بھی کوئی شخص ہنستا یا اپنے ساتھی سے کوئی سرگوشی کرتا تو وہ یہی سمجھتا کہ یہ کھسر پھسر یقیناً اسی کے بارے میں ہے۔ لوگ اس کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ لوگوں سے بیزاری کے باجود آتے جاتے، راستے میں اس کی تمام توجہ دوسروں پر مرکوز رہتی اور وہ ہر وقت اس کوشش میں رہتا کہ اپنے بارے میں دوستوں کی رائے سے باخبر ہے۔

داؤد ندی کے کنارے آہستہ آہستہ چلا جا رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ اپنی لاٹھی سے پانی کی ہموار سطح کو منتشر کر دیتا بالکل اسی طرح اس کے خیالات منتشر تھے۔ اسی اثنا میں اس نے لمبے لمبے بالوں والے ایک سفید کتے کو لیٹے ہوئے دیکھا جس نے اس کے عصا کے پتھر سے ٹکرانے کی آواز سن کر سر اٹھایا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ بیمار ہو یا قریب المرگ! کیونکہ وہ اپنی جگہ سے مل نہ سکا اور اس کا سر پھر زمین سے جا ٹکرایا۔

داؤد بڑی دشواری سے جھکا تو چاند کی روشنی میں ان کی نگاہیں آپس میں ملیں۔ اسی لمحے ایک عجیب و غریب خیال نے داؤد کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس نے سوچا! زندگی میں یہ پہلی پر خلوص اور ہمدرد نگاہ تھی جو اس کی طرف اٹھی تھی۔ شاید اس لیے کہ بدقسمتی کے لحاظ سے وہ دونوں ایک ہی کشتی کے سوار تھے ایک بے قیمت اور بے کار شے کی مانند، وہ دونوں انسانوں کے دھتکارے ہوئے تھے۔ اس نے چاہا کہ وہ اس کتے کو، جو اپنی بدبختی کو شہر سے باہر کھینچ لایا تھا اور اپنے آپ کو لوگوں کی تحیر آمیز نظروں سے اوجھل کر چکا تھا، اپنی آغوش میں لے لے، اس کے سر کو اپنے ابھرے ہوئے سینے کے ساتھ بھینچ لے، لیکن اس کے ساتھ ہی اسے خیال آیا کہ اگر اس موقع پر کوئی اور یہاں آ گیا اور اس نے مجھے اس حالت میں دیکھ لیا تو میرا اور زیادہ مذاق اڑایا جائے گا۔

سورج رات کے دامن میں پناہ لے چکا تھا۔ داؤد، دروازہ یوسف آباد کے پاس سے گزرا تو نورانی کرنیں بکھیرنے والا چاند آسمان کے کنارے سے ابھر آیا تھا۔ فضا میں خاموشی کے باعث شہر دور سے سویا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ حد نظر تک کوئی نہ تھا۔ لیکن ندی کے اس پار سے ابوعطا کے نغمے کی دھیمی دھیمی آواز آ رہی تھی۔

داؤد نے سر کو بڑی دقت سے اٹھایا۔ وہ بے حد تھکا ہوا تھا اور غم و اندوہ سے چور! اس کی آنکھوں میں شدت جذبات سے آگ دہک رہی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس کا سر جسم پر ایک بوجھ بن کر رہ گیا ہے۔ اس نے اپنا عصا ندی کے کنارے رکھا اور راستے کے ایک طرف جا کر بیٹھ گیا۔ اسی لمحے اچانک اس کی نظر ایک برقع پوش عورت پر پڑی جو اس کے قریب ہی ندی کے کنارے بیٹھی تھی۔ داؤد کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اسی دوران عورت نے اپنا رخ اس کی طرف موڑا اور کسی تمہید کے بغیر کہا!

"ہوشنگ! تم اب تک کہاں تھے....؟"

داؤد اس عورت کے اس لب و لہجے پر حیران رہ گیا۔ وہ اسے دیکھ کر خوفزدہ نہیں ہوئی تھی، اس کے انداز تخاطب سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اس سے گفتگو کرنا چاہتی ہے۔

"لیکن یہ اس وقت یہاں کیا کر رہی ہے....؟"

داؤد نے سوچا: "کیا یہ کوئی بے ضرر عورت ہے....؟ یہ تو کوئی محبت کی ماری معلوم ہوتی ہے" پھر اس نے جی کڑا کر کے اپنے آپ سے کہا، جو ہوگا....؟ دیکھا جائے گا۔ مجھے اس سے کم از کم ایک دو باتیں ضرور کرنی چاہئیں۔ ممکن ہے یہ مجھے نئی زندگی دے دے۔ اور یہ سوچ کر اس نے کہنا شروع کیا:

"خاتون! کیا آپ اکیلی ہیں....؟ میں بھی تنہا ہوں! بلکہ ہمیشہ سے تنہا رہا ہوں! اوائل عمر سے تنہائی کے روگ میں مبتلا ہوں....!"

داؤد کی بات ابھی جاری تھی کہ عورت جس کی آنکھوں پر سیاہ چشمہ تھا اس کی طرف مڑ کر بولی: "لیکن آپ کون ہیں....؟ میں تو آپ کو ہوشنگ سمجھی تھی وہ جب بھی آتا ہے، مجھے چھیڑتا ہے۔"

داؤد اس کا آخری جملہ اچھی طرح سن سکا نہ اس کے مفہوم کو پا سکا، مگر اسے ایسی امید بھی نہ تھی۔ طویل عرصہ سے کوئی عورت اس کے ساتھ ہم کلام نہیں ہوئی تھی، جبکہ یہ عورت خوبصورت بھی تھی! وہ سر سے لے کر پاؤں تک پسینے میں نہا گیا اور اس نے بڑی مشکل سے کہا: "نہیں خاتون، میں ہوشنگ نہیں، میرا نام داؤد ہے۔"

عورت مسکراتے ہوئے بولی:

"آہا! داؤد.... وہ کبڑا۔" پھر اس نے اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا: "میں بھی کہتی تھی کہ آواز کچھ جانی پہچانی ہے۔ میری آنکھوں میں تکلیف ہے، میں تمہیں دیکھ نہیں سکتی، مجھے پہچانتے ہو....؟ میں زبیدہ ہوں زبیدہ....!"

اس کی زلفوں کی ایک لٹ جس نے اس کے آدھے چہرے کو چھپا رکھا تھا، ہوا سے ادھر ادھر ہوئی تو داؤد کو اس کے ہونٹ کے ایک گوشے پر سیاہ تل نظر آیا۔ ابو عطا کے نغمے کی آواز قریب آ گئی تھی۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا! اتنا تیز کہ کبھی وہ سانس کی آمد و رفت میں رکاوٹ بن جاتا۔

مزید کچھ کہے بغیر وہ سر سے پاؤں تک کانپتا ہوا اٹھا۔ شدت گریہ کے باعث اس کی گھگی بندھ گئی تھی۔ اس نے اپنے عصا کو اٹھایا اور بوجھل قدموں کے ساتھ گرتا پڑتا جس راستے سے آیا تھا اسی پر واپس ہو لیا۔ بھرّائی ہوئی آواز میں وہ زیر لب اپنے آپ سے کہہ رہا تھا:

"یہ زبیدہ تھی....؟ میں نے تو دیکھا ہی نہیں! ممکن ہے ہوشنگ اس کا منگیتر ہو! یا پھر شوہر ہوگا.... کون جانے! مگر مجھے کیا!.... مجھے بہرحال اس سے آنکھ بند کر لینی چاہیے! اب معاملہ میری قوت برداشت سے باہر ہو گیا ہے، اس لیے مجھے سب کچھ بھلا دینا چاہیے۔"

اپنے آپ کو گھسیٹتا ہوا داؤد، اسی کتے کے پاس جا پہنچا جسے اس نے جاتے ہوئے راستے میں دیکھا تھا۔ وہ کتے کے قریب بیٹھ گیا اور اس کے سر کو اٹھا کر اپنے باہر کو نکلے ہوئے سینے کے ساتھ بھینچ لیا! مگر.... وہ کتا بھی مر چکا تھا!

❖

زندگی بے شمار رنگوں سے مزین ہے جو کہیں خوبصورت رنگ اوڑھے ہوئے ہے، تو کہیں تلخ حقائق کی اوڑھنی اوڑھے ہوئے ہے۔ کہیں شیریں ہے تو کہیں نمکین، کہیں ہنسی ہے تو کہیں آنسو۔ کہیں دھوپ ہے تو کہیں چھاؤں،، کہیں سمندر کے شفاف پانی کے جیسی ہے تو کہیں کیچڑ میں کھلے پھول کی مانند۔ کہیں قوسِ قزح کے رنگ ہیں۔ کبھی اماوس کی رات جیسی لگتی ہے۔ کبھی خواب لگتی ہے، کبھی سراب لگتی ہے، کبھی خار دار جھاڑیاں تو کبھی شبنم کے قطرے کی مانند لگتی ہے۔ زندگی عذابِ مسلسل بھی ہے۔ توراحت جان بھی ہے، زندگی ہر ہر رنگ میں ہے، ہر طرف ٹھاٹھیں مار رہی ہے، کہانی کے صفحات کی طرح بکھری پڑی ہے.....

کسی مفکر نے کیا خوب کہا ہے کہ "اُستاد تو سخت ہوتے ہیں لیکن زندگی اُستاد سے زیادہ سخت ہوتی ہے، اُستاد سبق دے کے امتحان لیتا ہے اور زندگی امتحان لے کر سبق دیتی ہے۔" انسان زندگی کے نشیب و فراز سے بڑے بڑے سبق سیکھتا ہے۔ زندگی انسان کی تربیت کا عملی میدان ہے۔ اس میں انسان ہر گزرتے لمحے کے ساتھ سیکھتا ہے، کچھ لوگ ٹھوکر کھا کر سیکھتے ہیں اور حادثے ان کے ناصح ہوتے ہیں۔ کوئی دوسرے کی کھائی ہوئی ٹھوکر سے ہی سیکھ لیتا ہے۔ زندگی کے کسی موڑ پر اسے ماضی میں رونما ہونے والے واقعات، بہت عجیب دکھائی دیتے ہیں۔ وہ ان پر دل کھول کے ہنستا ہے یا شرمندہ دکھائی دیتا ہے۔ یوں زندگی انسان کو مختلف انداز میں اپنے رنگ دکھاتی ہے۔

اب تک زندگی اَن گنت کہانیاں تخلیق کر چکی ہیں، ان میں سے کچھ ہم صفحہ قرطاس پر منتقل کر رہے ہیں۔

رزق حلال

پچھلے دنوں ایک ٹی وی پروگرام میں بھیک مانگنے والوں بچوں سے گفتگو پیش کی گئی، پروگرام کے کمپیئر نے ایک بچے سے سوال کیا۔ بیٹا مانگتے ہوئے آپ کو شرمندگی اور ندامت محسوس نہیں ہوتی.....؟

بچے نے بڑے پُر اعتماد لہجے میں جواب دیا۔ ہاتھ پھیلانا کون سا مشکل کام ہے۔ ہاتھوں پر منوں وزن تھوڑی ہوتا ہے۔ بچے کے جواب پر حیرت بھی ہوئی اور میں فکر مند بھی ہوا کہ انسان اس حد تک رسوائیوں اور گندگی میں گھر سکتا ہے۔

میں چند روز سے ان بھکاری کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ ایک باہمت بچے سے ملاقات ہوگئی، اس بچے کا فرضی نام رحیموں رکھ لیتے ہیں۔ رحیموں مانگنے والے گھرانے میں پیدا ہوا اور اسی ماحول میں اس کی تربیت ہوئی۔ رحیموں اپنی آپ بیتی بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میں پچھلے ایک ہفتہ سے بہت خوش ہوں۔ مجھے اپنا آپ اتنا اچھا پہلے کبھی نہ لگا جتنا آج کل لگ رہا ہے۔ اس کی وجہ بھی واضح ہے کہ پہلے کبھی مجھے اپنی اہمیت کا احساس نہ ہو سکا مجھے وہ خوشی کبھی

مگر نہ آئی تھی جو محنت کر کے رزق حلال کمانے میں چھپی ہوتی ہے۔ اگرچہ میرے والدین اور بہن بھائیوں نے ہمیشہ یہی بات میرے ذہن میں ڈالی کہ بھیک مانگنا بھی کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اگر ہمارے خاندان نے اس کام کو بطور پیشہ اپنایا ہوا ہے تو ہم بھی بہت محنت کر کے ہی کسی سے مانگ کر لاتے ہیں۔ ایسے لوگ تو بہت ہی کم ہوتے ہیں جو بغیر لعن طعن کیے ہمارے کشکول میں کچھ ڈال دیں۔ سو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمارا خاندان کوئی کام نہیں کرتا، ہم بھی صبح سے شام تک کام کرتے ہیں تب کہیں جا کر گھر کا چولہا جلتا ہے۔

یہ تمام باتیں میرے ذہن میں پچھلے سات آٹھ سال سے موجود تھیں کیونکہ مجھے بھیک مانگتے ہوئے اتنے ہی سال ہو چکے ہیں۔ یوں سمجھ لیجیے جس عمر میں والدین اپنے بچوں کو اسکول داخل کرواتے ہیں اس عمر میں میرے والدین نے مجھے بھیک مانگنا سکھانا شروع کیا۔ اب میں چودہ سال کا ہو چکا ہوں تو بھیک مانگنے کے بہت سے طریقوں میں ماہر بھی ہو چکا ہوں لیکن پچھلے ایک ہفتہ سے میں نے یہ کام چھوڑ دیا ہے۔ میرے والدین اور دیگر بہن بھائی اس بات کا بہت مذاق اڑاتے ہیں کہ میں نے ہاتھ سے محنت کر کے کمانے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ سب بھی اپنی جگہ ٹھیک ہیں کیونکہ انہیں تو کوئی تجربہ ہی نہیں کہ خود اپنے ہاتھ سے محنت کر کے کمانے میں کتنا سکون اور خوشی ہے۔ تبھی تو یہ سب میرا مذاق اڑاتے اور مجھے پاگل سمجھتے ہیں۔ میں نے آپ کو یہ تو بتایا ہی نہیں کہ مجھ میں یہ تبدیلی کیسے آئی....؟

اصل میں ہوا یوں کہ ایک ہفتہ پہلے میں مانگتے مانگتے ایک نئی آبادی میں جا پہنچا۔ وہاں کے لوگ نہ زیادہ امیر تھے نہ غریب لیکن خوشحال لگتے تھے۔ میری عمر چونکہ بہت زیادہ نہیں ہے اس لیے میں لوگوں کے گھروں پر دستک دینے کی بجائے بغیر پوچھے ہی گھس جایا کرتا اور کچھ نہ کچھ لے کر ہی واپس آتا۔ اس نئی آبادی کے ایک گھر میں بھی میں بغیر اجازت ہی گھس گیا۔ سامنے دیکھا تو ایک بزرگ خاتون سفید دوپٹہ اوڑھے بیٹھی تھیں۔ میں نے جیسے ہی ان سے بھیک مانگی انہوں نے مجھے اشارے سے بلایا اور اپنے پاس بٹھالیا۔ دو چار ضروری سوال انہوں نے مجھ سے کیے کہ میں کہاں سے آیا ہوں....؟ میرے والدین اور دیگر بہن بھائیوں کے بارے میں پوچھا پھر ان خاتون نے مجھ سے بڑا عجیب اور نیا سوال کیا، کیا تمہارا دل نہیں چاہتا کہ تم اور تمہارے والدین بھیک مانگنے کی بجائے کوئی کام کر کے عزت سے روزی حاصل کریں۔ میں نے بے اختیار نفی میں جواب دیا کیونکہ ہم نے بھیک مانگنے کو بھی محنت ہی سمجھا ہوا تھا سو میں نے ان خاتون کو بھی یہی جواب دیا کہ مانگنا آسان تھوڑی ہے اس میں بھی خوب محنت کرنا پڑتی ہے۔ ہم بھی محنت کر کے ہی کمائی کرتے ہیں۔

وہ خاتون بولیں، تم ایسا کام کیوں نہیں کرتے کہ اگلا بندہ تمہیں ملامت کر کے دینے کی بجائے خوشی سے دے۔ کبھی تمہیں یہ طعنہ نہ ملے کہ تم بھکاری ہو۔

پھر انہوں نے کہا میرے گھر کے کمروں کے دروازوں اور کھڑکیوں پر میل سا جم گیا ہے۔ تم اگر

کیلے کپڑے سے صاف کر دو تو میں تمہیں پیسے دوں گی۔ میں حیرانگی سے ان کی طرف دیکھنے لگا ان کی آنکھوں میں مجھے اتنی محبت اور شفقت دکھائی دی کہ مجھ سے انکار نہ ہو سکا اور میں نے ان کے گھر کے دروازے، کھڑکیاں صاف کر دیں حالانکہ وہ اتنے میلے بھی نہ تھے اور کام کرتے وقت میں سوچ رہا تھا کہ بھلا اسے صاف دروازوں کو دوبارہ صاف کروانے کی کیا ضرورت تھی....؟ جب میں نے کام مکمل کر لیا تو انہوں نے مجھے دوپہر کا کھانا دیا اور اس معمولی سے کام کے بدلے پورے 100 روپے دیے۔ میں وہ رقم لے کر حیرانی سے سوچ رہا تھا کہ اتنی کمائی تو سارا دن بازاروں، سڑکوں، گلیوں میں بھیک مانگتے رہنے سے بھی نہیں ہوتی تھی بمشکل پچاس سے پچھتر روپے ہی بن پاتے تھے۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ وہ بولیں:

تمہارے ہاتھ میں بہت صفائی ہے۔ تم بہت نفاست سے کام کرتے ہو اور مجھے تمہارا کام بہت پسند آیا ہے۔ میں جس کی زبان بھیک مانگتے وقت قینچی کی طرح چلتی تھی بالکل خاموش و ساکت ہو کر انہیں دیکھ رہا تھا۔ تب انہوں نے مجھے یہ کہہ کر رخصت کر دیا کہ چاہو تو روزانہ آجایا کرو اور میرا ہاتھ بٹا دیا کرو۔ وہ دن اور آج کا دن میں روزانہ سیدھا ان کے گھر جاتا ہوں جہاں وہ کوئی بھی معمولی سا کام کروا کے مجھے اچھا معاوضہ دے دیتی ہیں اور میرا سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے کہ یہ اُجرت میری اپنی محنت کا صلہ ہے اور مجھے نہایت خوشی سے دی جا رہی ہے۔

اب میرا ارادہ ہے کہ کسی ورکشاپ میں کام سیکھنا شروع کر دوں اور محنت کر کے کماؤں، ان خاتون نے مجھ سے کہا تھا کہ محنت میں عظمت ہے۔ میری خواہش ہے کہ محنت مزدوری کا ایسا درس میرے جیسے تمام پیشہ ور بھکاریوں کو ملے تاکہ ہم اچھے شہری بن سکیں۔

پچھتاوا

ہم سب بہن بھائیوں کو تایا بہت چاہتے تھے۔ گھر میں ہم چھ بہن بھائی تھے، تین بھائی اور تین بہنیں۔ میں ان سب سے بڑا تھا اور دسویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ میں نے جب سے ہوش سنبھالا، اپنے چھوٹے سے گھر میں تایا ابا کو رہتے دیکھا۔ ہمارے گھر میں صرف تین کمرے تھے جس میں سے ایک تایا ابا کے پاس تھا۔ باقی دو کمروں میں ہم سب بہن بھائی رہتے تھے۔ مہمان خانہ نام کی کوئی چیز ہمارے گھر میں نہیں تھی۔

جوں جوں میں بڑا ہوا، میرے دل میں جگہ کی تنگی کا احساس شدت پکڑتا گیا۔ اکثر میرے اسکول کے ساتھی مجھ سے ملنے آتے، تو انہیں بٹھانے کے لیے کوئی معقول جگہ نہ ہوتی۔ میرے خیال میں یہ سب کچھ محض تایا ابا کی وجہ سے تھا۔ میں اکثر سوچتا کہ اگر تایا ابا ہمارے گھر میں نہ رہتے ہوتے تو ہم ان کے کمرے کو بیٹھک میں تبدیل کر لیتے۔ صرف میں ہی نہیں مجھ سے چھوٹی بہن ریحانہ جو آٹھویں جماعت میں تھی، وہ بھی اس قسم کی سوچ رکھتی تھی۔

مگر تایا ابا نے ہمارے لیے اپنے پیار میں کبھی کمی نہ آنے دی۔ ان کی محبت اور توجہ مجھ پر خاص طور سے زیادہ تھی۔ وجہ شاید یہ ہو کہ میں گھر میں سب سے بڑا تھا اور میری صورت تایا ابا سے بہت

زیادہ ملتی تھی۔

میرے ہر امتحان کی تفصیل وہ ضرور پوچھتے اور کبھی کبھی نصیحتیں کیا کرتے۔ لیکن میں اکثر اوقات ان کی باتیں ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دیتا۔

تایا ابا کی عمر ستر سال کے قریب تھی۔ ان کی صحت رفتہ رفتہ گر رہی تھی۔ پہلے تو وہ اپنے سارے کام اپنے ہاتھ سے انجام دینے کے عادی تھے مگر دو تین برسوں سے ان کی گرتی ہوئی صحت نے ان کی طاقت چھین لی تھی۔ اب وہ اپنے چھوٹے چھوٹے کاموں کے لیے ہم بھائی بہنوں کو پکارا کرتے تھے۔ ریحانہ اور سلمٰی ویسے ہی کام چور تھیں۔ میں ہمیشہ پڑھائی کا بہانہ بنانے میں ماہر تھا۔ باقی بہن بھائی ابھی کافی چھوٹے تھے۔

تایا ابا ہماری حرکتوں کو محسوس کرتے تھے، مگر منہ سے کبھی کچھ نہ کہتے۔ انہوں نے ہماری شکایت بھی ابو سے کبھی نہیں کی تھی۔

تایا ابا کا کمرا کنارے والا تھا۔ ہم لوگ جان بوجھ کر ادھر سے نہ گزرتے کہ وہ کہیں کسی کام سے پکار بیٹھیں۔ گھر میں جگہ کی تنگی بہت تھی۔ ہم لوگ اس کا ذکر امی سے کرتے، تو وہ خاموش ہو جاتیں۔ ابو سے کچھ کہنے کی ہمارے اندر ہمت نہ تھی۔ وہ بہت غصے والے تھے۔

کچھ دن گزرے، میں نے میٹرک اچھے نمبروں سے پاس کر لیا۔ تایا ابا بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے میرے لیے ایک خوبصورت سوٹ بھی سلوایا۔ میں جب بھی وہ خوبصورت سوٹ پہنتا، تو خوشی سے میرا انگ انگ ناچنے لگتا۔ اب میں کالج پہنچ گیا تھا لہٰذا خود کو بہت بڑا سمجھنے لگا تھا۔

میری پڑھائی بھی بڑھ گئی تھی۔ مجھے پڑھنے کے لیے مناسب جگہ کی ضرورت تھی جو ظاہر ہے اتنے لوگوں میں ممکن نہ تھی۔ جوں جوں دن گزر رہے تھے، میری الجھن بڑھتی جا رہی تھی۔ میں سائنس کا طالب علم تھا اور مجھے بہت محنت کرنی پڑتی تھی۔

ایک دن میں نے امی سے کہا:

”امی! مجھے علیحدہ کمرے کی ضرورت ہے۔ میں اتنے شور اور ہنگامے میں نہیں پڑھ سکتا۔“

”بیٹا اتنے چھوٹے گھر میں تمہیں الگ کمرا کیوں کر مل سکتا ہے....؟“ امی نے مجبوری ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

”آخر تایا ابا یہاں کیوں رہتے ہیں۔ وہ اپنے گاؤں کیوں نہیں چلے جاتے....؟“ میں نے جھنجھلا کر کہا۔

”بری بات ہے بیٹے! ایسا نہیں کہتے۔ وہ تمہارے تایا ابا ہیں اور تم سے بہت محبت کرتے ہیں۔“

میں خاموش ہو گیا مگر ہماری باتیں شاید تایا ابا نے سن لی تھیں۔ دوسرے دن انہوں نے مجھے محبت سے پاس بلایا اور کہا

”اسلم بیٹے! میں سوچتا ہوں کہ باہر کے برآمدے میں اپنا پلنگ ڈال لوں۔ تم اس کمرے میں آجاؤ۔ تمہیں بہت پڑھنا لکھنا ہوتا ہے۔ اتنے شور میں کیا خاک پڑھو گے۔ خدا کرے تم پڑھ لکھ کر ڈاکٹر بن جاؤ۔ پھر مجھے دوا دارو کی تکلیف نہیں رہے گی۔“

میں نے بخوشی تایا ابا کی تجویز منظور کرلی بلکہ اسی وقت تایا ابا کا پلنگ اور ان کی چھوٹی سی چوکی جس پر بیٹھ کر وہ نماز پڑھتے تھے، برآمدے میں بچھا دی۔ اس کے بعد میں وہ چھوٹی سی میز بھی باہر لے آیا جس پر تایا ابا کی تسبیح اور کلام پاک وغیرہ تھے۔

یوں میں علیحدہ کمرے میں رہنے اور آرام سے مطالعہ کرنے لگا۔ ابو نے پوچھا بھی کہ تایا ابا برآمدے میں کیوں آگئے۔ میں نے تایا ابا کے سامنے بتایا کہ یہ سب کچھ ان ہی کی خواہش پر ہوا ہے۔ میری بات کی تائید میں تایا ابا نے کہا:

"بھائی! کمرے میں میرا دم گھٹتا تھا۔ برآمدے میں کھلی جگہ ہے، اس لیے یہاں آگیا ہوں۔"

تایا ابا کی مہربانیاں جو میری ذات کے لیے خاص تھیں، کم نہ ہوئیں بلکہ اور بڑھ گئیں۔ لیکن میں تایا ابا کی محبت سے دور دور بھاگتا تھا۔ ایک روز میں نے موقع پاکر امی سے پوچھ ہی لیا کہ وہ ہمارے پاس کیوں مقیم ہیں۔

تب امی نے مختصر طور پر بتایا:

"تمہارے تایا ابا کی بیوی ان سے بہت جھگڑا کرتی تھیں۔ وہ لڑ جھگڑ کر علیحدہ ہو گئیں۔ ان کا ایک بیٹا بھی ہے، شاہد۔ تمہاری تائی اماں شاہد کو بھی ساتھ لے گئیں۔ تب سے یہ بے چارے ہمارے ساتھ ہیں۔ شاہد تم سے عمر میں بہت بڑا ہے لیکن پڑھا لکھا نہیں۔ اوباش لڑکوں کی صحبت میں رہ کر بگڑ گیا ہے۔"

امی کے بتانے سے مجھے اصل صورت حال کا علم ہوا۔ پھر بھی تایا ابا کی حالت پر ترس کھانے کے بجائے میں نے دل میں سوچا: "اگر ان کا لڑکا خراب نکل آیا تو یہ ہمارے گھر آکر کیوں بس گئے....؟"

ایک سال اور خاموشی سے گزر گیا۔ میرے چھوٹے بھائی دلاور اور کاشان اب اس قابل ہو گئے تھے کہ گیند بلا وغیرہ کھیل سکیں۔ مگر ان کے لیے گھر میں کوئی جگہ نہ تھی۔ گھر سے باہر بھیجنے کو نہ امی تیار تھیں اور نہ ہی ابو کی اجازت تھی۔ ان کا خیال تھا، باہر نکل کر بچے خراب ہو جاتے ہیں۔

اب پھر وہی جگہ کا مسئلہ تھا۔

میری، ریحانہ اور سلمیٰ کی رائے یہی تھی کہ اگر تایا ابا برآمدے میں نہ ہوتے تو یہ جگہ دلاور اور کاشان کے کھیلنے کے لیے نہایت مناسب تھی۔

"لیکن تایا ابا کہاں جائیں گے....؟" سلمیٰ نے ڈرتے ڈرتے مجھ سے پوچھا۔

باہر کی کوٹھڑی بہت تنگ و تاریک تھی۔ اس میں روشنی کا گزر بھی نہ تھا۔ دروازہ کھلا ہوتا تو ہوا اور روشنی آتی تھی۔ اگر بند کر دو تو دم گھٹنے لگتا۔ رفتہ رفتہ تجویز سب بہن بھائیوں نے کھلے بندوں دہرانی شروع کر دی۔ امی نے منع بھی کیا مگر تایا ابا ایک روز خود ہی اس تاریک کوٹھڑی میں چلے گئے۔

تایا ابا کا زیادہ تر وقت عبادت کرنے میں گزرتا تھا۔ پانچوں وقت نماز کے بعد ہم سب کے لیے دعائیں مانگا کرتے تھے۔ یہ بات انہوں نے مجھ سے کبھی نہ کہی تھی بلکہ میں نے اپنے کانوں سے انہیں دعائیں مانگتے سنا تھا۔ دراصل تایا ابا کچھ اونچا سنتے تھے، اس وجہ سے انہیں اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ ان کی آواز بلند ہو گئی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ اس قدر گڑگڑا کر میرے لیے دعا کرتے کہ میں شرمندہ ہو جاتا۔

جب تایا ابا کوٹھڑی میں چلے گئے، تو سب بچے خوش رہنے لگے کیونکہ اب وہ برآمدے میں کھیل کود سکتے تھے۔ ابا جان کو جب یہ بات معلوم ہوئی، تو وہ بہت ناراض ہوئے۔ انہوں نے تایا ابا سے اس سلسلے میں بات کی، مگر تایا ابا نے ابو کو یہ کہہ کر خاموش کر دیا:

"بھیا! میرا سامان ہی کتنا ہے۔ میں اس کوٹھڑی میں بہت خوش ہوں۔"

غرض یہ کہ ہم سب گھر والے اپنی اپنی سرگرمیوں میں مگن ہو گئے۔ تایا ابا ہم سب بھائی بہنوں کو چیزیں دیتے رہتے تھے۔ ہم نے بچپن سے ان کی میز کی دراز میں ایک سیاہ ڈبا دیکھا تھا، جس میں تالا لگا رہتا تھا۔ کئی مرتبہ دل میں کھوج ہوئی کہ کھول کر دیکھیں، اس ڈبے میں ہے کیا....؟ مگر موقع نہ مل سکا۔ چابی وہ ہمیشہ اپنے ازار بند سے باندھ کر رکھتے تھے۔

جن دنوں تایا ابا کی طبیعت کچھ زیادہ خراب رہنے لگی، میں نے دیکھا کہ اکثر وہ اپنا سیاہ ڈبا کھولتے اور بند کرتے۔ کبھی اپنی موٹے شیشوں والی عینک لگا کر کچھ لکھتے۔

پھر اچانک ایک دن تایا ابا کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی۔ ابو نے تایا ابا کا کافی علاج کروایا۔ امی نے ان کے پرہیز کا پورا پورا خیال رکھا۔ ہم سب بہن بھائیوں نے بھی اپنی ہمت بھر ان کی خدمت کی مگر تایا ابا اب عمر پوری کر چکے تھے، ایک رات وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔

تایا ابا کے انتقال کی خبر گاؤں پہنچ گئی تھی۔ ان کے سوئم کے دن ان کا بیٹا شاہد آن پہنچا۔ اس پر تایا ابا کی موت کا کوئی اثر نہ تھا۔ البتہ اس نے آتے ہی اعلان کر دیا کہ یہ مکان فوری طور پر خالی کر دیا جائے، اب یہ اس کی ملکیت ہے۔ ہم سب بہن بھائیوں کے منہ حیرت سے کھلے کے کھلے رہ گئے۔ امی بھی حیران تھیں۔

اس موقع پر ابو نے بتایا کہ یہ مکان تایا ابو کا تھا۔ اس میں کسی کا حصہ نہیں تھا۔ اس وجہ سے اب شاہد ہی اس کا حق دار ہے۔

یہ بات ہم سب کے لیے بہت ہی تکلیف دہ تھی۔ مجھے رہ رہ کر تایا ابا کے ساتھ اپنے برے برتاؤ پر پچھتاوا ہو رہا تھا۔ میں پشیمانی سے سوچتا رہا پھر منہ ہی منہ میں بڑبڑایا:

"یہ مکان آپ کا اور صرف آپ کا تھا۔ پھر بھی آپ نے منہ سے کچھ نہ کہا، کچھ ظاہر نہ کیا۔ چپ چاپ کمرا خالی کر کے اس تاریک کوٹھڑی میں جا پڑے اور وہیں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔"

شاہد دھمکی دے کر جلد ہی واپس چلا گیا۔ ابو بہت پریشان تھے۔ ہم سب بھی فکر مند تھے۔ ابو کی تنخواہ کم تھی۔ اس مہنگائی میں کوئی مکان کرائے پر لینا آسان نہ تھا۔ بڑی مشکل سے ابو نے ایک مکان ڈھونڈا.... چھوٹے چھوٹے دو کمروں والا تنگ و تاریک مکان۔

ادھر ہم آٹھ افراد تھے۔ سب سوچنے لگے کہ اس گھر میں کس طرح گزارا ہو گا، مگر مجبوری تھی۔ رہ رہ کر یہ گھر اور اس کا آرام دل میں کھٹک پیدا کر رہا تھا۔

جب امی اسباب باندھنے لگیں تو ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ تایا ابا کی کوٹھڑی اب بند پڑی تھی۔ سامان اٹھانے کا وقت آیا تو ابو نے تایا ابا کا سامان بھی نکالا۔ خیال تھا کہ کسی غریب آدمی کو دے دیا جائے۔

تب ہی اچانک مجھے اس سیاہ ڈبے کا خیال آیا۔ ڈبا جوں کا توں موجود تھا، مگر چابی کہیں کھو گئی تھی۔ ابو سے پوچھ کر میں نے اس ڈبے کا تالا توڑا۔ اس ڈبے میں آب زمزم کی ایک شیشی کے علاوہ مکان کے کاغذات تھے اور ساتھ ہی وصیت نامہ بھی۔ اس میں کچھ اور باتوں کے علاوہ یہ بھی لکھا تھا:

"شاہد کی غیر ذمہ دارانہ حرکتوں کی وجہ سے میں اسے اپنی جائداد سے محروم کرتا ہوں اور اپنا یہ مکان اسلم کے نام لکھ رہا ہوں۔"

"تایا ابا آپ عظمت کا منار تھے۔"

میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ہم چھلکتی آنکھوں کے ساتھ سامان دوبارہ کھولنے لگے۔

سہارا

جب سے میں نے ہوش سنبھالا اماں کی مانوس آواز سنی۔

بیٹا جا بھائی کو ذرا پانی پلا دے، جا بیٹا ذرا بھائی کو گرم گرم روٹی پکا کر دے دے، جا بیٹا بھائی کے کپڑے استری کر دے، بھائی کے سر میں تیل ڈال دے۔

میں خاموشی سے اماں کے تمام احکامات سنتی اور پورے کرتی رہی۔ اسکول سے واپسی کے بعد سے رات کو سونے تک گھر کے چھوٹے موٹے کاموں میں اماں کا ہاتھ بٹانا ابا اور بھائی کے کام کرنا میرے فرائض میں شامل تھا۔ پھر جب آہستہ آہستہ میرا شعور بیدار ہونے لگا تو میں نے اپنے ماحول کا جائزہ لیا۔ غور کیا تو مجھے احساس ہوا کہ میں تو بھائی کے تمام کام بڑی خوشی سے کر دیتی ہوں لیکن جب بھی مجھے کوئی کام ہوتا تو بھائی یا تو ٹال جاتا یا انکار کر دیتا۔

ایک دن میں نے اماں سے بھائی کی شکایت کی کہ اماں مجھے کاپی چاہیے، لیکن بھائی لا کر نہیں دے رہا۔ بھائی سے کہہ دیں مجھے کاپی لا دے۔

اماں نے حیرت سے مجھے دیکھا اور کہا۔ لڑکی! تیرا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔ ابھی تو وہ پڑھ کر بھری دوپہر گھر میں داخل ہوا ہے اور میں اسے پھر واپس دھوپ میں بھیج دوں، جا اسے کھانا دے، شام کو لے آئے گا۔

شام کو اماں خود ہی چادر اوڑھ کر بازار گئیں اور گھر کی چھوٹی موٹی اشیاء کے ساتھ میری کاپی بھی خرید لائیں۔ جب بھی بھائی سے کوئی چیز باہر سے لانے کو کہتی، اماں یہی کرتیں۔ میں اماں سے جھگڑتی کہ وہ خود کیوں گئیں۔ بھائی سے کیوں نہیں کہا، تب اماں انکساری سے کہتیں، بیٹا وہ پڑھ رہا تھا۔ میں غصے سے کہتی۔ پھر کیا ہوا، ذرا سا تو کام تھا۔ چل جا تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ اماں غصے سے جواب دیتیں۔ اسے ساری عمر کمانا ہے، آخر پڑھ لکھ کر کچھ بنے گا تب ہی کمائے گا اور ہمارے بڑھاپے کا سہارا بنے گا، جا جا کر اسے دودھ دے آ۔ آج کل ویسے بھی اتنی گرمی ہے، سارا سارا دن دھوپ میں سر کھپاتا ہے، دیکھ نہیں رہی وہ کتنا کمزور ہو گیا ہے۔ اماں کے منہ سے ایسی باتیں سن کر میں دل مسوس کر رہ جاتی۔

زندگی کی اسی ڈگر کے دوران میں نے میٹرک کرلیا اور بھائی کالج جانے لگا۔ اب اماں ابا کو میری شادی کی فکر ستانے لگی۔ بالآخر انہوں نے میرا رشتہ طے کردیا۔ میری شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ روزانہ اماں کہتیں، فلاں فلاں چیزیں پکانا سیکھ لو، کبھی سلائی کڑھائی کرنے کو کہتیں، الغرض اماں نے مختصر عرصے میں مجھے تمام کاموں میں طاق کردیا۔ دن بھر گھر کے کام کرتی اور رات کو جہیز کے کپڑوں، چادروں وغیرہ کی سلائی کڑھائی کرتی رہتی۔ شادی تک میرا یہی معمول رہا۔ شادی کی تاریخ بھیا کے امتحانوں کے بعد کی رکھی گئی۔ شادی کے دعوت ناموں سے لے کر دعوت تک کے اہتمام ابا نے بغیر کسی کی مدد کے کیے، جبکہ بھائی بے چارے امتحانات کی تیاری کے باعث گھر کی کسی سرگرمی میں حصہ نہیں لے سکے اور پھر میں ایک دن بیاہ کر پیا دیس چلی گئی۔

اب میں تین بچوں کی ماں ہوں۔

ایک دن میں نے اپنی بیٹی سے کہا: ارے بیٹا....! ذرا بھائی کے کپڑے تو استری کردو، آنے ہی والا ہوگا، میری بات سن کر بیٹی میرے سامنے آکر بیٹھ گئی اور بولی، اماں یہ بھائی کے کام کرنے سے مجھے کون سا فائدہ ہوتا ہے۔ وہ میرا تو کوئی کام نہیں کرتے۔ میں نے کل ہی بھائی سے کہا تھا کہ میری جوتی ٹوٹ گئی ہے ذرا موچی سے سلائی کروادو، انہوں نے فوراً انکار کردیا۔ میں بھی ان کا کوئی کام نہیں کروں گی۔ میری بیٹی نے غصے میں کہا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

بیٹا ایسے نہیں کہتے، وہ تمہارا بڑا بھائی ہے، ہمارے بڑھاپے کا سہارا ہے۔ پڑھ لکھ کر وہ ہمارے لیے ہی کمائے گا نا۔ میں اپنی بیٹی کو سمجھانے لگی، لیکن اچانک مجھے اپنے الفاظ کھوکھلے لگے اور میں ماضی میں چلی گئی۔ میرے بھائی نے میرے لیے کیا کیا تھا۔ میں نے بچپن سے لے کر شادی تک اس کی خدمت کی تھی اور بیاہ کر اپنے گھر آگئی۔ اس وقت تک تو میرا بھائی پڑھ ہی رہا تھا اور وہ تو مجھ سے ملنے بھی نہیں آتا تھا۔ میری شادی کے بعد وہ اعلیٰ تعلیم کے لیے ملک سے باہر چلا گیا تھا اور بے چارے اماں ابا اس کا انتظار کرتے کرتے دنیا سے چلے گئے۔ وہ آیا بھی تو ان کے جنازوں پر۔ اس نے بیرون ملک شادی کرلی تھی۔ اس کے بیوی بچے پاکستان آنا نہیں چاہتے تھے اور بھائی انہیں چھوڑ کر نہیں آسکتا تھا۔

❄

میرے دوست ادیب اور دانشور آج کل مجھ سے سخت ناراض ہیں۔ کہتے ہیں کہ مفتی نے باباؤں کا چکر چلا رکھا ہے۔ خواہ مخواہ اناپ شناپ لکھ کر لوگوں کے ذہن خراب کر رہا ہے۔ خلق خدا کو گمراہ کر رہا ہے۔ بعد معذرت میں یہ عرض کرتا ہوں کہ آپ جو الزام چاہیں مجھ پر دھریں۔ لیکن باباؤں کا چکر چلانے کا الزام نہیں دھر سکتے۔ چونکہ یہ چکر تو بہت قدیم ہے۔ بابے تو آپ کا میراث اہمار اورثہ ہیں۔

مثلاً لاہور کا بابا لیجیے جسے ہم داتا کہتے ہیں۔ تقریباً نو صدیاں گزر چکی ہیں اس کے دربار کی رونق جوں کی توں قائم ہے بلکہ روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ دن رات کا کوئی وقت ایسا نہیں ہوتا جب دربار میں سلام کرنے والوں کا ہجوم نہ ہو۔ صرف عوام ہی نہیں بڑے بڑے دانشور فلسفی سلام کرنے کے لیے حاضری دیتے ہیں۔

یہ بابا باہر سے آئے تھے، آئے نہیں بھیجا گیا تھا۔ ہندوستان میں آنے والے بیشتر بابے سنٹرل ایشیا سے آئے تھے بلکہ بھیجے گئے تھے۔

داتا صاحبؒ اپنی لاہور کی آمد کے بارے میں کہتے ہیں۔ لاہور میں اپنی مرضی کے خلاف آیا تھا۔ یوں لایا گیا تھا جیسے قیدی لائے جاتے ہیں۔ سیدھی بات ہے جو بھیجا جائے وہ کسی مقصد کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ تفریحاً نہیں۔ اسے کوئی کام کرنا ہوتا ہے۔ اگر میں کہوں کہ داتا صاحبؒ کو اس لیے ہندوستان بھیجا گیا کہ وہ یہاں پاکستان کی بنیاد کی پہلی اینٹ لگا دے تو غالباً آپ کو ناگوار گزرے گا۔

آپ کہیں گے یہ غلط ہے۔ دراصل بابے ہندوستان میں اسلام پھیلانے کے لیے آئے تھے۔ آپ بجا فرماتے ہیں لیکن اگر آپ دونوں باتوں پر غور فرمائیں تو آپ جانیں گے کہ ان دو باتوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اگر آپ مان لیں کہ ہندوستان میں آنے والے بابے کس مقصد کے تحت بھیجے گئے ہیں تو دو باتیں واضح ہو کر سامنے آ جائیں گی۔

1۔ کہ بابا افراد نہیں بلکہ اک سلسلہ ہیں جو جاری رہتا ہے۔

2۔ کہ بابوں کی ڈیوٹیاں متعین ہوتی ہیں۔

ممتاز مفتی

میری اس بات پر کہ بابے پاکستان کی تعمیر کے لیے ہندوستان آئے تھے امکان غالب ہے کہ آپ کو غصہ آئے اور آپ پوچھیں کیا اس پاکستان کے لیے اتنی تگ و دو ہوئی جس میں آج شریف آدمی کا جینا مشکل ہو رہا ہے۔ بکرے میں میں کر رہے ہیں۔ دولت اور اقتدار کی طمع میں بھیڑ بھوں بھوں کر رہے ہیں۔

ہاں صاحبو اسی پاکستان کے لیے اتنی تگ و دو ہوئی لیکن شاید آپ سمجھ رہے ہیں کہ پاکستان کی تعمیر کی تکمیل ہو چکی ہے۔ نہیں ایسا نہیں ابھی تو صرف چار دیواری بنی ہے۔ عمارت کی چنائی ہوئی ہے۔ ابھی تو کچھ اصناف کرنے والے آئیں گے اور پھر وہ مستری بابا آئے گا جو رنگ و روغن کرے گا۔

میرے دانشور دوست کہتے ہیں داتا صاحبؒ تو مستند بابا ہیں۔ ان کی بات نہ کرو۔ انہیں ہم جانتے ہیں مانتے ہیں۔ تم جو نئے بابا گھڑ رہے ہو اور انہیں ہم پر مسلط کر رہے ہو۔ یہ سراسر زیادتی ہے۔

میں نے عرض کیا نا کہ یہ بابے جو ہیں، افراد نہیں ہیں، تو ایک سلسلہ ہیں جو ہر زمانے میں جاری و ساری رہتا ہے۔ یہ سلسلہ ایک دریا کی طرح ہے جو رکتا نہیں۔ یہ بابے اللہ کے چاکر ہیں۔ اس کا حکم بجا لانے پر مامور ہیں۔ کوئی فیلڈ افسر ہے کوئی سیکرٹریٹ سے متعلق ہے۔ کسی کو حکم ہے کہ خود کو ظاہر کر دے کسی کو حکم ہے کہ گپت رہے۔ پردے میں رہ کر کام کرے۔

یہ بھید میں نہیں کھول رہا۔ میری تو کوئی حیثیت نہیں جو ایسی باتیں زبان پر لاؤں۔ میں تو ایک ادھ پڑھ آدمی ہوں نہ بنیادی علوم سے واقف ہوں نہ دینی علوم سے۔

یہ بھید تو لاہور کے بابا داتا صاحبؒ نے کھولے ہیں۔ داتا صاحبؒ ایک جانا پہچانا مانا عالم تھا۔ انہوں نے اپنی تصنیف کشف المحجوب میں کئی ایک پردے کھولے ہیں اور اولیاء کے باب میں بر تکمیل تذکرہ بابوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ ان کے انداز بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ دنیاوی نظام کے متوازی ایک روحانی نظام بھی چل رہا ہے۔ یہ روحانی نظام دنیاوی نظام جیسا ہے اس میں سیکشن افسر ہیں، سیکریٹری ہیں، ڈپٹی کمشنر ہیں، گورنر ہیں اور یہ سارے عہدے باباؤں کے سنبھالے ہوئے ہیں۔ داتا صاحبؒ نے اس بات کی وضاحت نہیں کہ روحانی نظام کا مقصد کیا ہے۔ طریق کار کیا ہے۔ یہ بابے دنیاوی امور میں مداخلت کر سکتے ہیں یا نہیں ....؟ کر سکتے ہیں تو کس حد تک....؟ صاحبو! سارا بھید صرف اللہ جانتا ہے وہ جس پر چاہے بھید کھول دیتا ہے۔ جتنا بھید چاہے اتنا کھولتا ہے۔ یہ بابے سارا بھید نہیں جانتے کوئی پانچ فیصد جانتا ہے کوئی بیس فیصد۔

بہر حال داتا صاحبؒ نے اپنی کتاب میں پوری بات نہیں بتائی۔ صرف باباؤں کے عہدوں کی تعداد لکھ دی ہے۔ جو ہمیشہ ہر زمانے میں قائم رہی ہے۔ ادلتی بدلتی نہیں۔

اولیاء کے باب میں داتا صاحبؒ لکھتے ہیں۔

1- ان میں 400 ایسے ہوتے ہیں جو پردے میں رہتے ہیں۔ ایک دوسرے کو نہیں جانتے۔ اپنے مقام کا خود شعور نہیں رکھتے اور بہر طور خود سے اور لوگوں سے مخفی رہتے ہیں۔

2- ایسے بھی ہیں جنہیں بست و کشاد کی طاقتیں حاصل ہیں وہ اللہ کے دربار کے افسر ہیں، وہ تعداد میں 300 ہوتے ہیں جنہیں "اختیار" کہا جاتا ہے۔

3- چالیس کو ابدال کہتے ہیں۔

4- سات ایسے ہیں جنہیں ابرار کہتے ہیں۔

5- چار کو اوتار کہتے ہیں۔

6۔ تین جنہیں نقابہ کہتے ہیں۔

7۔اور ایک جسے قطب یا غوث کہتے ہیں۔

میں ایک بات کی وضاحت کر دوں کہ اوپر اور ذیل میں دیے ہوئے الفاظ میرے ہیں، داتا صاحبؒ کے نہیں، داتا صاحبؒ کی یہ تصنیف فارسی زبان میں تھی۔فارسی سے میں نابلد ہوں۔ فارسی سے جو اردو ترجمہ کیا گیا اس کی عبارت اتنی مقفٰی تھی کہ میں سمجھ نہ سکا، مجبوراً مجھے پروفیسر رینالڈ نکلڈن کا انگریزی ترجمہ پڑھنا پڑا۔

ان بابوں کے بارے میں داتا صاحبؒ لکھتے ہیں۔

اللہ نے اولیاء کو کائنات کا گورنر بنایا ہے۔

انہوں نے اپنی تمام تر زندگی اللہ کے لیے وقف کر رکھی ہے۔

اپنی خواہشات کو نفی کر رکھا ہے۔

ان کی برکتوں کی وجہ سے آسمان سے مینہ برستا ہے۔ان کی زندگی کی پاکیزگی کی وجہ سے زمین سے بوٹے اُگتے ہیں۔

بابوں کے متعلق ان معلومات کے بارے میں داتا صاحبؒ لکھتے ہیں روایت ایسے ہی آ رہی ہے۔

اولیاء کے بیانات سے یہی حقائق اخذ ہوتے ہیں۔

سب تعریف اللہ کی ہے، اس معاملے میں مجھے بھی چند روحانی مشاہدات ہوئے ہیں۔

صاحبو یہ کوئی نئی بات نہیں یہ تو پرانا جھگڑا ہے جو اللہ اور ان دانشوروں کے درمیان چلا آتا ہے۔

دانشور کہتے ہیں کہ اے اللہ اس دنیا کے نظام کو ایسے چلا جیسا کہ ہم چاہتے ہیں۔یا کم از کم ایسے کہ جو ہماری سمجھ میں آ جائے۔

اللہ میاں کہتے ہیں ہم قادر مطلق ہیں، جو چاہیں گے کریں گے، تم ہمیں پابند نہیں کر سکتے، اس پر دانشور کہتے ہیں کہ ہم بھی تجھے قادر مطلق نہیں مانیں گے۔ تیری جو بات ہمارے دل کو لگے گی وہ مانیں گے جو دل کو نہیں لگے گی وہ نہیں مانیں گے۔

نتیجہ یہ ہے کہ دانشور اللہ کی باتوں پر نکتہ چینی کرتے رہتے ہیں یہ کیسے ہوا، وہ کیوں ہوا، نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ قانون کے خلاف ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے دانشور اللہ کو اپنی عقل کے تابع کرنے کے شوقین ہیں۔ وہ جج بن کر بیٹھ جاتے ہیں اور اللہ کے کاموں پر فیصلے سناتے رہتے ہیں۔ فلاں کام اللہ نے ٹھیک نہیں کیا۔ یا اللہ یہ تو نے کیا کیا....

صرف داتا صاحبؒ نے ہی نہیں ان کے علاوہ اور بہت سے بزرگوں اور عالموں نے باباؤں کی عظمت کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً مولانا روم ہیں، شیخ فرید الدین عطار ہیں، امیر خسرو ہیں، علامہ اقبال ہیں۔

❖

درست رہنمائی روشن مستقبل کی کنجی

محمد زید بیگ

اگر آج کسی بھی طالب علم سے پوچھا جائے کہ وہ تعلیم کیوں حاصل کر رہا ہے....؟ تو جواب ہو گا بہتر مستقبل اور شاندار کیریئر کے لیے....

اگلا سوال اگر یہ ہو کہ وہ کس شعبے میں اپنا کیریئر بنانا چاہتا ہے تو شاید ہر طالب علم صحیح طور پر اس کا جواب نہ دے پائے، ہمارے ہاں اکثر تعلیمی اداروں میں تعلیم تو دی جاتی ہے، لیکن (سرکاری یا نجی طور پر) ایسا کوئی انتظام و اہتمام نہیں ہے کہ نوجوانوں کو کیریئر کے انتخاب کے سلسلے میں صحیح اور بروقت رہنمائی فراہم کی جاسکے۔ اس کمی کے باعث نوجوانوں کی کثیر تعداد فارغ التحصیل ہونے کے بعد ڈگریاں ہاتھ میں لیے ملازمت اور کیریئر کی تلاش میں گھومتی رہتی ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ سرکاری اور نجی طور پر بھی ایسے سینٹرز اور ادارے قائم کیے جائیں جہاں سے خواہش مند نوجوانوں کو کیریئر بلڈنگ کے سلسلے میں مکمل اور مسلسل رہنمائی مل سکے۔ بیرونی ممالک میں تو اس مقصد کے لیے باقاعدہ کیریئر گائیڈنس کلینکس قائم ہیں۔ کیریئر ڈاکٹر ملاقاتی حضرات، ضرورت مند طلباء اور والدین کی بھرپور رہنمائی کرتے ہیں۔ امیدواروں کا ذہنی رجحان اور صلاحیتوں کو جانچنے کے لیے مختلف ٹیسٹ بھی کیے جاتے ہیں۔ ان ٹیسٹوں کی بنیاد پر ان کی کیریئر پلاننگ کی جاتی ہے۔ کیریئر گائیڈنس کے فقدان کے باعث ہمارے یہاں بعض شعبوں میں افرادی قوت اور کھپت میں عدم توازن پیدا ہو رہا ہے۔ بے روزگاری اور غیر محفوظ مستقبل کا احساس نوجوانوں میں مایوسی کو جنم دے رہا ہے۔ صحیح وقت پر صحیح کیریئر پلاننگ اور کیریئر کونسلنگ نہ ہونے کے باعث کیفیت یہ ہے کہ جس شعبے میں پہلے ہی بے روزگار ہیں اسی شعبے میں مزید نوجوان ڈگریاں لے کر آرہے ہیں جبکہ بعض شعبوں میں امیدوار کم اور اسامیاں زیادہ ہیں۔ اگر

بقیہ: صفحہ 124 پر ملاحظہ کیجیے

SUCCESS

بچے پھول ہیں۔۔۔۔

ان کی تربیت مار پیٹ کر نہ کریں

بے جا ضد کی صورت میں بچے کے ساتھ کوئی دلچسپ کھیل کھیلیں یا کوئی اچھی سی تعمیری کارٹون فلم بھی لگا کر دی جاسکتی ہے۔

شاہین انجم

اکثر ماؤں کا یہی شکوہ ہوتا ہے کہ بچے بہت بدتمیز ہوتے جارہے ہیں۔

بچوں کی طرف سے بار بار غلطیاں ہوتی ہیں۔ غلطیوں کے امکانات کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں دانشمندانہ طرزِ عمل اور صبر کے ذریعے غلطی کی تصحیح کی کوشش کی جاسکتی ہے۔ ہر وقت کا ڈانٹنا، چیخنا، چلانا بچوں کی شخصیت کو بری طرح متاثر کرتا ہے۔ بچے کی کس بات پر آپ کے تین طرح کے رد عمل ہوسکتے ہیں۔

1- منفی رد عمل۔

2- مثبت رد عمل۔

کوئی بھی رد عمل ظاہر نہ کرنا، نظر انداز کرنا۔

اس بات کو آپ ایک مثال سے سمجھیں۔

آپ کے بچے سے شیشے کا گلاس گر کر ٹوٹ گیا ہے۔ غلطی سرزد ہونے کی وجہ سے آپ خود دیکھیں گی کہ بچے کا رنگ فق ہوگیا ہے اور وہ گھبراہٹ میں مبتلا ہے۔ اس وقت آپ فوراً چلائیں، آ یہ کیا کر دیا، توڑ دیا ناں۔ کیا ضرورت تھی چھونے کی، بہت بدتمیز ہو تم، ساتھ ہی ایک ہاتھ بھی جڑ دیا آپ نے، اس سے آپ کے بچے کے ذہن میں کیا کیا منفی اثرات پڑسکتے ہیں، شاید آپ کو ان کا درست اندازہ نہیں۔ یہ منفی رد عمل ہوگا۔ اس رد عمل کے بجائے سہمے ہوئے بچے کو سینے سے لگا کر پہلے کمرے میں لے جائیں، دیکھیں کہ کہیں اس کو کانچ تو نہیں لگا، اپنی گفتگو سے بچے کو باور کرائیں کہ وہ زیادہ اہم ہے، بہ نسبت اس گلاس کے۔ پھر اسے آہستگی سے سمجھائیں کہ بیٹا، آپ کو آئندہ پانی چاہیے

ہو تو مجھ سے مانگ لیجیے گا یا گلاس کو ہمیشہ دونوں ہاتھوں سے پکڑنا چاہیے۔ آپ کو کانچ چبھ بھی سکتا ہے۔ اس لیے احتیاط کیا کیجیے۔ یہ بات بچے کے ذہن میں بہت سے مثبت اثرات چھوڑے گی۔

نظر انداز کرنا تو اس لیے بالکل ہی مناسب نہیں کہ آپ اپنے کام میں ہی مگن رہیں اور بالکل معمولی بات کا تاثر دیں۔

یاد رکھیں....! مارنے پیٹنے سے کبھی اس کی تربیت یا اصلاح نہیں ہوتی۔ ایک خیال یہ ہے کہ اگر بچوں کو بالکل ہی نہ مارا جائے تو وہ کہیں شتر بے مہار نہ ہو جائیں، اس سے بچنے کے لیے کیا کیا جائے....؟

ماہرین یہ کہتے ہیں کہ اپنے بچوں کے سامنے کبھی کبھی مصنوعی غصہ ضرور کریں۔ اس کے کسی کھلونے یا فرضی کردار کو خوب ڈانٹیں۔ بچہ اس سے ہی سہم جائے گا اور وہ کبھی یہ بھی پسند نہیں کرے گا کہ آپ اسے بھی اسی طرح ڈانٹیں۔

اس بات کا خاص خیال رکھیے کہ آپ محض ڈرامہ کر رہی ہیں، اندرونی طور پر غصہ ہرگز نہ آنے پائے۔ عام طور پر بچوں سے جو بھی غلطیاں سرزد ہوتی ہیں، اس میں 90 فیصد قصور بڑوں ہوتا ہے کیونکہ بڑوں کی طرف سے بچوں کو رہنمائی فراہم نہیں کی گئی ہوتی۔ غصہ کرنے سے پہلے اس پہلو پر سوچنا آپ کے ہاتھوں کو اٹھنے سے روک دے گا اور آپ کی توجہ ان امکانات کو کم کرنے کی طرف لگ جائے گی جو دوبارہ اسی غلطی کا باعث بن سکتے ہوں گے۔

ہاتھ اٹھانا آخری حد ہوتی ہے۔ اصلاح و تربیت کے حوالے سے ڈانٹ کی زیادہ اہمیت ہوتی ہے۔ الفاظ کے اثرات زیادہ ہوتے ہیں بہ نسبت مار کے۔ لفظوں کی گونج تاعمر ذہن میں نقش ہو جاتی ہے۔

بچے کے لیے آنکھ اور چہرے کے اشارے ہی بہت ہونے چاہئیں ہیں۔ اگر آپ ایک بھرپور محبت کرنے والی فرد ہیں تو بچے کے لیے آپ کا ناراض ہونا بہت ہی اہم ہے۔ چہرے کے تاثرات اور محبت کی زبان، بچوں کو ان کی اہمیت کا احساس ہو جائے تو کیا ہی اچھا ہے۔ مارنے کا عمل خود والدین کے لیے بھی بے حد تکلیف دہ ہے۔ بچے پر سخت نظر رکھنا، ایک الگ بات ہے۔

اگر آپ یہ سمجھتی ہیں کہ مار کے بغیر بچے بگڑ جاتے ہیں تو آپ کو وجہ بتاتے چلیں کہ زیادہ مار اور بے جا سختی آپ سے باغی کر دے گی۔ گھر تو پیار محبت اور امن و آشتی کی جگہ ہے۔ اس لیے ان چیزوں کو مزاج کا حصہ بنا دیں۔ بچوں سے دوستی آپ کے جتنے کام بنائے گی، اتنے کام آپ کا غصہ نہیں بنا سکتا۔

بچے کو اگر مارنا پڑ ہی جائے تو دو باتوں کو ذہن میں رکھیں۔ منہ پر ہرگز نہ ماریں اور مارنے کے لیے کوئی سخت چیز استعمال نہ کریں۔ کبھی کبھار بچوں کی بے جا ضد مارنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

بے جا ضد کی صورت میں بچے کی توجہ کسی دوسری طرف لگائیں۔ اس کے ساتھ کوئی دلچسپ کھیل کھیلیں یا الماری سے کوئی غبارہ یا بسکٹ نکال کر دے دیں۔

کوئی اچھی سی تعمیری کارٹون فلم بھی لگا کر دی جاسکتی ہے یا پھر کوئی مزیدار سی کہانی سنا دیں، اس طرح اس کا دھیان بٹ جائے گا اور وہ اپنی ضد بھول جائے گا۔

❄

صحت مند زندگی

آج دنیا بھر میں ہزاروں متبادل طریقہ ہائے علاج موجود ہیں۔ ان میں رنگ، روشنی، موسیقی، سانس، مقناطیس، پتھر و جواہرات، پانی، خوشبو اور جڑی بوٹیوں سے علاج وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ یوگا، ریکی، مراقبہ، ایکو پنکچر، ایکوپریشر، ریفلیکسولوجی، ہپنوتھراپی، شیاتسو، الیگزینڈر تکنیک، آیورویدا، فینگ شوئی، تائی چی، آئریڈیولوجی، کائنیسولوجی، مساج، کی کونگ وغیرہ بھی متبادل طریقہ علاج میں شامل ہیں۔

فینگ شوئی

Feng Shui 風水

فینگ شوئی ایک قدیم سائنس ہے۔ اس کا تعلق چین سے ہے۔ فینگ شوئی کے ذریعے گھر کی تزئین و آرائش میں معمولی تبدیلی سے فطرت کے اصول آپ کے گھر میں روبہ عمل ہو سکتے ہیں۔ اس سے ذہنی یکسوئی کے ساتھ ساتھ آمدنی میں بھی نمایاں اضافہ ہو سکتا ہے۔

روحانی ڈائجسٹ کے قارئین کے لیے ان صفحات پر چین کے معروف متبادل طریقہ علاج فینگ شوئی پر تحریر۔

فینگ شوئی اور آپ کا دفتر

شاہینہ جمیل

پچھلے باب میں ہم نے بات کی تھی کہ فینگ شوئی ایک اچھی نوکری کے حصول میں کس طرح مددگار ثابت ہو سکتی ہے، کیریئر کی راہ میں حائل رکاوٹوں پر کس طرح قابو پایا جاسکتا ہے۔ اب بات کرتے ہیں ایک دوسرے مسئلے کی جو بعد میں حاصل کرنے سے زیادہ اہم بن جاتا ہے۔ وہ یہ کہ آپ اپنی حالیہ نوکری میں ترقی اور مالی پوزیشن بہتر بنانے کے مواقع کس طرح سے حاصل کرسکتے ہیں۔ دفتر میں توانائی کے بہاؤ کو اپنے لئے کس طرح مثبت اور سازگار بنا سکتے ہیں۔ اس پر بات شروع کرنے سے پہلے ہم یہ بھی کہنا چاہیں گے کہ ذریعہ معاش میں محنت، توجہ، مستقل مزاجی اور دوڑ دھوپ کی سب سے زیادہ اہمیت ہے اور اس کا کوئی دوسرا نعم البدل نہیں ہے۔ ہم فینگ شوئی کے ذریعے معاشی کامیابی کے لیے جو بھی ٹپس دیں گے ان کی اہمیت اپنی جگہ لیکن محنت، توجہ اور مستقل مزاجی کے سامنے اس کی حیثیت ثانوی ہے۔ اس بات کو اس طرح سمجھیے کہ اللہ تعالیٰ نے رزق کا ذمہ خود لیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ اس رزق کے حصول کے راستے ہم خود استوار کرتے ہیں۔

حصولِ رزق کے لئے ہمیں جدوجہد کرنے کا حکم بھی دیا گیا ہے اور اس سلسلے میں ہماری رہنمائی بھی کی گئی ہے۔ اس لئے فینگ شوئی کے اصول اپنی جگہ لیکن معاش کے لیے پوری کوشش کرنا اولیت رکھتا ہے۔ آپ اسی مثبت سوچ کے ساتھ فینگ شوئی کے اصولوں پر عمل پیرا ہوں۔

یہ بات تو آپ اچھی طرح سمجھ چکے ہوں گے کہ چی ایک کائناتی توانائی ہے جو پوری کائنات میں گردش کر رہی ہے۔ اس کے مثبت بہاؤ کے اثرات نہ صرف

گھریلو بلکہ کاروباری مراکز پر بھی اسی طرح اثر انداز ہوتے ہیں۔اس کا مثبت بہاؤ دفتر، ہسپتال، اسکول کالجز اور دکان کے لئے اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ ہمارے اور آپ کے گھروں کے لئے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ کاروباری مراکز اور دفاتر میں یہ معاش اور مالی معاملات پر براہِ راست اور زندگی کے دیگر معاملات پر بالواسطہ طور پر اثرانداز ہوتی ہے۔ اس بات کو اس طرح سمجھیے کہ آپ جہاں بھی کام کرتے ہیں وہاں کے ماحول میں گردودور کرتی چی توانائی آپ کے لئے موافق حالات پیدا کرتی ہے تو آپ زیادہ ذہنی سکون اور تندہی سے اپنا کام سرانجام دیتے ہیں۔ اور اگر گردودور کرنے والی توانائی منفی بہاؤ کے زیرِ اثر ہے تو آدمی خود کو تھکاوٹ، الجھنوں اور بیزاری میں پھنسا ہوا محسوس کرتا ہے۔ ایسے ماحول میں کام کرنا مشکل سے مشکل تر ہوتا جاتا ہے۔

اس ماحول کا نتیجہ مایوسی اور فرسٹریشن کی صورت میں نکلتا ہے اور یہ کیفیت اُس کے لیے ظاہر ہے کہ مناسب نہیں ہے۔

جس طرح گھروں میں توانائی کے بہاؤ منفی ہونے یا اس میں رکاوٹ آنے سے ہماری زندگیوں پر اثر پڑتا ہے اسی طرح دکانوں اور دفاتر، انڈسٹری کی بڑی بڑی عمارتوں میں دور کرتی چی توانائی بھی کاروباری لین دین اور پروڈکشن کے ساتھ ساتھ وہاں کام کرنے والے افراد کی ذہنی اور جسمانی صحت پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ زیادہ دور کیوں جائیں آپ اپنے محلے کی ہی کسی دکان کی مثال لے لیجیے کئی بار ایسا مشاہدے میں آتا ہے کہ ایک ہی طرح کی اشیاء کی دو سے تین دکانوں میں سے کسی ایک پر بہت زیادہ رش دیکھنے میں آتا ہے۔ برابر کی دکان ایسی بھی ہوتی ہے جس کے برابر سے لوگ اس طرح سے گزر جاتے ہیں جیسے اس دکان کا وجود ہی نہیں۔ کئی دفاتر اور انڈسٹری یا بڑے کاروباری مراکز میں عدم دلچسپی، کے ساتھ ساتھ یہ شکایت بھی کرتے نظر آتے ہیں کہ طبیعت ٹھیک نہیں رہتی یا جلد تھکان ہو جاتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ غیر متوازن اور منفی لہروں کا اخراج، اختلافات، کارکردگی میں گراوٹ اور چوریوں کے خطروں کو بھی بڑھا دیتیں ہیں۔ کاروبار میں نفع کی بات تو دور کی بات وہاں تو نقصان ہونے لگتا ہے۔ مینجمنٹ ذہنی دباؤ کا شکار نظر آتی ہے۔ پروڈکشن ٹارگٹ وقت پر پورے نہیں ہوتے۔ کبھی ملازم چھٹی پر تو کبھی مشین، آلات خراب۔ فینگ شوئی ان مختلف اقسام کے کاروبار کے لیے کیا اصول فراہم کرتی ہیں ہے۔ انشاء اللہ آنے والے اقساط میں ہم ان پر روشنی ڈالیں گیں۔

❖❖❖

فی الحال بات کرتے ہیں آج کے موضوع پر.....

اگر ملازمت پیشہ افراد سے پوچھا جائے کہ ایک اچھی ملازمت سے کیا مراد ہے تو یہی جواب آپ کو ہر طرف سے ملے گا کہ ایک ایسا ماحول جہاں آپ ذہنی سکون کے ساتھ کام کر سکیں۔ تنخواہ اچھی ہو سہولیات میسر ہوں۔ ساتھ کام کرنے والوں کا تعاون حاصل ہو۔ ترقی کے مواقع زیادہ سے زیادہ ہوں۔

چند بنیادی باتیں جو ہر طرح کی ملازمت اور کام کے لیے جاننا اور ان پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔

میں زیادہ چہل پہل یا آمدورفت نہ ہو۔ اس سے وہاں کام کرنے والے فرد میں بے چینی پیدا ہوتی ہے اور ذہنی یکسوئی متاثر ہوتی ہے۔ یہ چی توانائی کی کمی کی طرف ایک اشارہ ہے۔

❖❖❖
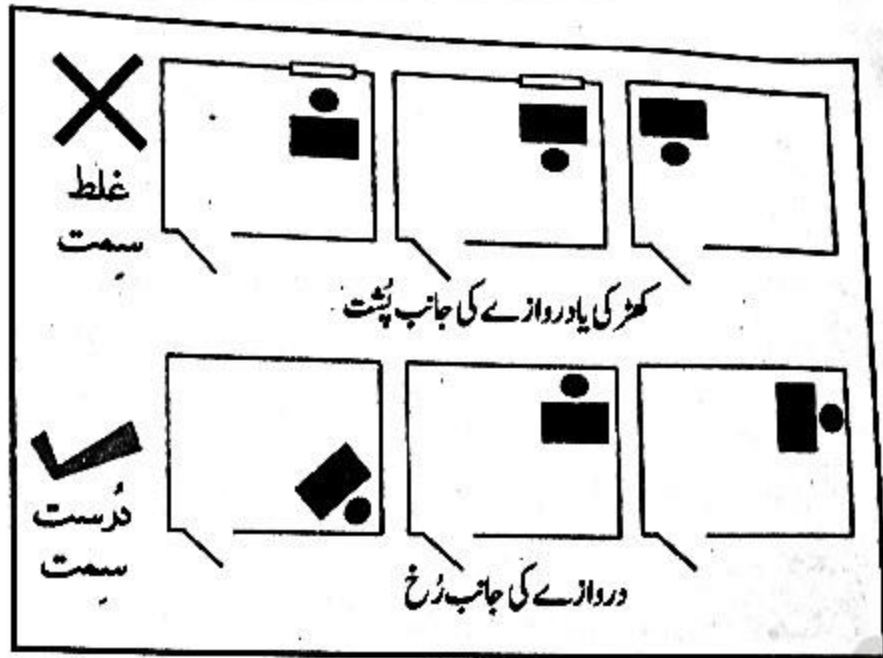
اب بات کرتے ہیں بیٹھنے کی پوزیشن اور مقام کی۔ تو فینگ شوئی کے ماہرین بتاتے ہیں کہ اسٹاف رومز میں یا دفتر میں سب سے اہم کرسی اور میز یا ڈیسک ہے۔ اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ کام کے دوران بیٹھتے وقت پشت دروازے کی جانب نہ ہو اور نہ ہی پشت پر زیادہ چہل پہل ہو۔

اگر بالکل سامنے دیوار ہے یا یوں کہیے کہ بیٹھنے کے دوران سیٹنگ پوزیشن کچھ اس طرح بنتی ہے کے آپ کے بالکل سامنے دیوار ہو، تو آپ دیوار سے بہت قریب منہ کر کے نہ بیٹھیے دونوں ہی صورتیں چی توانائی کا بہاؤ متاثر کرتی ہیں۔

اپنی میز کو اس زاویے پر رکھیے کہ آپ دروازے کو دیکھ سکیں۔ مگر براہ راست بالکل دروازے کے سامنے بھی مت بیٹھیے۔

دوسری اہم بات یہ کہ جس طرح دروازے کی جانب پشت ترقی میں رکاوٹ ہے اسی طرح کھڑکی کی جانب بھی پشت کا ہونا ناموافق ہے۔ اگر کمرے کے نقشے کی وجہ سے ایسے مقام پر نشست مجبوری ہو

وہ درج ذیل ہیں۔

فینگ شوئی ہمیں بتاتی ہے کہ چاہے آپ جس سمت میں بھی کام کرتے ہیں اس کا دروازہ اگر آپ کے موافق سمت میں ہے تو یہ آپ کے معاش میں برکت کا باعث بن سکتا ہے۔ سب سے اہم بات یہ ذہن میں رکھیے کہ دھول اور حیاتی توانائی دریا کے دو پاٹوں کی مانند ہیں جو کبھی ایک نہیں ہو سکتے۔ اس لیے آپ جس ماحول میں بھی کام کر رہے ہوں وہ دھول اور اور مٹی سے صاف ہونا چاہیے۔ میز یا الماریوں کی ریکوں یا کونوں میں بعض اوقات صفائی کے باوجود دھول مٹی رہ جاتی ہے۔ اس کی صفائی کا خصوصی توجہ دیجیے۔ آفس کے کمروں میں آپ کے بیٹھنے کی جگہ اگر شمال کی طرف ہے تو آپ اپنے کیریئر کے سیکٹر میں ہیں اور اس سمت میں دور کرتی کان KAN لہریں آپ کے کیرئیر کے لیے سودمند ثابت ہوں گی۔ اگر آپ جنوب مشرقی سیکٹر میں ہیں تو لی Li کی ینگ لہریں آپ کی مالی پوزیشن کے لیے موافق ہو گی۔ ایک اور اہم بات یہ ہے کہ دفتر کے کمرے

فینگ شوئی کے اصولوں کے مطابق میز یا ڈیسک کی ارینجمنٹ

تو کھڑکی کو بلائنڈز سے مکمل ڈھانپ دیا جائے۔

دفتروں میں کمپیوٹر، ٹیلی فون ،فیکس مشین، پرنٹر، فوٹو کاپیئر کا ہونا ایک بنیادی ضرورت ہے۔ان چیزوں کے شور سے اور پیدا ہونے والے ارتعاش سے دماغی تھکن ہو سکتی ہے۔ایسی جگہوں پر wind chimes آویزاں کی جاسکتی ہیں۔ان کی مدھم آوازیں ماحول کے تناؤ میں کمی کردیں گی جو مشینی شور سے پیدا ہونے والے منفی اثرات کو کسی حد تک زائل کرنے اور توانائی کے مثبت بہاؤ کو ماحول سے ہم آہنگ کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہیں۔

آفس میں میٹنگ کی صدارت کرتے ہوئے دوران کانفرنس ٹیبل کی اس سمت میں بیٹھنے کی کوشش کیجیے جہاں دروازہ آپ کی نظروں کے سامنے ہو۔یا آپ اسے واضح طور پر دیکھ سکیں۔

اگر چھت پر شہتیر گزر رہا ہو تو اس کے نیچے بیٹھنے سے بچنے کی کوشش کریں۔

✤✤✤

یہ تو ہوگئی بات بیٹھنے کی پوزیشن کی۔اب ذرا آپ اپنی میز یا ڈیسک پر نظر دوڑایئے اور سامان کو فینگ شوئی کے اصولوں کے مطابق موافق جگہ پر سیٹ کیجیے۔لپنا پاکوا چارٹ نکال کر سامنے میز پر رکھ لیجیے۔

اس ارینجمنٹ کو ہم انتہائی آسان انداز میں سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔

آپ کے عین سامنے شہرت کا سیکٹر ہے میز پر

اس جانب کمپیوٹر، کی بورڈ یا نوٹ پیڈ رکھیے۔ آپ کی میز کی داہنی جانب دولت سے تعلق رکھتی ہے۔ کیش کے لین دین کے معاملات اسی جانب کی دراز سے کیجئے۔ آپ کی کرسی کے عین پیچھے کی جگہ اچھے تعلقات کا سیکٹر ہے۔ وہاں آپ ٹیلی فون رکھیے۔ آپ کے برابر بائیں جانب کے سیکٹر میں کمپیوٹر فائلیں اور کتابیں رکھنا سود مند اور مددگار ہوگا۔ دفتر میں آپ دن کا بیشتر حصہ گزارتے ہیں۔ یہاں ماحول ایسا تشکیل دینا چاہیئے کہ آپ زیادہ کام کرتے ہوئے بھی بیزار نہ ہوں۔ کم سے کم جسمانی اور ذہنی تھکاوٹ کا سامنا ہو۔ اس کے لئے کھڑکیاں اگر کھلی رکھی جائیں تو مناسب ہے تاکہ چی توانائی کی آمدورفت بہتر رہے۔ اگر ایسا ممکن نہیں تو اس صورت میں سبز رنگ نئی اور مثبت توانائی کا باعث بنتا ہے۔ جس کے لئے انڈور گرین پلانٹس کا اضافہ بہت زیادہ سود مند ثابت ہوتا ہے۔ دائیں جانب خوشنما پھول رکھے جاسکتے ہیں۔

(جاری ہے)

بقیہ: روشن مستقبل

نوجوانوں میں کچھ کر گزرنے کا جذبہ ہو تو راستے بہت ہیں۔ ہمارا سرمایہ نوجوان ہیں لیکن آج ان کی صلاحیتوں کو صحیح طور پر نہ تو استعمال کیا جارہا ہے اور نہ ہی صحیح سمت میں ان کی رہنمائی کی جارہی ہے۔ بس ایک اندھی اور روایتی بھیڑ چال ہے جو جاری ہے جس کی کوئی بھی منزل نہیں سوائے وقت اور سرمایہ کے زیاں کے، کالجوں میں انٹرمیڈیٹ اور گریجویشن کے پہلے سال میں داخلے کے وقت بلکہ یونیورسٹی میں بھی داخلوں کے وقت فارم بھرنے سے لے کر مضامین کے انتخاب تک کئی طلباء پریشانی میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ صحیح اور بروقت رہنمائی نہ ملنے کے باعث جلد بازی میں بعض طلباء غلط مضامین کا انتخاب کرلیتے ہیں جو آگے چل کر ان کے لیے مزید پریشانی کا باعث بنتے ہیں۔ ہمارے نوجوان بغیر پلاننگ اور رہنمائی کے دوسروں کی تقلید میں کسی بھی شعبے کا انتخاب کرلیتے ہیں۔

❄

ڈرون کا منفرد کارنامہ، آتش فشاں پہاڑ کے اندر کی وڈیو بنالی

آئس لینڈ کے لاوا اور پتھر اگلتے آتش فشاں کی ڈرون سے فلمائی گئی حیرت انگیز وڈیو سامنے آگئی ہے۔ آئس لینڈ کا سب سے خطرناک اور فعال آتش فشاں باربر نگاکی وڈیو کو اڈکوپٹر سے لی گئی ہے جس میں آتش فشاں کے اندر انتہائی قریب سے دیکھا گیا ہے، لاوا اور پتھر اگلتے آتش فشاں سے دھماکوں کی آوازوں کو بھی سنا جاسکتا ہے۔ واتناجوکل گلیشیئر کے نیچے واقع اس آتش فشاں نے 16 اگست 2014ء کو لاوا اگلنا شروع کیا تھا اور ڈرون کے ذریعے اس کی وڈیو 20 ستمبر 2014ء کو فلمائی گئی۔ ڈرون آپریٹر کا کہنا ہے کہ گرمی سے ڈرون پگھل چکا تھا لیکن خوش قسمتی سے اس کا میموری کارڈ محفوظ رہا۔

رنگوں میں ایسی شفا بخش خاصیت موجود ہے جو کئی طرح کے مریضوں کو صحت فراہم کرتی ہے۔ رنگ ہمارے ذہن اور ہمارے احساسات پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ رنگ باطنی اندھیرے اور جسم کی کثافتیں ختم کرنے کا ذریعہ بھی ہیں۔

رنگ و روشنی سے علاج

جسم انسانی میں رنگوں کی کمی بیشی کی ایک بڑی وجہ موسم بھی ہوتے ہیں۔ ماہرین کلر تھراپی کا کہنا ہے کہ سردیوں میں زرد، نارنجی اور سرخ رنگ زیادہ ٹوٹتے ہیں، گرمیوں میں نیلے اور سبز رنگ کی ضرورت زیادہ پڑتی ہے جبکہ خزاں میں جامنی اور گلابی رنگ فرحت بخشتے ہیں۔ اس کے علاوہ گرم ممالک کے لوگوں کو زرد، نارنجی اور سرخ رنگ زیادہ مقدار میں درکار ہوتا ہے۔

مقصود الحسن اپنی کتاب "کروموپیتھی" میں لکھتے ہیں کہ ہر قسم کے مادے سے ایک خاص قسم کی لہریں خارج ہوتی رہتی ہیں۔ ان لہروں کا تجزیہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ لہریں جس طول موج اور تموج کی حامل ہوتی ہیں وہ کسی نہ کسی رنگ کے برابر ہوتی ہیں یعنی بالفاظ دیگر ہر چیز سے روشنی کی رنگین لہریں خارج ہوتی رہتی ہیں۔ مثلاً ہائیڈروجن سے نکلنے والی لہروں کا رنگ نیلا ہوتا ہے تو آکسیجن سے خارج ہونے والی لہروں کی فریکوئنسی یا تموج سرخ رنگ کی لہروں کے بابت ہوتا ہے۔ روشنی اور رنگوں کی لہریں عضلات اور خلیات میں تحریک پیدا کرتی ہیں۔ اس سے غدود متحرک ہو کر اپنا کام بہتر انداز میں سر
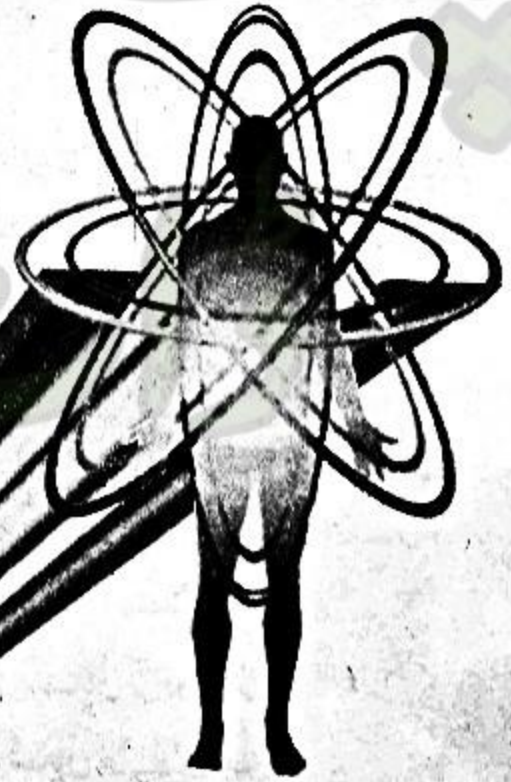
لوگوں کو جن رنگوں کی کمی کا سامنا رہتا ہے وہ ان رنگوں سے یکسر مختلف ہوتے ہیں جن کی کمی سرد ممالک کے لوگوں میں نظر آتی ہے۔ سرد ممالک

انجام دینے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ تجربات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ سورج کی روشنی سے جسم میں وٹامن ڈی پیدا ہوتا ہے۔ اگر بنفشی رنگ کی شعاعیں جسم پر ڈالی جائیں تو اس سے بھی وٹامن ڈی کی کمی پوری ہو سکتی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ روزانہ صبح سویرے فطرت ہمیں پہلے نیلا اور اس کے بعد نارنجی رنگ فراوانی سے مہیا کرتی ہے۔ جو لوگ صبح سویرے اٹھ کر سورج کو طلوع ہوتے دیکھتے رہتے ہیں اور اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ طلوع آفتاب سے پیشتر آسمان اور پوری فضا کیسے نیلے یا آسمانی رنگ سے معمور ہو جاتی ہے اور جب طلوع کے بعد فضا میں گہری نارنجی شعاعیں بکھر جاتی ہیں تو طبیعت اور احساسات میں کیسی جولانی اور توانائی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ توانائی ہمیں دن بھر توانا اور چست رکھنے میں مدد و معاون ہوتی ہے۔

جب سورج کی روشنی سفید ہو جاتی ہے اور تمام دن انسان اس روشنی میں کام کرتے کرتے تھکن اور اضمحلال کا شکار ہو جاتا ہے تو غروب آفتاب کے وقت مہربان فطرت ایک دفعہ پھر نارنجی رنگ کی قوت بخش لہروں سے نواز دیتی ہے اور غروب آفتاب کے فوراً بعد سرخی مائل نیلا رنگ گہرا ہوتے ہوتے رات کی سیاہی میں ڈھل جاتا ہے تاکہ دن بھر کا تھکا ماندہ انسان نیند کی آغوش میں جا کر آرام کر سکے۔

اگر ہم صرف یہی ایک اہتمام کر لیں کہ روزانہ صبح طلوع آفتاب سے پہلے بیدار ہو کر فطرت کے اس انتظام سے مستفید ہونے کی عادت ڈال لیں تو انسان اپنی پوری زندگی تندرست اور صحت مند رہ سکتا ہے۔

حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب اپنی کتاب "کلر تھراپی" میں تحریر کرتے ہیں:

رنگ اور روشنی سے علاج کے لئے الگ الگ رنگ معین ہیں۔ سر گردن اور چہرے کے لئے نیلا رنگ، سینے کے امراض کے لئے نارنجی رنگ، معدے کے امراض کے لئے زرد رنگ، جنسی اعضاء اور جنسی امراض کے لیے جامنی رنگ۔

معالج اپنے تجربہ اور صوابدید سے ان رنگوں میں دوسرے رنگ شامل کر کے امراض کا علاج کرتا ہے۔

چھوٹے سے مچھر کے کاٹنے سے ایک متعدی مرض ملیریا ہو سکتا ہے۔ ملیریا ایسی بیماری ہے جو بار بار لوٹ کر آسکتی ہے اور اگر اس کا مناسب علاج نہ کروایا جائے تو صحت کے لیے انتہائی نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔

علامات

ملیریا دورانیہ کی صورت میں ہوتا ہے۔ ہر مرتبہ دورہ کے وقت شدید سردی لگتی ہے اور کپکپاہٹ طاری ہو کر تیز بخار ہو جاتا ہے۔ بخار چار سے آٹھ گھنٹے تک رہتا ہے۔ تھکن سر درد چکر آنا بھوک کی کمی متلی قے پیٹ کا درد جوڑوں اور عضلات کا درد اور خشک کھانسی کی شکایت بھی ہو سکتی ہے۔

علاج

1۔ آسمانی رنگ پانی صبح دوپہر شام۔

2۔ سبز رنگ پانی کھانے کے بعد۔

3۔ مریض کو روزانہ آسمانی رنگ کی روشنی میں دس منٹ صبح اور سبز روشنی میں دس منٹ شام لٹائیں۔

❖

پولیو

خاموش دشمن

پولیو ایک متعدی مرض ہے۔ یہ مرض ایک وائرس کے ذریعے پھیلتا ہے، پولیو عمر کے کسی بھی حصے میں ہوسکتا ہے۔ تاہم پچاس فیصد سے زائد واقعات تین سال سے کم عمر کے بچوں میں رونما ہوتے ہیں۔

پولیو سے ہاتھ اور زیادہ تر پیر مفلوج اور ٹیڑھے ہوجاتے ہیں، انہیں دوبارہ ٹھیک کرنا بہت دشوار بلکہ بعض اوقات ناممکن ہوتا ہے۔ وائرس کا حملہ شدید ہو تو دم گھٹنے سے موت بھی واقع ہوسکتی ہے۔

پولیو وائرس غذا کے ذریعے جسم میں داخل ہوتا ہے اور حلق اور آنتوں میں ٹھہر کر اپنی تعداد کو تیزی سے بڑھاتا ہے۔ وائرس کی اولین علامات کے ظاہر ہونے میں چار سے پینتیس دن کا عرصہ لگتا ہے۔ ابتدائی علامات بخار، تھکن، سر درد، قے، قبض (کبھی کبھی دست بھی ہوسکتے ہیں) گردن میں اینٹھن اور اکڑاؤ اور ہاتھ پیروں میں درد ہوتا ہے۔

آنتوں کے ذریعے یہ وائرس خون میں شامل ہوجاتے ہیں۔ اور وہاں مرکزی اعصابی نظام پر حملہ آور ہوتے ہیں اور پھر عصبی ریشوں کے ذریعے جسم میں پھیلتے ہیں۔ اپنی تعداد بڑھاتے ہوئے وائرس اعصابی خلیوں (موٹر نیوران) کو تباہ کردیتے ہیں، یہ اعصابی خلیے ہی پٹھوں کی حرکت میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ تباہ شدہ موٹر نیوران کو دوبارہ فعال نہیں بنایا جاسکتا اور متاثرہ پٹھے کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں، زیادہ تر ٹانگوں کے پٹھے متاثر ہوتے ہیں۔ ہاتھ پیر بے جان اور ناکارہ ہوجاتے ہیں۔ یہ صورت حال ایکیوٹ فلیڈ پیرالائسس (Acute flaccid Paralysis) کہلاتی ہے۔ پولیو وائرس اگر دھڑ، یعنی سینے اور پیٹ کے پٹھوں پر حملہ آور ہو تو Quadriplegia کہلاتا ہے۔ زیادہ شدید حملہ Bulber پولیو کہلاتا ہے۔ جس میں وائرس دماغ (Barin Stem) کے موٹر نیوران پر حملہ کرتا ہے اس کے نتیجے میں سانس لینا، نگلنا اور بولنا دشوار ہوجاتا ہے۔ اگر سانس لینے میں دشواری ہو تو Bulbar پولیو جان لیوا بھی ہوسکتا ہے۔

1940ء سے 1950ء کی دہائی تک امریکا اور مغربی یورپ کے صنعتی ملکوں میں یہ حال تھا کہ ہر سال موسم گرما میں پولیو کی بڑی پیمانے پر وباؤں کے نتیجے میں ہر طرف افراتفری مچ جاتی تھی۔ جن لوگوں میں پولیو کے باعث عمل تنفس میں رکاوٹ پڑتی تھی انہیں "آہنی پھیپھڑوں" میں رکھا جاتا تھا۔

پولیو کی اقسام

ٹائپ اوّل پولیو: اسے طبی اصطلاح میں Brunhida کہا جاتا ہے یہ 85 فیصد مریضوں میں پایا جاتا ہے۔

ٹائپ دوم: اسے میڈیکل سائنس Lasing کے نام سے پکارتی ہے۔

یہ 13 فیصد مریضوں میں پایا جاتا ہے۔

ٹائپ سوئم: یہ Loan نامی پولیو ہے جو صرف تین فیصد مریضوں میں دیکھا گیا ہے۔

پولیو کی ایک قسم خاموش پولیو بھی ہے۔ یہ وراثت میں چلنے والی بیماری ہے اور اس کا وائرس بچے کی غذائی نالی میں موجود رہتا ہے لیکن اس کے نظام اعصاب پر حملہ نہیں کرتا، لہٰذا بیماری کی علامات بھی ظاہر نہیں ہوتیں۔

ایک اور اہم قسم Abortive Polio ہے۔ اس قسم میں وائرس کا حملہ شدت سے نہیں ہوتا لیکن پانچ سال کی عمر کے بچوں سے لے کر پچاس برس کے بوڑھوں میں موجود ہوتا ہے اور اس قسم میں حاملہ خواتین بھی مبتلا ہوسکتی ہیں۔ اگر سر درد، متلی اور قے زیادہ ہو تو فوراً گائناکولوجسٹ سے رجوع کرلینا بہتر ہے۔

پولیو کی ایک اور اہم قسم Non Paralytic بھی ہے۔ اس قسم میں نظام اعصاب کے متاثر ہونے کی تمام علامات پائی جاتی ہیں لیکن فالج نہیں ہوتا کیونکہ اعصابی نظام کو مستقل نقصان نہیں پہنچتا، صرف سوزش ہوتی ہے جو علاج معالجے سے ٹھیک ہوجاتی ہے۔ البتہ ایک قسم Paralytic Polio کا حملہ انتہائی شدید ہوتا ہے اور یہ نظام کو درہم برہم کردیتی ہے۔

یہ دراصل لوہے یا کسی دھات کے بڑے بڑے سلنڈر تھے جن میں ہوا اس طرح داخل کی جاتی تھی کہ وہ پھیپھڑوں کی مانند کام کرتے تھے اس طرح ان سلنڈروں میں موجود لوگوں کو سانس لینے میں مدد ملتی تھی اور وہ زندہ رہ پاتے تھے۔ آج کل ایسے ”آہنی پھیپھڑوں“ کی جگہ زیادہ تر Positive Pressure Ventilator آگئے ہیں۔

معذور عضو کو دوبارہ فعال کرنے کی چونکہ کوئی موثر دوا دستیاب نہیں ہے اس لیے معذور افراد کا علاج محض علامات کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ گرم مرطوب ہوا اور مالش کے ذریعے عضو کے پٹھے فعال کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور پٹھوں کو نرم بنانے کے لیے دوائیں دی جاتی ہیں۔

1950ء کی دہائی تک پولیو نے ترقی یافتہ اور ترقی پذیر دونوں ملکوں میں آفت مچا رکھی تھی۔ صنعتی ملکوں تک میں ہر سال ہزاروں بچے مفلوج اور معذور

ہو جاتے تھے۔ 1960ء سے تھوڑا پہلے اور تھوڑا بعد آئی پی وی (انجکشن کے ذریعے دی جانے والی ویکسین) اور او پی وی (خوراک کے طور پر دی جانے والی ویکسین) کے آنے سے پولیو پر قابو پالیا گیا اور لوگوں کو سکھ کا سانس ملا۔

ترقی پذیر ملکوں نے پولیو کو بڑا مسئلہ ماننے میں خاصی دیر لگائی۔

1970ء میں ایک سروے سے معلوم ہوا کہ پولیو ترقی پذیر ملکوں میں بھی عام ہے اور ہر سال ہزاروں بچوں کو معذور کر رہا ہے۔ 1970ء کے عشرے کے دوران دنیا بھر میں پولیو کی ویکسین کے قطرے (او پی وی) پلانے کا سلسلہ حفاظتی ٹیکوں کے قومی پروگرام (انٹرنیشنل امیونائزیشن پروگرامز) کے تحت شروع کیا گیا جس سے کئی ملکوں میں اس پر قابو پانے میں مدد ملی۔

پولیو کی سب سے بڑی ظاہری علامت کسی عضو کا مفلوج ہو جانا ہے۔ پولیو کے انفیکشن سے اگر ایک ہزار افراد متاثر ہوتے ہیں تو ان میں سے دس سے بھی کم افراد مفلوج ہوتے ہیں یعنی انفیکشن کے مقابلے میں مفلوج ہونے کی شرح بہت کم ہے۔ انفیکشن کے 90 فیصد کے لگ بھگ واقعات میں فلو جیسی علامات مثلاً معمولی بخار، حلق میں سوزش، پیٹ کا درد اور قے وغیرہ یعنی نہایت معمولی طور پر ظاہر ہوتی ہیں یا پھر سرے سے ظاہر ہی نہیں ہوتیں اور کسی کو اس انفیکشن کی خبر بھی نہیں ہو پاتی۔ البتہ پانچ سے دس فیصد پولیو انفیکشن کے نتیجے میں Aseptic Meningitis ہو سکتا ہے۔ جو دماغ کی بیرونی جھلی کا ورم اور سوزش ہے۔

انفیکشن کے مقابلے میں مفلوج ہونے کی شرح اتنی کم کیوں ہے....؟ اس کا جواب کوئی نہیں جانتا، جن وجوہات کی بنا پر متاثرہ فرد میں مفلوج ہونے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے وہ اس کا کمزور مامونی نظام (Immune deficiency)، حمل، ٹانسلز کا نکلوا دینا، پٹھوں میں انجیکشن لگوانا، سخت ورزش اور زخمی ہونا ہیں۔

پولیو کو "پوشیدہ وائرس" کہا جا سکتا ہے کیونکہ یہ اپنی موجودگی کو محسوس نہیں ہونے دیتا اور ایک سے دوسرے فرد کو منتقل ہوتا رہتا ہے۔ اس وائرس سے متاثرہ کم از کم 90 فیصد افراد میں مرض کی کوئی علامات نہیں پائی جاتیں اور وہ خود بھی اس کی موجودگی سے لاعلم رہتے ہیں۔ ابتدائی انفیکشن والے مریض کے فضلے میں پولیو وائرس وقتاً فوقتاً کئی ہفتے تک خارج ہوتا رہتا ہے۔ اگر صفائی ستھرائی کا عمدہ انتظام نہ ہو تو یہ فضلہ کمیونٹی میں تیزی کے ساتھ وائرس پھیلانے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ خصوصاً چھوٹے

بچے اس وائرس کا زیادہ بری طرح نشانہ بنتے رہیں کیونکہ عام طور پر انہیں پوٹی کرنے کے آداب اور اس کے صفائی کے طریقوں اور احتیاطوں کا پوری طرح علم نہیں ہوتا۔ فضلے میں موجود وائرس غذا تک پہنچتے ہیں اس لیے صفائی ستھرائی کا اہتمام بہت ضروری ہے۔

شروع شروع میں وائرس خاموشی کے ساتھ پھیلتا رہتا ہے اور محلے میں زیادہ صفائی ستھرائی نہ ہو تو متاثرین کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ جاتی ہے۔ تب کہیں جا کر مفلوج ہونے والا پہلا مریض سامنے آتا ہے۔ وائرس کے اس طریقہ کار کی بنا پر عالمی ادارہ صحت کا خیال ہے کہ اگر کہیں کوئی ایک فرد پولیو سے مفلوج ہوا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وائرس اس علاقے میں خوب اچھی طرح پھیل چکا ہے۔

کوئی فرد ایک مرتبہ پولیو کے وائرس میں مبتلا ہو جائے تو عمر بھر کے لیے محفوظ و مامون ہو جاتا ہے۔ تاہم یہ مامونیت مخصوص قسم کے وائرس سے ہی ہوتی ہے، مثال کے طور پر کوئی شخص ٹائپ ون وائرس کا نشانہ نہیں بن سکتا ہے۔ تاہم ٹائپ ٹو اور ٹائپ تھری وائرس میں مبتلا ہو سکتا ہے۔

پولیو وائرس کی موثر ویکسین کی تیاری بیسویں صدی کے بڑے کارناموں سے ایک ہے۔ قطروں کی صورت میں دی جانے والی ویکسین، او پی وی، ڈاکٹر البرٹ سابن (Sabin) نے 1961ء میں تیار کی تھی۔ اس سے قبل 1955ء میں ڈاکٹر جوناز ساک (Jonas Salk) نے انجیکشن کے ذریعے لگائی جانے والی ویکسین بنالی تھی۔ دونوں طرح کی ویکسین تینوں اقسام کے پولیو کے لیے موثر ہیں۔

پولیو کی وبا کا ایک مخصوص عرصہ ہوتا ہے۔ ان دنوں میں کسی قسم کے آپریشن خصوصاً ٹانسلز کے آپریشن نہیں کروانے چاہئیں اور غیر ضروری طور پر ٹیکے نہیں لگوانے چاہئیں۔ سرنج سے صرف ہیپاٹائٹس ہی پھیلنے کا خدشہ نہیں ہوتا۔ پولیو کا وائرس بھی اس ذریعے سے پھیلتا ہے۔

ماں بننے والی خاتون کو حمل کے ابتدائی دنوں میں احتیاطاً پولیو کے قطرے پلوانے چاہئیں۔

ایک سال کی عمر سے پہلے پہلے حفاظتی ٹیکوں کا کورس مکمل کروانے سے بچے پولیو سے بچ سکتے ہیں۔ یاد رہے کہ اگر ایک بچے کو حفاظتی ٹیکوں کا کورس مکمل نہیں کر لیا جاتا تو یہ بیماری کئی بچوں کو اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے اور بچے تمام عمر کے لیے معذور ہو سکتے ہیں۔

سرکاری سطح پر ملک بھر میں خصوصی مراکز سے پانچ برس کی عمر تک کے بچوں کو حفاظتی قطرے پلائے جانے کے انتظامات موجود ہیں۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ گھر آنے والی ٹیموں سے تعاون نہیں کیا جاتا اور خواتین کہہ دیتی ہیں کہ ہم تو پلا چکے ہیں اور کتنی مرتبہ پلائیں، میڈیکل سائنس کے مطابق کوئی بچہ متعدد مرتبہ پولیو کے ڈراپس پی لے تب بھی کوئی حرج نہیں لیکن اگر ایک بھی بچہ پینے سے رہ گیا تو پولیو کا خطرہ سروں پر منڈلاتا رہے گا۔

سب سے اہم بات یاد رکھیں کہ اپنے بچوں کی صحت سے متعلق معاملات پر ہرگز سستی اور کاہلی کا مظاہرہ نہ کریں تاکہ ہماری آئندہ نسلیں تندرست و توانا رہیں۔

❄

گھر کا معالج

جب ہم کسی مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو اس کے علاج کے لیے کئی ادویات اور کبھی اینٹی بائیوٹک کا بھی بے دریغ استعمال کرتے ہیں۔ اگر تھوڑی سی احتیاط سے کام لیا جائے تو بہت سے امراض سے محفوظ رہا جاسکتا ہے، بیمار ہونے کی صورت میں کئی عام امراض کا آسان علاج ہمارے کچن میں بھی موجود ہے۔ کچن ہمارا شفاخانہ بھی ہے۔ یہاں ہم ایسے چند طبی مسائل کا ذکر کریں گے جن کا حل آپ کے کچن میں بھی موجود ہے۔

نمونیا، پھیپھڑوں کی شدید جلن کی بیماری ہے، جو بے حد متعدی نوعیت کا مرض ہے۔ اس کی دو اقسام ہوتی ہیں۔ گوشے دار (Lobar Pneumonia) نمونیا اور شعبی (Bronchial Pneumonia) نمونیا۔ تاہم دونوں آپس میں ملتی جلتی علامات رکھتے ہیں۔ دونوں کا ایک ہی طریقے سے علاج کیا جاتا ہے۔ اگر دونوں پھیپھڑے متاثر ہوں تو مرض زیادہ سنگین ہو جاتا ہے۔ اس وقت اسے عام زبان میں ڈبل نمونیا کہتے ہیں۔

نمونیا کے بہت سے کیسز سر یا گلے میں سردی لگ جانے سے شروع ہوتے ہیں۔ مریض (مریضہ) کو شدید سردی محسوس ہوتی ہے اور کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔ سانس لینے میں دقت پیش آتی ہے، سینے میں شدید درد اٹھنے لگتا ہے۔ بعد ازاں کھانسی شروع ہو جاتی ہے اس کے ساتھ گلابی بلغم نکلتا ہے جو بعد میں براؤن بھی ہو سکتا ہے۔ مریض کو بخار ہو جاتا ہے اور سر بھی درد کرنے لگتا ہے۔ نمونیا زیادہ شدت اختیار کر جائے تو بلغم زنگ آلود دکھائی دیتا ہے۔ یہ بیماری چھوٹے بچوں کو ہو جائے تو ان میں شدید بے چینی اور تڑپنے کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ بعض مریض پسینہ

پسینہ ہو جاتے ہیں ان کا ٹمپریچر 105 درجے فارن ہائیٹ تک جا پہنچتا ہے۔ نمونیا کی تمام اقسام کی ایک مشترک خصوصیت یہ ہے کہ ان مریضوں کے پھیپھڑوں میں پانی بھی بھر جاتا ہے۔

نمونیا کی وجوہات

نمونیا ہمارے پھیپھڑوں میں بیکٹیریا، وائرس، یا فنگس کی انفیکشن سے ہوتا ہے۔ بعض کیمیاوی اجزا بھی اسے پیدا کرتے ہیں۔ عام لوگوں میں نمونیا کے خلاف قوت مدافعت ہوتی ہے۔ لہٰذا ان میں یہ بیماری آسانی سے پیدا نہیں ہوتی۔ کچھ لوگوں کے اس بیماری میں مبتلا ہونے کے امکانات دوسروں سے زائد ہیں۔ ان میں مندرجہ ذیل لوگ شامل ہیں۔

1۔ بوڑھے اور دو سال سے کم عمر بچے۔
2۔ سگریٹ پینے والے لوگ۔
3۔ دمے یا کسی دوسری سانس کی بیماری میں مبتلا لوگ۔
4۔ وہ لوگ جن میں قوت مدافعت دوسروں سے کم ہوتی ہے۔
5۔ کینسر یا لیوکیمیا کے مریض۔
6۔ بند جگہوں (جہاں پر ہوا کا گزر نہ ہو) میں رہنے والے لوگ۔
7۔ زہریلی فضا میں سانس لینے والے۔

حفاظت اور علاج:

نمونیا ایک قابل علاج بیماری ہے۔ نمونیا کے زیادہ تر مریض علاج سے ٹھیک ہو جاتے ہیں لیکن شدید نمونیا جان لیوا بھی ہو سکتا ہے۔ نمونیہ کی تشخیص کے بعد ڈاکٹری ہدایت کی سختی سے پابندی کی جائے۔

یہاں نمونیا میں مفید ماہرین کے بتائے ہوئے چند نسخے دیے جا رہے ہیں۔

بیماری کی علامات ظاہر ہونے کے بعد میتھی کے بیجوں کی "چائے" بنا کر پی جائے تو اس سے پسینہ آتا ہے جس سے زہریلے مادوں کو خارج کرنے میں مدد ملتی ہے۔ یہ "چائے" دن میں چار مرتبہ پی جانی چاہیے۔ جوں جوں حالت بہتر ہوتی جائے اس مقدار کو کم کر دیا جائے۔ اس "چائے" میں چند قطرے لیموں کا رس ملا دیا جائے تو ذائقہ بہتر ہو جاتا ہے۔ میتھی کے بیج سے تنفس کے کئی مسائل بہتر طور پر حل ہو جاتے ہیں۔

ممتاز فزیشن ڈاکٹر ایف ڈبلیو کراسمین (F.W Crosman) کے مطابق لہسن کافی مقدار میں کھلانا نمونیا میں مفید ہوتا ہے۔ لہسن کا جوس مریض کے سینے پر ملنے سے بھی فائدہ ہوتا ہے۔ تل (Sesame Seeds) بھی نمونیا کے مریض کے لیے مفید بتائے جاتے ہیں۔

تل اور السی کا بیج اور ذرا سا نمک شہد میں ملا کر چاٹنے سے بھی نمونیا کے مریضوں کو بہت فائدہ پہنچتا ہے۔

احتیاط

مریض (مریضہ) کو تیز پتی والی چائے، کافی، مصنوعی فوڈ، تلی ہوئی اشیاء سفید چینی، سفید آٹا، اور اس سے بنی ہوئی چیزیں، اچار چٹنی اور سموسے پکوڑے وغیرہ سے پرہیز کرنا چاہیے۔ تمباکو نوشی سے بھی مکمل اجتناب کیا جانا چاہیے۔

نمونیا کے دوران پانی گھونٹ گھونٹ پینا بھی مفید پایا گیا ہے جب تک بخار رہے تھوڑے تھوڑے وقفوں کے بعد گھونٹ گھونٹ پانی پلانا جاری رکھیے کیونکہ اس سے جسم کی تپش میں کمی آتی ہے۔

کیل مہاسے
(Acne)

حکیم عادل اسمٰعیل

مہاسوں کو عام زبان میں کیل اور انگریزی زبان میں (Acne) کہتے ہیں۔ سن بلوغت کے وقت ہارمونز کثیر مقدار میں خون میں شامل ہو جاتے ہیں۔ خون میں ہارمونز کی یہ عارضی کثرت بالوں کی جڑوں میں پائے جاتے والے چھوٹے چھوٹے روغن بنانے والے غدود کو تحریک پہنچاتی ہے۔ جس سے روغنی رطوبت جلدی خلیات کی ٹوٹ پھوٹ سے مل کر جلد کی سطح پر جمع ہو جاتی ہے اور خشک جلد کے مسامات بند ہو جاتے ہیں۔ یہی خشک مادہ پہلے سیاہی مائل نکتہ بن جاتا ہے جو کہ مہاسہ کی پہلی نشانی ہے۔ اس سیاہ نقطہ کے نیچے روغنی رطوبت مسلسل بنتی رہتی ہے۔ اس رطوبت کو باہر نکلنے کا راستہ نہیں ملتا اس لیے کیسہ (Sebaceous Gland) پھول جاتا ہے۔ پسینہ خارج نہ ہو پانے کی وجہ سے پھولے ہوئے کیسہ پر مزید دباؤ پڑتا ہے اور وہ متورم ہو جاتا ہے جلد میں موجود جراثیم اس میں سوزش پیدا کر دیتے ہیں اور مرض تیزی سے پھیلنے لگتا ہے۔ چہرے کے روغنی غدود ان اثرات کو سب سے زیادہ قبول کرتے ہیں۔ ان میں سے کچھ سیاہی مائل اور بعض پیپ سے بھرے ہوتے ہیں۔

ایکنی کی پہچان بلیک ہیڈز، وائٹ ہیڈز اور بڑے پھوڑے نما دانے دھبے اور گڑھے ہیں۔

بلیک ہیڈز اس وقت نظر آتے ہیں جب روغن بالوں کے غدود میں سخت ہو کر مسام پر دباؤ ڈالتے ہیں تاکہ وہ جلد کی سطح سے باہر نکلیں۔ یہاں پر روغن باہر کی آکسیجن سے مل کر سخت ہو جاتا ہے اور اس کا رنگ سیاہ ہو جاتا ہے۔ اسی کو بلیک ہیڈز کہتے ہیں۔ وائٹ ہیڈز اس وقت نکلتے میں جب بالوں کے غدود کے اندر خلیے جمع ہو کر گزر گاہ بند کر دیتے ہیں۔ اس وجہ سے جو چکنائی وہاں جمع ہوتی ہے وہ باہر آنے کی کوشش کرتی ہے اور یہی وائٹ ہیڈز کہلاتے ہیں۔

وائٹ ہیڈز کو دبانا نہیں چاہیے اس سے چکناہٹ اور جلد کے خلیے ڈرمز (Dermis) کے اندر چلے جاتے ہیں۔

انفیکشن ہونے کے امکان بڑھ جاتے ہیں یہ باہر نہیں آسکتے بلکہ گرہ نما دانے بن جاتے ہیں۔

یہ مرض عام طور پر بارہ سال سے لے کر چوبیس سال تک کی عمر کے لڑکے اور لڑکیوں کو ہوتا ہے۔ اگر مناسب علاج نہ کرایا جائے تو یہ مرض چہرے پر داغ چھوڑ جاتا ہے۔

✿ .... کیل مہاسوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ مہاسوں کو نوچنے اور بھینچنے سے پرہیز کریں۔

.... جلد کی صفائی کی جائے نیم گرم پانی میں صابن کے جھاگ بنائیں اور ململ کا کپڑا اس میں بھگو کر دن میں تین سے چار مرتبہ اچھی طرح چہرے کو صاف کیا جائے تاکہ جلد کے مسامات کھل جائیں۔ روغنی رطوبتیں دور ہو جائیں اور جلد کے مسامات میں پھنسے ہوئے اجزاء آسانی کے ساتھ خارج ہو جائیں۔

.... چہرے پر روغنی اجزاء کی آمیزش والا کوئی لوشن یا کریم نہ لگائیں۔ یہ جلدی مسامات کو بند کر کے پسینے کے اخراج کو روک دیتے ہیں اور ساتھ ہی جلد میں سوزش کا سبب بنتے ہیں۔

.... تولیہ اور صابن الگ کر لیں تاکہ گھر کے دوسرے افراد اس کے انفیکشن سے محفوظ رہیں۔

پرہیز

گائے کا گوشت، انڈہ، سمندری غذائیں (سی فوڈز)، مرغی، مٹھائیاں، کیک، پیسٹری، چاکلیٹ، نشاستے والی غذائیں، کھٹی اور تلی ہوئی اشیاء سے پرہیز کیا جائے۔ گرم مسالوں کا کثرت سے استعمال، خشک میوے اور کافی بھی مہاسوں کی پیدائش کو بڑھا دیتی ہیں۔

علاج

کیل مہاسوں کے لیے چند یونانی ادویات کے نسخہ تحریر کیے جا رہے ہیں۔

.... نیم کے پتے پندرہ منٹ تک پانی میں ابال کر اس پانی سے چہرے کو دن میں تین سے چار مرتبہ دھوئیں۔

.... ملتانی مٹی پیس کر ٹماٹر کے رس میں اچھی طرح حل کر کے پیسٹ بنالیں۔ چہرے پر پیسٹ لیپ کر کے آدھے گھنٹے بعد نیم گرم پانی سے دھوئیں۔

.... گرم دودھ میں جمنے والی ملائی پر ایک چمچ لیموں کا رس نچوڑ کر چہرے پر ملنے سے مہاسے ختم ہو جاتے ہیں۔

.... مغز تخم نیم، دہی کے پانی میں گھس کر رات کو سونے سے پہلے اور صبح چہرے پر ملیں۔

.... بیسن کو چھاچھ میں ملا کر پیسٹ بنالیں۔ رات کو سونے سے پہلے چہرے پر لیپ کر کے گھنٹے بعد چہرے کو دھولیں۔

.... عناب نودانے رات گرم پانی میں بھگو دیں اور صبح اچھی طرح مل کر چھان کر نہار منہ پئیں۔

.... قبض نہ ہونے دیں۔ اگر قبض ہو جائے تو ایک چمچ اسپغول کی بھوسی رات کو سونے سے پہلے پانی کے ساتھ لیں۔

.... معجون عشبہ صبح نہار منہ اور شام آدھا آدھا چمچ مفید ہے۔

*

درخت لگایئے.....
صحت بنایئے.....
سکون پایئے.....

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
"کوئی بھی مسلمان جو ایک درخت کا پودا لگائے یا کھیت میں بیج بوئے، پھر اس میں سے پرندیا انسان یا جانور جو بھی کھاتے ہیں وہ اس کی طرف سے صدقہ ہے۔" (بخاری، مسلم)

اشرف باجی کے ٹوٹکے

مختلف ٹوٹکوں کا استعمال دنیا بھر میں عام ہے۔ مختلف ٹوٹکوں سے مرد بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اور خواتین بھی.... تاہم امور خانہ داری میں ٹوٹکوں کی ضرورت زیادہ پڑتی ہے۔ خانہ داری چونکہ خواتین کا شعبہ سمجھا جاتا ہے اس لیے ٹوٹکوں کا استعمال بھی خواتین زیادہ کرتی ہیں۔

محترمہ اشرف سلطانہ برسہابرس سے مرکزی مراقبہ ہال میں خدمت خلق کے پروگرام سے وابستہ ہیں۔ خاص و عام میں اشرف باجی کے نام سے معروف ہیں۔ آپ ایک کولیفائیڈ طبیبہ بھی ہیں۔ اگر آپ بھی اپنی آزمودہ کوئی ترکیب قارئین کو بتانا چاہیں تو روحانی ڈائجسٹ کی معرفت اشرف باجی کو لکھ بھیجئے۔

بینگن کے چھلکے اتاریں

بینگن کا بھرتہ بنانے سے پہلے بینگن کے اوپر تیل لگالیں تو چھلکے آرام سے اتر جائیں گے۔

چھری تیز کرنا

چھریوں کی دھار تیز کرنے کے لیے آپ چار سے پانچ کھانے کے چچ کافی لے کر اوون میں پانچ منٹ رکھ کر گرم کرلیں پھر ایک چچ بورک پاؤڈر ملا کر کسی بوتل میں رکھ لیں۔

چھریوں پر لگا کر کسی کپڑے سے رگڑ کر پونچھ لیں۔ دھار تیز ہوجائے گی۔

ڈبل روٹی کے سلائس

تازہ ڈبل روٹی بعض اوقات چھری سے کاٹنا مشکل ہوتی ہے۔ آپ چھری کو کھولتے پانی میں ڈبو کر ڈبل روٹی کاٹ لیں۔ آسانی سے کٹ جائے گی۔

آٹے کو کیڑوں سے بچائیں

آٹے کو کیڑوں سے بچانے کے لیے سیاہ (کالا) زیرہ لے کر اسے کوٹ کر اس میں نمک پسا ہوا ملا کر پانی کے ساتھ ٹکیہ بنالیں اسے خشک کر کے آٹے میں رکھیں آٹا کیڑوں سے محفوظ رہے گا۔ اس کے علاوہ تیزپات کے پتوں کی پوٹلی بنا کر رکھنے سے آٹے میں

کیڑے نہیں پڑتے۔

پھٹے دودھ کا استعمال

پھٹے ہوئے دودھ کو کارآمد بنانا مقصود ہو تو ایک صاف برتن میں دودھ ڈال کر چولہے پر رکھ دیں۔ جب دودھ ابلنے لگے تو اس میں ایک یا دو لیموں کا رس ڈال دیں تھوڑی دیر کے بعد جب دودھ اور پانی الگ الگ ہو جائیں تو چولہے سے اتار کر کپڑے سے چھان لیں۔ یہ مائع اس شخص کے لیے مفید ہے جسے اصل دودھ ہضم نہیں ہوتا۔

سبزیوں کا پانی

جب آپ سبزیاں ابالیں تو اس کے پانی کو ضائع مت کریں۔ اس گرم پانی کو استعمال کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس پانی میں سبزیوں کے کئی وٹامن شامل ہوتے ہیں۔

جھینگروں کو بھگانا

کمروں، کونوں، الماریوں، دیواروں اور بکسوں کے نیچے بورک اور کپڑوں میں فنائل کی گولیاں رکھنے سے جھینگر بھاگ جاتے ہیں مگر ان گولیوں کو بچوں کی پہنچ سے دور رکھا جائے۔

سرخ روشنائی کا داغ

متاثرہ حصے پر دہی لگانے سے سرخ روشنائی کا داغ دور ہو جائے گا۔

پالک کا رنگ اور ذائقہ

پالک ابالتے وقت اگر اس میں کھانے کا سوڈا چٹکی بھر ڈال دیا جائے تو پالک کا رنگ اور ذائقہ ٹھیک رہے گا۔

مسور کی دال جلد گلائیں

مسور کی دال پکاتے وقت اگر اس میں ہلدی یا گھی شروع میں ہی ڈال دیں تو اس سے دال جلدی گل جائے گی۔

پاؤں صاف رکھیں

گرم پانی میں دو چمچ سرکہ ڈال کر اپنے پاؤں پندرہ منٹ کے لیے پانی میں ڈال دیں۔ یہ عمل ہفتے میں ایک مرتبہ دہرائیں۔ پاؤں صاف ہو جائیں گے۔

کچے رنگ پکے کرنا

جو کپڑے رنگ چھوڑتے ہیں انہیں کچھ دیر کے لیے ملتانی مٹی ملے پانی میں بھگو دیں۔

لکڑی کے ڈیکوریشن پیس صاف کرنے کے لیے

گیلے کپڑے خوب صاف کریں پھر کپڑے میں ذرا سا تیل لگا کر ڈیکوریشن پیس پر خوب ملیں ان میں چمک آجائے گی اگر کہیں سے ٹوٹ گئے ہیں یا خراش آئی ہے۔ تو موم موی رنگ چاکلیٹ رنگ کو ملا کر بھر دیں خراش غائب ہو جائے گی۔

تیل کی صفائی

میز پر سے تیل صاف کرنے کے لیے پہلے تھوڑا سا آٹا میز پر چھڑک دیں اور اسے اپنی انگلی کی مدد سے ملیں۔

آٹا ہٹا کر آخر میں کپڑے سے میز اچھی طرح صاف کر لیں۔

پورے اخروٹ کی سجاوٹ

اگر آپ کو بسکٹ یا کیک کی سجاوٹ کے لیے ثابت اخروٹ کی ضرورت ہے تو اخروٹ چھیلنے سے پہلے دو دن کے لیے ٹھنڈا کرنے کے لیے ریفریجریٹر میں رکھ دیں۔

دو دن بعد جب آپ انہیں چھیلیں گی تو وہ ثابت

حالت میں آپ کو ملیں گے۔

دہی کی کھٹاس دور کرنے کے لیے

دہی کی کھٹاس دور کرنے کے لیے اسے دس منٹ کے لیے ململ کے کپڑے میں لٹکا دیں تاکہ چھاچھ الگ ہوجائے۔ آخر میں جو علیحدہ دہی حاصل ہوگی اس میں دودھ ملالیں، کھٹاس ختم ہوجائے گی۔

ریفریجریٹر اور واشنگ مشین کی حفاظت

اگر ریفریجریٹر اور واشنگ مشین کو خاصے عرصے تک کے لیے استعمال نہیں کرنا ہو تو اس میں کوئلے کے چند ٹکڑے ڈال دیں تاکہ کیڑے مکوڑوں اور پھپھوندی سے یہ محفوظ رہیں۔

اچار کے برتنوں کی صفائی

اچار اور مربوں کے برتنوں میں سے اچار ختم ہونے کے بعد بھی بو نہیں جاتی۔ اس بو کے خاتمے کا آسان طریقہ ہے۔ ایک جلتی ہوئی تیل کو خالی برتن میں ڈال کر برتن کا ڈھکنا مضبوطی سے بند کردیں۔ چند منٹوں کے بعد برتن کو دھولیں، بو بالکل ختم ہوجائے گی۔

لکڑی کے سخت داغ دور کرنے کے لیے

لکڑی پر پالش کرتے ہوئے اگر موم کے ساتھ رنگ بھی شامل کرلیا جائے تو سخت رگڑ کے داغ بھی آسانی سے دور ہوجاتے ہیں۔

ماربل کی صفائی

ماربل کی صفائی کے لیے کسی قسم کا سخت کلینز نقصان دہ ہوتا ہے۔ ہمیشہ گرم پانی اور ڈٹرجنٹ سے اسے دھو کر صاف کیا جائے اور اگر پالش کرنا مقصد ہے تو سلیکون ویکس کا استعمال کرنا چاہیے۔

کھڑکیوں کے شیشوں کی صفائی

کھڑکیوں کے شیشوں کو صاف کرنے کے لیے پانی میں سرکہ ملا کر کاغذ کی مدد سے رگڑیے۔ شیشے بالکل صاف ہوجائیں گے۔

لکڑی کے فرنیچر کی چوٹ کے لیے

اگر لکڑی کے فرنیچر کی چوٹ پر موٹا کپڑا بچھا کر استری کی نوک رکھی جائے تو استری کی بھاپ سے خراب جگہ کی لکڑی پھول جائے گی، جسے بعد میں پالش کرکے دوبارہ نیا بنایا جاسکتا ہے۔

انگور دل کی بیماریوں اور کینسر سے بچاؤ میں مددگار

انگور نہ صرف دیکھنے میں خوبصورت نظر آتے ہیں بلکہ انہیں کھانے سے دل کے دورے اور کینسر سے بھی بچا جاسکتا ہے۔ طبی ماہرین کا کہنا ہے کہ انگور کھانے سے کینسر دل کی بیماریوں اور کئی طرح کے انفیکشن سے بچاؤ ممکن ہے۔

دمہ

ڈاکٹر محمد شہزاد

"دمہ" سانس لینے میں دشواری محسوس کرنے یا ہانپنے کی ایک کیفیت کا نام ہے۔ اس کے مریض پر "سانس رکنے کے کئی حملے" ہوتے ہیں، حملوں کے درمیان ایسے لمحات بھی آتے ہیں جن میں مریض بالکل نارمل سانسیں لیتا ہے۔

ماضی کے مقابلے میں اب دمے کی شدت کئی گنا بڑھ چکی ہے۔ ایشیاء کے ترقی پذید اور نسبتاً سہولتیں رکھنے والے ممالک کے عوام بڑی تیزی سے دمے میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ دمے کی اس شدت پر بڑوں سے زیادہ بچے انتہائی تکلیف میں ہیں۔

دمہ کیوں ہوتا ہے....؟

کوئی بات کرنے سے قبل ہمیں عمل تنفس پر ایک نظر ڈال لینی چاہیے۔ سانس لینے کے عمل میں ناک، منہ، حلق، حنجرہ اور پھیپھڑے حصہ لیتے ہیں۔ پھیپھڑوں میں ہوائی نالیاں ہوتی ہیں جو تقسیم در تقسیم ہو کر باریک سے باریک تر ہوتی چلی جاتی ہیں۔ ان نالیوں کے آخری سروں پر ہوا کی چھوٹی چھوٹی ہزاروں تھیلیاں ہوتی ہیں۔ ان تھیلیوں میں ناصاف خون سے کاربن ڈائی آکسائیڈ الگ ہو جاتی ہے جسے ہم اپنی ناک کے ذریعے خارج کر دیتے ہیں۔

اگر کسی وجہ سے نالیوں کی گنجائش کم ہو جائے یعنی ان میں ضروری مقدار میں صاف ہوا نہ سما سکے تو جسم میں آکسیجن کی کمی واقع ہونے لگتی ہے، اس کمی کو پورا کرنے کے لیے سانس لینے کی رفتار قدرتی طور پر بڑھ جاتی ہے اور انسان تیز تیز سانس لینے پر مجبور ہو جاتا ہے یہی کیفیت "دمہ" کہلاتی ہے۔

ہوائی نالیوں کی گنجائش میں کمی کی بہت سی وجوہ ہو سکتی ہیں۔ مثلاً ان میں لیس دار رطوبت یا بلغم اکٹھا ہو جائے اور تھیلیاں ہوا کو قبول کرنے کے لیے پھیل نہ سکیں۔ خود پھیپھڑوں یا اس کے قریبی حصوں میں ورم پیدا ہو جانے کی وجہ سے ہوائی تھیلیوں پر دباؤ پڑنے لگے یا پھیپھڑوں میں موجود خون کی ہزاروں رگوں میں خون زیادہ مقدار میں رک کر ہوائی گنجائش

کو کم کردے۔

جدید ترین تحقیقات کے مطابق دمے کے دس میں سے نو مریضوں میں دمے کا سبب "الرجی" بنتی ہے۔ ہمارے پھیپھڑے سینکڑوں چھوٹے چھوٹے خانوں پر مشتمل ہوتے ہیں جن تک ہوا چھوٹی چھوٹی نالیوں کے ذریعے پہنچتی ہے۔ دمے میں مبتلا فرد اس اعتبار سے مختلف ہوتا ہے کہ وہ الرجی کا سبب بننے والی کسی بھی شے کے ہوا میں شامل ہونے کے باعث ان نالیوں پر پڑنے والے اثرات کی وجہ سے سانس لینے میں دشواری محسوس کرنے لگتا ہے۔ دمے کا حملہ ہونے کی صورت میں ہوا کی گزرگاہ نالیوں کا اندرونی حصہ سوج جاتا ہے اور تنگ ہوجاتا ہے لہٰذا پھیپھڑوں کو ہوا کی مطلوبہ مقدار ملنا بند ہوجاتی ہے۔ بعض صورتوں میں ان میں چپکنے والا مادہ بھی پیدا ہوجاتا ہے جو خرخراہٹ، کھانسی اور سانس لینے میں دشواری کا باعث بنتا ہے۔ اگر پھیپھڑوں میں خرابی پیدا کرنے والی آلودگی کی مقدار زیادہ ہو تو حملے کی شدت بھی اسی مناسبت سے بڑھ جاتی ہے اور دمے کی دیگر سنگین علامات بھی سامنے آجاتی ہیں۔ مختلف شواہد اور تحقیقی نتائج کے مطابق ہوائی آلودگی دمے کے حملے کا سبب بنتی ہے۔ گاڑیوں کا دھواں، عام دھواں، سگریٹ کا دھواں اس اعتبار سے پرخطر ہیں۔ ہوا نہ چلنے کی صورت میں دھند یا کہر بھی دمے کے حملے کا سبب بن جاتی ہے۔ اسی طرح درجہ حرارت میں اچانک کمی بھی دمے کے مریضوں کے لیے خطرناک ثابت ہوتی ہے۔

علامات

دمہ کی سب سے بڑی علامت تو سانس کے ساتھ سیٹی جیسی آواز (Wheeze) ہی ہے لیکن اس کے علاوہ رات کے وقت کھانسی، بھاگنے دوڑنے یا ہنسنے سے شروع ہوجانے والی کھانسی اور کئی ہفتوں تک رہنے والی کھانسی بھی دمہ کی علامات ہوسکتی ہیں۔ جن بچوں میں Wheeze بار بار ہوتی ہو ان میں دمہ کی تشخیص آسان ہے۔ مسئلہ ایک سال سے کم عمر کے بچوں کا ہے جن میں نمونیا، وائرس کا نمونیا (Bronchiolitis) اور دمہ کی علامات ملتی جلتی اور مغالطے کا سبب بنتی ہیں۔

زیادہ شدید دورے کی صورت میں سانس لینے میں دشواری کے ساتھ بے چینی کی کیفیت، دل کا تیزی سے دھڑکنا، شدید پسینہ، بولنے میں دشواری، سیدھا لیٹنے میں دقت وغیرہ جیسی علامات موجود ہوتی ہیں۔ ایسی صورت میں علاج سے غفلت کی وجہ سے مریض کا سانس بھی بند ہوسکتا ہے۔ اس کے ہونٹ اور ہاتھ پیر نیلے پڑسکتے ہیں اور موت بھی واقع ہوسکتی ہے۔

✿.... بیشتر دمہ کے مریضوں کو بالوں والے جانوروں سے الرجی ہوتی ہے۔ جانوروں کو گھر سے باہر رکھیں، پالتو جانوروں کو دمہ کے مریضوں سے دور رکھیں۔

✿.... ایسی گھریلو اشیاء جس میں House Dustmite پائی جاتی ہے۔ دمہ کی علامات کو بڑھاتی ہیں۔ ان سے دور رہیں۔

✿.... اگر آپ کو یا آپ کے بچے کو دمہ کی شکایت ہے تو سگریٹ نوشی سے گریز کریں۔

✿.... زرد دانوں سے اکثر دمہ کی علامات میں اضافہ ہوتا ہے۔ پھولوں کو بہت قریب نہ رکھیں۔

✿ .... تیز خوشبوؤں سے گریز کریں۔

پھل سبزیوں اور قدرتی اشیاء سے دمہ کے علاج کے لیے ضروری ہے کہ چیزیں زیادہ ہوں۔ دمے کے علاج میں لہسن مفید بتایا جاتا ہے۔ مرض ابتدائی مرحلے میں ہو تو لہسن کی ایک پوتھی تیس گرام دودھ میں ابال کر پلا دی جائے۔ اورک کی گرم گرم چائے میں ایک پوتھی لہسن پیس کر ملائی جائے اور صبح و شام ایک ایک کپ پلانے سے مرض قابو میں آجاتا ہے۔

اسی طرح ہلدی کو بھی دمے کا موثر علاج بتایا جاتا ہے۔ مریض کو دن میں تین مرتبہ ایک ایک چمچ پسی ہوئی ہلدی دودھ کے ہمراہ کھلائی جائے۔ صبح خالی پیٹ ایک چمچ پسی ہوئی ہلدی کھانا بہت جلدی اپنا اثر دکھاتا ہے۔

علاج

شدید دمہ کے مرض میں اپنے معالج سے رجوع کریں۔

بیشتر دمہ کے مریضوں کو دو قسم کی ادویات کی ضرورت ہوتی ہے۔

Reliever فوری اثر کرنے والی ادویات۔

✿ .... دمہ کے مریضوں کو ایک فوری اثر کرنے والی دوا کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ فوری اثر کرنے والی دوا Bronchospasm کو کم کرتی ہے اور سانس کی نالیوں کو کھول دیتی ہے۔ ایسی دوا کو Reliever کہتے ہیں۔

✿ .... اگر آپ کو ہفتے میں دو مرتبہ سے زیادہ اپنی فوری اثر کرنے والی دوا کو استعمال کرنا پڑتا ہے تو آپ کو دمہ کو کنٹرول کرنے والی Prsventor دوا کی بھی ضرورت ہے۔

Preventor دمہ کو کنٹرول کرنے والی ادویات۔

✿ .... Preventor دوا ہر روز استعمال کرنے سے پھیپھڑوں کی حفاظت ہوتی ہے اور دمہ کے حملوں سے کافی حد تک بچاؤ ممکن ہے۔

آپ کی آسانی کے لیے ڈاکٹر ایک طریقہ کار بنا کر دے سکتا ہے۔ اپنے ڈاکٹر سے معلوم کریں کہ کون سی دوا فوری استعمال کی ہے اور اس کو کس طرح دمہ کے حملہ کے دوران استعمال کرنا چاہیے۔ ڈاکٹر کے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل کریں۔ اپنے ڈاکٹر سے کہیں کہ وہ لکھ کر بتائے کہ کون سی دوا کب لینی چاہیے۔

دمہ کو کنٹرول کرنے والا انہیلر ہر روز استعمال کرنے سے پھیپھڑوں کی حفاظت ہوتی ہے۔ اگر آپ بہت سالوں سے دمہ کو کنٹرول کرنے والا انہیلر Preventive ادویات استعمال کر رہے ہوں، تو بھی آپ ان کے عادی نہیں ہوسکتے۔ Preventive ادویات سے سانس کی نالیوں میں موجود سوجن کم ہو جاتی ہے۔ Preventive دوائیں ڈاکٹر آپ کو مندرجہ ذیل صورتوں میں استعمال کروا سکتا ہے۔

✿ .... اگر آپ کی نیند دمہ کی وجہ سے ٹوٹ جائے۔

✿ .... اگر آپ کو بہت کم وقفے سے دمہ کا حملہ ہو۔

✿ .... اگر آپ کو ہفتے میں دو مرتبہ سے زیادہ اپنی فوری اثر کرنے والی دوا کو استعمال کرنا پڑتا ہے تو آپ کو دمہ کنٹرول کرنے والی Preventor دوا کی بھی ضرورت ہے۔

ڈاکٹر آپ کی دوائیں اور ان کی مقدار بدل سکتا

ہے۔ سال میں دو تین مرتبہ اپنے ڈاکٹر سے چیک اپ ضرور کروائیں۔ وقت کے ساتھ دمہ بہتر بھی ہو سکتا ہے اور بدتر بھی۔ ضرورت پڑنے پر ڈاکٹر آپ کی دوا تبدیل بھی کر سکتا ہے۔ ڈاکٹر کو بھی دواؤں کے استعمال سے متعلق مشکلات سے آگاہ کریں۔

احتیاط

جب بھی کسی فرد پر دمے کا دورہ پڑے، اسے صاف اور ہوادار کمرے میں لے جایا جائے۔ اس کے سینے اور گردن پر اگر لباس کی بندش سخت ہے تو اسے ڈھیلا کردیں۔

مریض کے لیے ٹیک لگا کر آرام سے بیٹھنے کا بندوبست کیا جائے۔ اگر موسم سرد اور خشک ہو تو گرم پانی میں لوبان یا بیل گری کے پتے ڈال کر اسے قریب رکھا جائے تاکہ اس کی بھاپ سانس کے ذریعے پھیپھڑوں میں جائے۔

مریض کو چند روز "لیموں کے رس کا فاقہ" کرائیے۔ رس میں تھوڑا سا شہد بھی ملا دیجیے۔ بعد ازاں فروٹ کی خوراک دینا شروع کیجیے تاکہ اس کا نظام اخراج مضبوط ہو سکے اور اندر جمع شدہ زہریلے مادے جلد از جلد خارج ہو جائیں۔ رفتہ رفتہ مریض کو ٹھوس غذاؤں پر لے آیئے۔ تاہم اسے غلط غذائی عادات ترک کرنا ہوں گی۔ مناسب ترین بات یہ ہوگی مریض کی غذا میں تیزاب پیدا کرنے والی کاربوہائیڈریٹس، فیٹس اور پروٹینز کی محدود مقدار ہی شامل کی جائے اور القلائن اشیاء (تازہ فروٹ، سبز پتوں والی سبزیوں اور چنے وغیرہ) وافر مقدار میں کھلائی جائیں۔ بلغم پیدا کرنے والی غذاؤں مثلاً چاول، چینی، مسور اور دہی سے پرہیز کی جائے۔ تلی ہوئی اور ثقیل غذائیں بھی نہ کھلائی جائیں۔ جبکہ مریض کا ناشتہ آلو بخارے، کنوں مالٹے، بیری، کشمش اور شہد پر مشتمل ہونا چاہیے۔ لنچ اور ڈنر، سلاد، کچی سبزیوں، کھیرے، ٹماٹر، گاجر، چقندر ایک یا دو ابلی ہوئی سبزیوں اور گندم کی چپاتی پر مشتمل ہونے چاہئیں۔ آخری کھانا یا تو غروب آفتاب سے پہلے یا سونے سے دو گھنٹے قبل کھایا جائے۔

دمے کے مریضوں کو کھانا ہمیشہ اپنی گنجائش سے کم کھانا چاہیے، روٹی آہستہ آہستہ اور اچھی طرح چبا کر کھائی جائے۔ دن میں آٹھ دس گلاس پانی پیا جائے لیکن کھانے کے ہمراہ پانی یا کوئی دوسرا مشروب ہرگز نہ پیا جائے۔ مسالے، سرخ مرچیں، اچار، چائے اور کافی سے بھی پرہیز ہونی چاہیے۔ دمہ (خاص طور پر جب اس کا حملہ شدید ہو) بھوک کا خاتمہ کر دیتا ہے، لہٰذا ایسی صورت میں مریض کو کھانے پر مجبور نہ کیا جائے۔ اسے اس وقت تک حالت فاقہ میں رکھا جائے جب تک مرض کی شدت کم نہیں ہو جاتی۔ تاہم اسے ہر دو گھنٹہ کے بعد گرم پانی کا ایک کپ پیتے رہنا چاہیے۔

❄

صحت مند غذا

صحت مندی کی ایک لازمی شرط متوازن طرزِ زندگی ہے۔ایسی زندگی متوازن غذا پر منحصر ہے۔ بہت سے لوگ متوازن غذا کو ایک مشکل سائنسی یا طبی فارمولا تصور کرتے ہیں، حالانکہ یہ فقط قدرتی اصولوں کے مطابق غذائیں استعمال کرنے کا نام ہے۔ اس میں بنیادی بات سادہ، تازہ، قدرتی اور زود ہضم غذا کی فراہمی ہے۔

سادہ اور عمدہ غذا سے مراد یہ نہیں کہ بہت سی چیزیں غذا سے خارج ہی کر دی جائیں مثلاً بعض لوگ گوشت نہیں کھاتے، بعض دودھ اور مکھن سے پرہیز کرتے ہیں، بعض صرف سبزیوں پر گزارہ کرتے ہیں یا محض گوشت کھاتے ہیں۔ عمدہ غذا سے مراد متوازن خوراک ہے جس میں حیاتین، معدنیات اور ریشہ دار غذاؤں اور پروٹین کی مناسب مقداریں شامل ہوں۔

تغذیے کے بارے میں لاتعداد لوگ افسوس ناک حد تک لاعلم اور بے پروا پائے جاتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ تازہ اور کچی سبزیاں، پھل، خالص طور پر رس دار پھل نیز ریشے دار غذائیں ہر شخص کی روزمرہ غذا میں لازماً شامل ہونی چاہئیں۔

ڈاکٹر برچ جن کا تعلق سوئٹزرلینڈ سے ہے، اپنا تجربہ بیان کرتے ہیں کہ انہیں ایک مرتبہ سخت یرقان ہوگیا اور وہ بہت قلیل اور پرہیزی غذا پر تھے۔ ان کو بھوک بھی نہیں لگتی تھی۔ ایک دن اتفاق ایسا ہوا کہ ان کے پاس ہی بیٹھی ان کی اہلیہ سیب کی قاشیں بنا رہی تھیں۔ ڈاکٹر برچ نے اچانک بے خیالی میں سیب کی ایک قاش منہ میں رکھ لی اور اسے چبا کر نگل گئے۔ انہیں یہ قاش بہت مزے دار اور پرلطف لگی، چنانچہ وہ فوراً ہی پورا ایک سیب کھا گئے۔ پھر تو ہر روز کئی دن تک متواتر سیب ہی کھاتے رہے اور حیرت انگیز طور پر وہ ہفتے بھر میں مائل بہ صحت ہوگئے اور یرقان سے نجات پاگئے۔ اس کے بعد ڈاکٹر برچ علاج بالغذا کے قائل ہوگئے۔

طوبیٰ دانش

تحقیق سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ پکے ہوئے کھانے مسلسل کھانے سے آنتوں اور معدے کی نالی پر بار پڑتا ہے جس کا ازالہ قدرتی یعنی کچی سبزیوں اور

ترکاریوں اور تازہ موسمی پھلوں سے کیا جاسکتا ہے۔ یہ بھی پتہ چلا ہے کہ کچی ترکاریاں اور تازہ پھل کھانے سے خون میں سفید ذرات کی تعداد آسانی سے نارمل ہو جاتی ہے۔ بہت سے مریضوں کو ایسی غذائیں فراہم کرنے سے یہ بات مشاہدے میں آئی کہ ان کے معدے کی غذائی نالی اور آنتوں کی سوجن جاتی رہی۔

ماہرین کی رائے میں یہ کوئی حیرت کی بات نہیں، اس لیے کہ ابتدائی یا غیر مہذب انسان کی اصل غذا پکے ہوئے کھانے نہیں بلکہ پھل، سبزیاں اور کچا سالم اناج یا پھلیاں تھیں۔ انسان کئی ہزار سال اسی غذا پر خوب طاقتور اور صحت مند رہا۔

آج بھی اچھی صحت کے لیے ضروری ہے کہ غذا میں سے چربی اور ثقیل اجزا کم کیے جائیں اور قدرتی اور تازہ غذا کھائی جائے۔ تغذیے کو منفی بنانے والی عادات مثلاً تمباکو کیفین یعنی چائے اور کافی اور کولا مشروبات سے گریز کیا جائے اور منشیات سے مکمل اجتناب برتا جائے۔

متوازن غذا کے لیے ایک اور سہل تدبیر یہ بھی ہے کہ ہر کھانے کی ابتدا کسی تازہ یا کچی سبزی، سلاد، گاجر، کھیرے، ککڑی، کسی تازہ پھل یا سبزی کی یخنی سے کی جائے۔

کھانے کے بعد ثقیل میٹھی ڈش کے بجائے تازہ پھل کا رس نوش جان کیا جائے یا سیب یا کیلا کھا لیا جائے۔ گویا کھانے کے دونوں سرے ابتدا اور اختتام، قدرتی غذا کے ہوں۔ ان کے درمیان ہلکے پروٹین، کم آنچ میں پکی ہوئی سبزی یا مچھلی یا دالیں اور سالم اناج استعمال کیے جائیں۔

اس طریقے سے صحت اچھی رہے گی اور زندگی پُر مسرت گزرے گی۔

آپ سوچیے...! کیا ایسا نہیں ہے کہ ہم لذت کے نام پر اپنی غذا کا نظام بگاڑ کر ان گنت بیماریوں میں گھر گئے ہیں۔

❄

دماغی صحت میں اضافہ کرنے والی غذائیں

زندگی کو بہتر انداز اور کامیابی کے ساتھ گزارنے کے لیے جسم کے ساتھ ساتھ دماغ کی کارکردگی کا بہتر ہونا ضروری ہے۔ ورزش کے ساتھ اچھی غذا ذہنی کارکردگی کو بہتر بنانے میں معاون و مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔ درج ذیل میں آپ کو ایسی غذاؤں کے بارے میں معلومات فراہم کی جارہی ہیں جو دماغی صلاحیتوں میں اضافے کا باعث بن سکتی ہیں۔

بادام

بادام کے استعمال سے دماغی صلاحیت بڑھتی اور قائم رہتی ہے۔ بادام کو خوب چبا کر کھانا چاہیے، بادام میں کوپر، آئرن، فاسفورس اور وٹامن بھی بکثرت موجود ہوتا ہے۔ بہتر طریقہ یہ ہے کہ انہیں رات بھر پانی میں بھگو کر رکھا جائے اور صبح چھیل کر استعمال کیا جائے۔ اس طرح ان کا مزاج بھی معتدل ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر نسرین شیخ

روغنی مچھلی

اومیگا تھری فیٹی ایسڈز، روغنی مچھلی کا لازمی جز ہیں انہیں یادداشت کو بہتر بنانے میں اہم سمجھا جاتا ہے۔

اس قسم کی مچھلی کے ذرائع میں سارڈین، سالمن، ہیرنگ اور میکریل مچھلیاں شامل ہیں۔

سویا

قدرتی نباتاتی اوسٹروجین سویا فوڈ میں پایا جاتا ہے۔ یہ انسانی دماغ کے لیے بہت مفید ہے۔ سویا ملک اور Tofu فش اس کے حصول کا منبع ہیں۔

انڈے

Cholive ایک بی کمپلیکس وٹامن ہے جو بلند کولیسٹرول کی حامل غذاؤں جیسے انڈوں اور کلیجی میں پایا جاتا ہے اس کی کمی سے یادداشت اور توجہ کے ارتکاز میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے۔

وٹامنز اور منرلز

وٹامن بی اور بی 11 کی مدد سے بھی یادداشت بہتر ہوتی ہے یہ وٹامن آپ کو جگر یا کلیجی، دودھ،

بادام، گہرے سبز رنگ کی سبزیوں، مشروم، روٹی اور پاستہ سے حاصل ہوتا ہے۔

وٹامن B-12 ایک حیرت انگیز دوا ہے۔ یہ اعصابی ٹشوز کی صحت مند نشوونما کے لیے ناگزیر ہے اس کی کمی دماغی بگاڑ کا سبب بن سکتی ہے۔ یہ وٹامن توجہ کی صلاحیت اور یادداشت بڑھانے میں مدد و معاون ہے۔ یہ وٹامن کلیجی، گائے کے گوشت، انڈوں، پنیر اور مچھلی سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

آئرن یا فولاد

آئرن، خون کے سرخ خلیوں کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ پورے جسم میں آکسیجن بھیج سکیں۔ آئرن دماغ میں پیغامات وصول کرنے کے عمل میں بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ آئرن ہرے پتے والی سبزیوں، کشمش، مونگ پھلی، مکھن، انڈے، کلیجی اور سویابین سے حاصل ہوتا ہے۔

زنک

زنک کی مدد سے بھی ذہنی استعداد بڑھانے میں مدد ملتی ہے، زنک سمندری غذا جیسے مچھلی، دالوں، ثابت اناج اور بڑے گوشت میں پایا جاتا ہے۔

پروٹین اور گوشت

یہ عام طور پر اچھے جذبات کو تحریک دیتا ہے۔ اس کا تعلق سرگرمی اور توجہ بڑھانے سے ہے، مغزیات اور دالیں پروٹین کا ماخذ ہیں۔

کاربوہائیڈریٹ

کاربوہائیڈریٹ کی کمی یا زیادتی انسان کے سونے، جاگنے کے معمولات، موڈ، بھوک، حساسیت اور خوشی و غم پر اثر انداز ہوتی ہے۔ نشاستہ دار سبزیاں، آلو، دلیہ جات اور چاول اس کے اہم ذرائع ہیں۔

پانی

انسانی زندگی میں پانی کی اہمیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ یہ غذائی اجزاء کو دماغ تک پہنچانے کے لیے آمد و رفت کا کام کرتا ہے۔ اس کے علاوہ جسم سے زہریلے اجزاء مادے خارج کرنے میں مدد دیتا ہے۔ ہمارے دماغ کو مکمل طور پر مرطوب رہنے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ جسم میں گردشی افعال بہترین سطح پر ہو سکیں۔

پانی کسی بھی کام میں توجہ دینے اور مستعد رہنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

آکسیجن

انسان کی مستعدی اور چستی میں آکسیجن بھی اہم کردار ادا کرتی ہے۔ ہمارے جسم میں زیادہ تر آکسیجن بھاری کھانا کھانے کے بعد نظام ہضم میں استعمال ہو جاتی ہے۔ اس لیے دن بھر میں وقفے وقفے سے تھوڑی تھوڑی مقدار میں کھانا، کھانا بہتر ہے۔ رات ہونے کے ساتھ ساتھ یعنی سورج غروب ہونے کے ساتھ ساتھ ہمارا میٹابولزم بھی سست ہونے لگتا ہے اور دل و دماغ کی کارکردگی سست ہونے لگتی ہے اس لیے رات کا کھانا سات سے نو بجے کے درمیان کھالینا بہتر ہے۔

❄

بادام

صحت کا محافظ

گری والے میوؤں میں سے بادام وہ میوہ ہے جس میں کئی ایسے عناصر موجود ہیں جو جسم انسانی کی ضرورت ہوتے ہیں۔ بادام میں اعلیٰ درجہ کی غذائیت بافراط پائی جاتی ہے۔ بادام ایسا موثر اور توانائی بخش میوہ ہے جس سے جسم و دماغ دونوں کو فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

بادام کو خوب چبا چبا کر کھانا چاہیے۔ اس طرح اس میں زیادہ لعاب دہن شامل ہوتا رہتا ہے جو اسے ہضم کرنے میں مددگار ہوتا ہے۔ اس طرح دانت بھی مضبوط ہوتے ہیں۔ ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ بادام توڑ کر ان کی گریاں نکال لیں۔ گریوں کو گھنٹہ بھر پانی میں بھگو دیں۔ ان کے اوپر کا باریک چھلکا نرم ہو چکا ہوگا، اسے چھیل کر اتار دیں۔ گریوں کو اچھی طرح گرائنڈ کرلیں۔ یا سردائی کی طرح پیسٹ بنالیں۔ یہ پیسٹ زود ہضم ہونے کے ساتھ ساتھ جلد جزو بدن ہوتا ہے۔ عمر رسیدہ لوگوں کے دانت کمزور ہوتے ہیں یا نہیں ہوتے وہ بادام کو چبا نہیں سکتے جبکہ پیسٹ کو آسانی سے کھا لیتے ہیں۔ سبزیاں کھانے والے اس پیسٹ (بادام کے مکھن) کو ڈیری کے مکھن پر زیادہ ترجیح دیتے ہیں۔ بادام کا مکھن کھانے والوں کو نہ صرف عمدہ اعلیٰ قسم کی پروٹین میسر آتی ہے بلکہ دیگر اعلیٰ ترین غذائی اجزاء بھی وافر مقدار میں میسر آجاتے ہیں۔ بادام کی بہترین غذائی صورت بادام کا دودھ ہوتا ہے۔ یہ دودھ وٹامنز سے بھرپور ہوتا ہے۔ بادام کے دودھ میں گائے بھینس کے دودھ کی نسبت زیادہ خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ ہضم ہونے میں بھی یہ دودھ گائے کے دودھ سے زیادہ جلدی ہضم ہوجاتا ہے جن دودھ پینے والے بچوں کو گائے کا دودھ موافق نہ ہو، ان شیر خوار بچوں کے لیے بادام کا دودھ بہترین غذا ہے۔ بادام کا دودھ تیار کرنا بھی بہت آسان ہے۔ بادام کا مکھن (پیسٹ) جس کو بنانے کا طریقہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے، 250 گرام پیسٹ میں 750 ملی لیٹر ابلا ہوا پانی ٹھنڈا کر کے شامل کرنے سے ایک لیٹر دودھ تیار کیا جاسکتا ہے۔

سارہ اسد

ایک سو گرام مغز بادام میں پروٹین 20.8 فیصد، معدنی اجزاء 2.9 فیصد، رطوبت 5.2 فیصد، چکنائی 58.9 فیصد، کاربوہائیڈریٹس، 10.5 فیصد اور ریشے 1.7 فیصد ہوتے ہیں۔ جبکہ اسی مقدار مغز بادام کے معدنی اور حیاتینی اجزاء میں فاسفورس 490 ملی گرام، آئرن 4.5 ملی گرام، کیلشیم 230 ملی گرام، نایاسین 4.4 ملی گرام کے علاوہ کچھ مقدار وٹامن بی کمپلیکس بھی شامل ہوتی ہے۔ 100 گرام مغز بادام کی غذائی صلاحیت 665 کیلوریز ہے۔

بادام میں پائی جانے والی چکنائی میں روغن زیادہ نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے یہ فائدہ مند چکنائی قرار دی جاتی ہے۔ 100 گرام مغز بادام میں لائنولیک ایسڈ کی مقدار گیارہ گرام کے قریب ہوتی ہے۔ یہ ایسا مرغن ترشہ (تیزاب) ہوتا ہے جو کولیسٹرول کی سطح کو کم کرنے میں معاونت کرتا ہے۔

درج ذیل میں بادام کے چند طبی استعمال دیے جا رہے ہیں۔

✽ .... وہ حضرات جن کے معدے کمزور ہوں، انہیں قبض دور کرنے کے لیے سات گرام روغن بادام میں گرم دودھ ملا کر پی لینا چاہیے۔

✽ .... بادام کی طبی خوبیوں کا دارومدار بنیادی طور پر کاپر، آئرن اور وٹامن بی 1 کے طبی کردار پر منحصر ہے۔ یہ ایسے کیمیائی اجزاء ہیں جن کے باہمی تعاون کے نتیجہ میں توانائی منظم ہوتی ہے۔ بادام استعمال کرتے رہنے سے دماغی طاقت برقرار رہتی ہے۔ اعصاب میں مضبوطی آجاتی ہے۔

✽ .... بادام کے پیسٹ میں دودھ کی کریم اور تازہ گلاب کی کلیاں ملا کر ہر روز چہرے پر لگاتے رہنے سے چہرے کی رنگت میں نکھار آجاتا ہے۔ جلد ملائم ہو جاتی ہے۔ خشکی ختم ہو جاتی ہے۔ باقاعدہ استعمال سے قبل از وقت پیدا ہونے والی جھریاں رک جاتی ہیں۔ چہرہ پُرکشش بن جاتا ہے۔ کیل مہاسے اور پھنسیوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

✽ .... ایک چمچ روغن بادام میں ایک چمچ آملہ جوس ملا کر سر پر مساج کرتے رہنے سے بالوں کا گرنا بند ہو جاتا ہے۔ خشکی اور سکری کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ روغن بادام کا مستقل استعمال بالوں کو قبل از وقت سفید ہونے سے روکتا ہے۔ بال لمبے اور چمکدار ہونے کے ساتھ ساتھ گھنے ہو جاتے ہیں۔

ماہرین صحت قلب کی صحت کے لیے بھی بادام کو مفید قرار دیتے ہیں۔ امریکا میں حالیہ تحقیق سے یہ معلوم ہوا ہے کہ بادام کھانے سے دل کی بیماری کا خطرہ نمایاں طور پر کم ہو جاتا ہے۔ اگر ہماری غذا میں چکنائی مجموعی طور پر اس حد سے بھی زیادہ ہو جو عام طور پر تجویز کی جاتی ہے تو بھی بادام کھانے سے فائدہ ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ بادام جسم میں کولیسٹرول کی سطح کم کرتا ہے اور اس میں دل کو تقویت پہنچانے والے حیاتین اور معدنیات ہوتے ہیں۔ جن میں حیاتین ہ، میگنیزیم اور کیلشیم شامل ہیں۔

پہلے عام خیال یہ تھا کہ بادام یا دوسری قسم کی گری کھانے سے انسان موٹا ہو جاتا ہے، لیکن امریکا میں لاس الناس کے طبی تحقیقی مرکز کے ڈائریکٹر ڈاکٹر جین اسپیلر نے اس خیال کو رد کیا ہے۔ ڈاکٹر جین کا کہنا ہے کہ بادام دل کی صحت کے

لیے مفید ہے۔

سوال یہ ہے کہ بادام کی اس خصوصیت کی وجہ کیا ہے....؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ بادام غیر سیر شدہ چکنائی (Monounsaturated Fats) کے حصول کا ایک اچھا ذریعہ ہے اور اس میں سیر شدہ چکنائی (Saturated Fats) بہت کم ہوتی ہے۔ یہ چکنائی بھیڑ، بکری، کے گوشت اور دودھ سے تیار شدہ اشیاء میں پائی جاتی ہے اور دل کی بیماری کا خطرہ بڑھاتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ بادام میں ایک خاص قسم کے ریشے کی خاصی زیادہ مقدار پائی جاتی ہے جو کولیسٹرول کی سطح کم کرنے میں مدد دیتا ہے۔ تیسری بات یہ کہ بادام میں کچھ نباتی کیمیائی اجزا ایسے پائے جاتے ہیں جو دل کی بیماری کا خطرہ کم کردیتے ہیں۔ یہ اجزا صابونین (Saponins) اور اسٹیرول (Sterols) وغیرہ ہیں اور آخری بات یہ کہ بادام میں پائے جانے والے پروٹین کا خون میں شامل چکنائی پر اچھا اثر پڑتا ہے۔

ڈاکٹر جین کا کہنا ہے کہ "ایک بات یقین سے کہی جاسکتی ہے۔ جن لوگوں کو کولیسٹرول کی زیادتی کی شکایت ہے اور وہ اسے کم کرنے والی غذا کھا رہے ہیں انہیں چاہیے کہ وہ بادام کو اپنی غذا میں ضرور شامل کریں۔"

اس حالیہ تحقیق سے قبل ہارورڈ کے ایک طبی ادارے نے بھی ایک تحقیقی جائزہ تیار کیا تھا جس کے دوران 86 ہزار خواتین پر تجربے کیے گئے۔ نتیجہ یہ اخذ کیا گیا کہ جن خواتین نے ہفتے میں پانچ اونس سے زیادہ میوے کی گری (Nuts) کھائی ان کے لیے ان خواتین کی نسبت دل کی بیماری کا خطرہ پینتیس فیصد کم ہوگیا۔ جنہوں نے مہینے میں ایک اونس گری کھائی یا بالکل نہیں کھائی، ہارورڈ اسکول آف پبلک ہیلتھ کے ڈاکٹر فرینک ہیل نے جو تحقیق کی رہنمائی کر رہے تھے یہ کہا کہ انہیں ان عورتوں پر تجربہ کرنے کے بعد پتا چلا ہے کہ گری کھانے سے ان عورتوں میں دل کی بیماری کا خطرہ نمایاں طور پر کم ہوگیا۔ خصوصاً بادام اور مونگ پھلی دونوں میں ایسے اجزا پائے گئے جو دل کے لیے مفید ہیں۔

کچھ دیگر جائزوں سے بھی پتا چلا ہے کہ دل کے لیے مفید غذا میں اگر بادام کی خاصی بڑی مقدار بھی شامل کردی جائے تو خون میں کولیسٹرول کی مجموعی سطح اور مضر صحت کولیسٹرول ایل ڈی ایل کی سطح کم ہوتی ہے اور مفید صحت کولیسٹرول ایچ ڈی ایل کی سطح برقرار رہتی ہے۔ جو لوگ چکنائی زیادہ کھاتے ہیں ان میں بھی گری اور خصوصاً بادام کی افادیت اپنا اثر دکھاتی رہتی ہے۔

❄

بلیو بیری!

پھلوں کی دنیا میں سُپر اسٹار پھل

آج کل لوگ اپنی صحت و غذا کے معاملے میں زیادہ حساس اور زیادہ باشعور ہو چکے ہیں۔ لوگ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ وہ کیا کھا رہے ہیں اور کیوں کھا رہے ہیں....؟ صحت و تندرستی کے متلاشی خواتین و حضرات یہ جان کر خوش ہوں گے کہ مختلف اقسام کی بیریز کے نت نئے صحت بخش فوائد دریافت ہو رہے ہیں۔

غذائیت

ننھی منی، گول سیاہی مائل نیلے رنگ اور چمکدار رو پہلی جلد کی حامل بیریز صحت کے لیے بہترین غذائیت بخش اجزاء فراہم کرتی ہیں۔ دیگر بیریز کی طرح بلیو بیریز میں وٹامن سی، وٹامن کے، مینگنیز، آئرن اور غذائی ریشے کی قابل قدر مقدار پائی جاتی ہے۔ ایک کپ یا 148 گرام بلیو بیریز میں صحت بخش غذائی اجزاء کچھ اس تناسب سے پائے جاتے ہیں۔

وٹامن K 35.5 فیصد، مینگنیز 25.0 فیصد، وٹامن C، 23.9 فیصد، غذائی ریشہ 14.2 فیصد۔

جبکہ ایک کپ بلیو بیریز سے ہم چوراسی کیلوریز حاصل کر سکتے ہیں۔

لوگ ایشیائی فالسے کو ہی بلیو بیری سمجھتے ہیں گو کہ فالسہ کا تعلق بھی بیری فیملی ہی سے ہے، لیکن ایک دوسرے سے بہت زیادہ مماثل ہونے کے باوجود یہ ایک نہیں ہیں۔ فالسہ جنوبی ایشیا کا پھل ہے اور دونوں کے ذائقے اور ساخت میں بہت فرق ہوتا ہے۔

خریدنے، محفوظ کرنے اور پکانے کا طریقہ

بہترین بلیو بیریز وہ ہوتی ہیں، جنہیں آپ خود براہ راست جھاڑی سے توڑ کر کھاتے ہیں، لیکن اگر آپ اسے گروسری اسٹور سے خرید رہی ہیں تو یہ دیکھ لیں کہ بیریز گودے دار ہوں اور اوپر کی جلد سخت، چمکدار اور ان کا رنگ اور سائز ایک جیسا ہو۔ ایسی بیریز خریدنے سے گریز کریں، جن کا رنگ مدھم اور

محمد ریاض علوی

گودا نرم ہو چکا ہو۔ بیریز کی تازگی جانچنے کے لیے انہیں ایک بوتل یا جار میں ڈال کر ہلائیں، اگر وہ آزادانہ طور پر حرکت کر رہی ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ ان کی تازگی برقرار ہے اور اگر وہ آزادی سے حرکت نہیں کر رہیں اور نرم پڑ چکی ہیں تو پھر وہ اپنی تازگی اور خستگی کو کھو چکی ہیں۔

بیریز کو محفوظ کرنے سے پہلے نرم، دبی ہوئی اور پھپھوندی لگی ہوئی بیریز کو الگ کرلیں۔ بلیو بیریز کو ہمیشہ اس وقت دھوئیں جس وقت آپ اسے فوری طور پر کھالیں۔ اگر آپ اسے کھانے سے کئی گھنٹے پہلے دھولیں گی تو اس کی اوپری چکدار جلد جو بیری کو خراب ہونے سے محفوظ رکھتی ہے۔ علیحدہ ہو جائے گی، اس سے بیری کے جلدی خراب ہونے کا خدشہ ہے۔

لہٰذا بیریز کو ایک سے زیادہ دنوں تک محفوظ کرنے کے لیے انہیں ڈھانپ کر فریج کے نچلے خانے میں دیکھ دیں، یہاں یہ تین سے چار دن تک درست حالت میں رہیں گی۔

پکی ہوئی پختہ بیریز کو آپ فریز بھی کرسکتی ہیں، البتہ فریز کرنے سے ان کے ذائقے اور ساخت میں ہلکی سی تبدیلی آجائے گی۔ فریز کرنے سے پہلے بیریز کو دھو کر خشک کرلیں، خراب بیریز کو نکال کر الگ کرلیں کسی چپٹی ٹرے میں ایک، ایک کرکے بیریز کو ایک دوسرے سے فاصلے پر رکھ کر فریز کرلیں۔ فریز ہونے کے بعد انہیں نکال کر کسی پلاسٹک بیگ یا باکس میں ڈال کر فریزر میں رکھ دیں۔ جدید ریسرچ کے مطابق تازہ بلیو بیریز کو فریز کیا جاسکتا ہے اور فریز کرنے سے اس میں موجود اینٹی آکسیڈنٹس ضائع نہیں ہوتے تازہ بیریز بہت نازک ہوتی ہیں، دھونے کے بعد انہیں بے حد احتیاط سے خشک کرنا چاہیے بہتر یہ ہے کہ انہیں کسی چھلنی میں پانچ سے دس منٹ کے لیے رکھ دیں۔ بیریز کو دھونے کے بعد فوراً کھالینا چاہیے ورنہ کچھ ہی دیر کے بعد یہ گلنا سڑنا شروع ہو جائیں گے۔

بلیو بیریز میں نرم بیج ہوتے ہیں، اس لیے انہیں عام طور پر بغیر پکائے ہوئے کچی حالت میں کھانے کو ترجیح دی جاتی ہے۔ کبھی کبھار انہیں پائی یا مفن میں استعمال کیا جاتا ہے یا جام اور سیرپ بنایا جاتا ہے لیکن اگر آپ بلیو بیریز میں موجود غذائیت بخش اجزاء کے گوائد سے مکمل طور پر مستفید ہونا چاہتے ہیں تو انہیں تازہ ہی استعمال کیجیے کیونکہ بیکنگ کے لیے استعمال کیے جانے والے اونچے درجہ حرارت پر ان میں موجود صحت بخش اجزاء وٹامنز، اینٹی آکسیڈنٹ اور انزائمز ضائع ہو جاتے ہیں۔

فروزن بلیو بیریز کو بریک فاسٹ شیک میں استعمال کرسکتے ہیں۔ تازہ خشک بلیو بیریز کو ٹھنڈے بریک فاسٹ سیریل میں شامل کرکے اس کی غذائیت میں کئی گنا اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

مزیدار ڈیزرٹ تیار کرنے کے لیے سرونگ گلاسز میں ایک تہہ دہی کی لگا کر اس کے اوپر بلیو بیریز سیٹ کردیں اور ٹھنڈا کرکے سرو کریں۔ اس کے علاوہ بلیو بیریز کو فروٹ سلاد، چاکلیٹ سوس اور کاجو سوس کے ساتھ یا صرف سادہ ہی اور چاکلیٹ سیرپ کے ساتھ بھی سرو کرسکتے ہیں۔ بلیو بیریز کا ذائقہ اس وقت دوچند ہو جاتا ہے جب انہیں کریم اور شکر کے ساتھ سرو کیا جاتا ہے۔

طبی فوائد

اپنی صحت بخش خصوصیات کی بناء پر پھلوں کی دنیا میں بلیو بیریز کو کسی سپر اسٹار کا سا درجہ حاصل ہے۔ بلیو بیریز کے صحت بخش اجزاء میں لاتعداد طبی خواص موجود ہیں ان میں سے چند یہ ہیں۔

دل اور شریانوں کی سختی کا عارضہ

بلیو بیری میں موجود اینٹی آکسیڈنٹ دل اور شریانوں کے نظام کو تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ بلیو بیری پر ریسرچ کے دوران یہ دریافت کیا گیا ہے کہ تین مہینے تک روزانہ ایک سے دو کپ بلیو بیریز استعمال کرنے سے خون میں موجود چکنائی کی سطح متوازن ہو جاتی ہے۔

یہ برے کولیسٹرول LDL کو کم کرتی ہیں اور اچھے کولیسٹرول HDL کی سطح میں اضافہ کرتی ہیں۔ بلیو بیری میں موجود اینٹی آکسیڈنٹ شریانوں کی دیواروں کی ساخت کو مضبوط بناتے ہیں اور خون کی شریانوں کے بند ہونے کے عمل میں رکاوٹ ڈالتے ہیں۔

جب ہم دل اور شریانوں کے عوارض کی بات کرتے ہیں تو ہمیں بلڈ پریشر (ہائی بلڈ پریشر) کو نہیں بھولنا چاہیے۔ مختلف عمروں سے تعلق رکھنے والے مردوں اور خواتین کو جب باقاعدگی سے بلیو بیریز کھلائی گئیں تو ان کے بلڈ پریشر کی سطح میں نمایاں کمی دیکھی گئی۔

خون میں شکر کی سطح کو متوازن رکھتی ہیں

اکثر ذیابیطس ٹائپ 2 میں مبتلا افراد فربہ ہونے کی وجہ سے خون میں شکر کے توازن کو برقرار رکھنے میں شدید دشواری محسوس کرتے ہیں، یہ ان افراد کے لیے اور بھی مشکل ہو جاتا ہے، جن کے خون میں شکر کی سطح تیزی سے بڑھ جاتی ہے یا کم ہو جاتی ہے۔ جدید ریسرچ کے مطابق ایسے افراد کی روزانہ کی خوراک میں بلیو بیریز شامل کی گئیں تو ان کے خون میں شکر کے توازن میں بہتری دیکھی گئی۔

جب بلیو بیریز کا دوسری بیریز سے موازنہ خصوصی طور پر صرف بلیو بیریز ہی Low Glycemic Index پر مشتمل نہیں ہیں بلکہ دیگر بیریز بھی کم و بیش اسی خصوصیات کی حامل ہوتی ہیں، لیکن نئی تحقیق کے مطابق بلیو بیریز ایسی غذا کے طور پر کام کرتی ہیں، جو خون میں آہستہ آہستہ شکر خارج کرتی ہیں، اسی لیے جب ذیابیطس ٹائپ 2 میں مبتلا افراد کو تین مہینے تک روزانہ تین مرتبہ بلیو بیریز استعمال کروائی گئیں تو ان کے خون میں شکر کی سطح تسلی بخش حد میں رہی۔

آنکھوں کی صحت کے لیے

وہ غذائیں جن میں (Phytonutrient) اینٹی آکسیڈنٹ پائے جاتے ہیں، تکسیدی دباؤ کے باعث پردۂ بصارت کو پہنچنے والے نقصان سے تحفظ فراہم کرتی ہیں۔ بلیو بیری بھی ایسی غذاؤں میں شامل ہیں۔ لیبارٹری میں حیوانات پر کی گئی ابتدائی تحقیقات کے مطابق بلیو بیری میں شامل (Anthocyanins) پردہ بصارت کو غیر مطلوب آکسیجن سے پہنچنے والے نقصانات سے تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ بلیو بیریز سورج کی تیز روشنی سے پردہ بصارت کو پہنچنے والے نقصان سے بھی

محفوظ رکھتی ہیں۔

مانع کینسر کی خصوصیات

لیبارٹری میں انسانوں اور حیوانات پر کی گئی تحقیق کے مطابق غذا میں باقاعدگی سے بلیو بیری کا استعمال مختلف اقسام کے کینسر مثلاً بریسٹ کینسر، قولون کینسر، بڑی آنت اور چھوٹی آنت کے کینسر میں مزاحم ہوتا ہے۔

بلیو بیری ایک ایسے پھل کے طور پر جانا جاتا ہے۔ جو کینسر کے خلیوں کے خلاف اثرانداز ہوتا ہے۔

Detox کرنے کے لیے

آج کل ماہرین غذائیت، جب بھی صحت مند ڈائٹ پلان کی بات کرتے ہیں، سب سے زیادہ جسم کی سم رہائی یا Detox کرنے پر زور دیا جاتا ہے۔ اپنے جسم کو Detox کرنے کے لیے بلیو بیریز اسموتھی آزمائیں۔

بلیو بیری اسموتھی

اشیاء: بلیو بیریز (فروزن) آدھا کپ، کرین بیری جوس ایک چوتھائی کپ، کیلے (سلائس کاٹ لیں) ایک سے دو عدد، برف (چورا کی ہوئی) حسب ضرورت۔

ترکیب: بلیو بیریز، کرین بیری جوس اور کیلے کے سلائسز بلینڈر میں ڈال کر بلینڈ کر لیں۔

ہموار ہو جائیں تو برف شامل کر کے چند سیکنڈ مزید چلائیں اور سرونگ گلاسز میں ڈال کر فوراً سرو کریں۔

اگر آپ اسے ریفریشنگ اسموتھی کے طور پر پینا چاہتے ہیں تو اس میں دودھ یا کوکونٹ ملک بھی شامل کر سکتے ہیں۔

❋

دسترخوان

فلک ناز

لذیذ اور غذائیت سے بھرپور نت نئی ڈشز کی یہ ترکیبیں آپ کے دسترخوان کی رونق میں اضافہ کر دیں گی۔

بیف کھچڑا

اشیاء: گیہوں ایک کلو، جو ایک پاؤ، چنا دال آدھا کلو، ہلدی پاؤڈر ایک چائے کا چچ، لہسن پیسٹ ایک کھانے کا چچ۔

گرم مسالے کے لیے: زیرہ دو کھانے کے چچ، سونف کے پھول چار عدد، سونٹھ تین عدد، لونگ آٹھ عدد، سیاہ مرچ پندرہ عدد، دار چینی دو ٹکڑے، چھوٹی الائچی چھ عدد، بڑی الائچی تین عدد (سب کو ملا کر پیس لیں)۔

بیف ڈیڑھ کلو، نمک حسب ذائقہ، ہلدی پاؤڈر ایک چائے کا چچ، دھنیا پاؤڈر دو کھانے کے چچ، لال مرچ پاؤڈر چار کھانے کے چچ، لہسن کے جوے بیس عدد، ادرک (موٹا کٹا ہوا) تین کھانے کے چچ، ثابت گرم مسالہ مکس ایک کھانے کا چچ، چھوٹی الائچی دس عدد، تیزپات تین عدد۔

بگھار کے لیے: گھی ایک کپ، پیاز دو عدد۔

سرونگ کے لیے: پودینہ، ہری مرچیں حسب پسند، لیموں، براؤن پیاز، ادرک حسب ضرورت۔

ترکیب: بیف بوٹی کو دھو کر دیگچی میں ڈال لیں۔ اس میں نمک، ہلدی پاؤڈر، دھنیا لال مرچ، لہسن کے جوے، ادرک، ثابت گرم مسالہ، الائچی، تیزپات اور پانی ڈال کر گوشت گلانے رکھ دیں۔

گوشت گل جائے تو بوٹیاں الگ نکال لیں۔ گیہوں، جو، چنا دال کو صاف کر کے رات کو بھگو دیں۔ گیہوں میں ہلدی پاؤڈر، لہسن پانی ڈال کر پکانے رکھ دیں۔ دوسری طرف، جو اور چنا دال بھی پکانے رکھ دیں جب گیہوں، جو، چنا دال گل جائے تو اس میں گوشت کا مسالہ ڈال کر گھوٹ لیں یا چوپر میں موٹا پیس لیں۔ اب پانی اور بوٹیاں گیہوں جو، دال کے مکسچر میں ڈال کر پکانے رکھیں۔ (اگر چاہیں تو آدھی بوٹیوں کو پیس لیں اور آدھی ثابت رکھیں۔ کیونکہ کھچڑے میں بوٹیاں ثابت ہوتی ہیں اور گیہوں جو دال بھی موٹا موٹا نظر آتا ہے۔

جب اچھی طرح کھچڑا ہو جائے تو گرم مسالہ چھڑک دیں اور گھی پیاز کا بگھار دے دیں۔ ہرے مسالہ، چاٹ مسالہ کے ساتھ سرو کریں۔

حلیم اسپیشل

چکن گرین مسالہ حلیم

اشیاء: چکن (بون لیس) ایک کلو، لہسن، ادرک پیسٹ دو کھانے کے چچ، نمک حسب ذائقہ، ہلدی پاؤڈر آدھا چائے کا چچ، پیاز دو عدد، دھنیا پاؤڈر ایک چائے کا چچ، گیہوں (پانچ گھنٹے بھگو دیں) ایک پاؤ، جو (پانچ گھنٹے بھگو دیں) ایک پاؤ، پالک (ابال کر پیس لیں) ایک پاؤ، گرم مسالہ (کٹا ہوا) آدھا کھانے کا چچ، ہری مرچ پیسٹ دو چائے کے چچ، سونف (پسی ہوئی) ایک چائے کا چچ، گھی تین چوتھائی کپ، پیاز دو عدد۔

سرونگ کے لیے: لیموں دو عدد، ہرا مسالہ دو کھانے کے چچ، چاٹ مسالہ

حسب پسند، ڈال پیاز، ادرک کے ساتھ سرو کریں۔

ترکیب: دیگچی میں چکن، لہسن، ادرک پیسٹ، نمک، ہلدی پاؤڈر، پیاز، دھنیا اور پانی ڈال کر پکانے رکھ دیں۔ بھیگے ہوئے گیہوں اور جو کو الگ الگ پکانے رکھ دیں۔ جب گل جائے تو چوپر میں ڈال کر پیس لیں۔ چکن گل جائے تو اسے بھی پیس لیں۔ ایک بڑی دیگچی میں گیہوں، جو، چکن اور پانی ڈال کر پکانے رکھیں۔ اچھی طرح پک جائے تو پالک، ہری مرچ پیسٹ، گرم مسالہ، سونف ڈال کر پانچ منٹ پکائیں۔ تیل، پیاز کا بھگار دیں ہرے مسالے اور لیموں کے ساتھ گرم گرم سرو کریں۔

جو اور گوشت کا حلیم

اشیاء: مٹن یا بیف ایک کلو، لہسن، ادرک پیسٹ دو کھانے کے چمچ، نمک حسب ذائقہ، ہلدی پاؤڈر آدھا چائے کا چمچ، ہری مرچ پیسٹ دو کھانے کے چمچ، چھوٹی الائچی پاؤڈر ایک چائے کا چمچ، پیاز تین عدد، تیزپات ایک عدد، دار چینی ایک ٹکڑا، لونگ تین عدد، سیاہ مرچیں پانچ عدد، جو (بھگو دیں) آدھا کلو، ساگو دانہ (بھگو دیں) آدھا کپ، زیرہ ایک کھانے کا چمچ، لونگ چار عدد، سیاہ مرچیں آٹھ عدد، دار چینی ایک ٹکڑا (چھوٹا)، تیل آدھا کپ، پیاز ایک عدد۔

سرونگ کے لیے: پیاز (براؤن) ایک عدد، ہری مرچ (چوپ کرلیں) دو عدد، ہرا دھنیا (چوپ کرلیں) آدھی گٹھی، پودینہ (چوپ کرلیں) آدھا گٹھی، لیموں دو عدد، چاٹ مسالہ حسب پسند۔

ترکیب: مٹن یا بیف میں لہسن، ادرک، نمک، ہلدی پاؤڈر، چھوٹی الائچی پاؤڈر، پیاز تیزپات، لونگ، سیاہ مرچ، دار چینی پانی ڈال کر گوشت گلانے رکھ دیں گوشت گل جائے تو گھوٹ لیں۔ جو اور ساگودانہ کو الگ بھگو دیں چار سے پانچ گھنٹے بعد جو کو ابلنے رکھ دیں۔ جب جو گل جائے تو ساگودانہ ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں۔ جو گل جائے تو بلینڈر میں جو اور ساگودانہ پیس لیں۔ ساتھ میں گوشت ڈال کر اچھی طرح گھوٹ لیں۔ پانی ڈال کر پکانے رکھ دیں۔ چمچ چلاتے رہیں۔ جب حلیم تیاری پر نظر آئے تو ہری مرچ کا پیسٹ مکس کردیں ہلکی آنچ پر کچھ دیر پکائیں۔ زیرہ، لونگ، سیاہ مرچ، دار چینی کو پیس لیں اور حلیم میں مکس کردیں۔ چولہا بند کردیں فرائی پین میں تیل گرم کریں اور پیاز، لال کرکے حلیم پر ڈالیں اور ہرے مسالہ، لیموں، چاٹ مسالہ براؤن پیاز کے ساتھ سرو کریں۔

گیہوں اور گوشت کا کھچڑا

اشیاء: گوشت ایک کلو، نمک حسب ذائقہ، لہسن پیسٹ تین کھانے کے چمچ، ادرک پیسٹ تین کھانے کے چمچ، تیزپات دو عدد، چھوٹی الائچی پانچ عدد۔

گرم مسالے کے لیے: زیرہ ایک کھانے کا چمچ، ثابت دھنیا ایک کھانے کا چمچ، سونف ایک کھانے کا چمچ، لونگ آٹھ عدد، سیاہ مرچ دس عدد، دار چینی دو ٹکڑے، چھوٹی الائچی چار عدد (سب کو ملا کر پیس لیں)، گیہوں (پانچ سے چھ گھنٹے بھگو دیں) آدھا کلو، لال مرچ پاؤڈر تین کھانے کے چمچ، ہلدی پاؤڈر ایک چائے کا چمچ، دھنیا پاؤڈر دو چائے کے چمچ، دار چینی دو ٹکڑے۔

سرونگ کے لیے: ہری مرچ، ہرا دھنیا چار کھانے کے چمچ، پودینہ دو کھانے کے چمچ، لیموں دو عدد، سنہری پیاز، چاٹ مسالہ حسب پسند، گھی ایک چوتھائی کپ، پیاز ایک عدد۔

ترکیب: گوشت میں نمک، لہسن، ادرک، تیزپات، الائچی، لال مرچ، ہلدی پاؤڈر، دھنیا، دار چینی ڈال کر پکانے رکھ دیں۔ گوشت گل جائے تو گوشت سالن سے نکال لیں۔ بچے ہوئے گوشت کے سالن میں گیہوں دھو کر ڈالیں اور پانی ڈال کر پکانے رکھ دیں۔ گیہوں گل جائے تو گھوٹ لیں اور گوشت پانی میں ڈال کر پکائیں اچھی طرح پک جائے تو گرم مسالہ اور تھوڑا ہرا مسالہ ڈالیں اور گھی میں پیاز سنہری کرکے ڈالیں اور سرو کریں۔

❄

اپنے پیروں پر بھی توجہ کیجیے

درخشاں مقصود

اگر پیروں کی حفاظت نہ کی جائے تو موسم سرما پیروں کے لیے زیادہ نقصاندہ ہو سکتا ہے۔ ایڑیوں میں دراڑیں، جگہ جگہ سے جلد کا کٹنا پھٹنا ہونا یا تنگ جوتے پہن کر انہیں متورم کر دینا ایسے رویے ہیں جو نازک پاؤں نہیں جھیل پاتے۔ اگر ہر روز سونے سے پہلے تھوڑا سا پانی گرم کر کے چٹکی بھر نمک شامل کر لیا جائے اور چند ساعتوں کے لیے ہلکا پھلکا پیڈی کیور کر لیا جائے تو پیروں پر گٹے نہیں پڑیں گے، جلد متورم نہیں ہوگی، روز کے روز صفائی ہو جائے گی اور ذہن و جسم کی تھکن بھی جاتی رہے گی۔

اگر سردی کے باعث پیر کی انگلیوں کا دوران خون کم ہو جائے تو اس کے لیے اونی موزے اور دستانے استعمال کیے جاسکتے ہیں۔ سرد علاقوں میں مقیم افراد گھروں میں ہیٹر کی مدد سے ٹانگوں کی سنکائی کر سکتے ہیں۔ بچوں اور بزرگوں والے گھروں میں احتیاط کی ضرورت ہے۔

گرمی کے موسم میں پیروں میں پسینہ آنے کی شکایت عام ہوتی ہے۔ خواتین اس موسم کی شدت سے بچنے کے لیے بھی ہلکے رنگوں کے موزے پہننا پسند کرتی ہیں۔ سردیوں میں پسینہ آنے کی شکایت ہو تو پانی میں کلورائیڈ لائم ڈال کر پیر دھونے سے فائدہ ہوتا ہے۔

جسم کے باقی حصوں کی طرح پیروں کی نگہداشت پر توجہ دینے سے یہ خوبصورت اور پرکشش ہو سکتے ہیں۔ پیروں کو صاف ستھرا رکھنے کے لیے روزانہ تھوڑا بہت جتن کیا کیجیے۔ پیروں کی تھکن پورے وجود کو نڈھال کر دیتی ہے حتیٰ کہ آنکھیں اور چہرہ بھی بجھ جاتا ہے۔ روزانہ صفائی کی عادت اس کا بہترین حل ہے۔ رات کو سونے سے قبل نیم گرم پانی کی ٹکور کی جاسکتی ہے، اس پانی میں نمک ملا لینے سے انگلیاں متورم نہیں رہتیں۔

ایک صاف ستھرا سوتی کپڑا ہمراہ رکھیں اور گرم پاؤں کو کبھی ٹھنڈے فرش پر نہ دھریں۔ اسی طرح صبح سویرے کمبل یا لحاف سے نکلتے ہی ٹھنڈے فرش پر پیر نہ رکھیں۔ چپل پہن لیں یا موزے پہن کر بستر چھوڑیں۔ روزانہ کی صفائی کے دوران ناخنوں کی لمبائی یا بے ترتیبی پر نظر رہتی ہے۔ اگر جسم میں کیلشیم کی کمی ہو رہی ہو تو ناخن جلدی جلدی ٹوٹنے لگتے ہیں۔

سردی سے پھٹنے والی جلد کو نرم و ملائم کرنے کے

لے شلجم کو چھلکوں سمیت ابال لیں اور اس نیم گرم پانی سے پیروں کی صفائی کریں۔ پیروں کی مالش بھی مفید ہوتی ہے کوئی بھی کنکنا تیل لے کر انگلیوں سے شروع کر کے ٹخنوں تک مالش کریں۔ چہرے اور ہاتھوں کے لیے موئسچرائنگ کریم یا لوشن لگائیں جلد میں نمی کی مقدار بڑھے گی تو اس کی رونق اور جاذبیت میں بھی اضافہ ہو گا۔

سونے سے قبل اپنے پیروں پر خوب اچھی طرح کوئی نم دار یا کولڈ کریم لگایئے اور موزے پہن کر سو جایئے۔

چند روز کے استعمال کے بعد ہی فرق واضح ہو جائے گا کہ آپ کے پیروں اور تلوؤں کی جلد کی سختی اور کھردراپن ختم ہو جائے گا اور جلد نرم و ملائم ہونا شروع ہو جائے گی۔

ماہرین آرائش و افزائش کا کہنا ہے کہ کسی اچھے پیڈی کیور کے لیے آپ کو کسی بیوٹی پارلر جانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ آپ اپنے گھر میں بھی بآسانی یہ کام کر سکتی ہیں۔ اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ مائع صابن ملے نیم گرم پانی میں اپنے پیروں کو دس تا پندرہ منٹ تک ڈبو کر رکھیے، اس دوران ایک یا دو مرتبہ سخت برش (Scrubber) سے اپنے پیروں اور ایڑیوں کو رگڑیے، پھر ان کو خشک کر لیجیے، اس کے بعد ناخنوں کی وضع و قطع کے مطابق انہیں تراش لیجیے۔ یاد رکھیے کہ پاؤں کے بڑھے ہوئے ناخن بھی تکلیف دہ ہو سکتے ہیں۔ کسی چوٹ لگنے کی صورت میں یا ٹھوکر لگنے یا قالین میں الجھ جانے کی وجہ سے جب یہ ناخن اچانک ٹوٹتے ہیں تو کس قدر اذیت ہوتی ہے اس کا اندازہ صرف وہ ہی خواتین لگا سکتی ہیں جو کہ اس کرب سے گزرتی ہیں۔ اس لیے بڑھے ہوئے بلکہ بڑھائے ہوئے لمبے ناخنوں کو خدا حافظ کہیے اور جہاں تک ناخنوں کا گوشت یا اس کی کھال اجازت دیتی ہے وہاں تک انہیں ان کی وضع و قطع کے مطابق تراش لیجیے اور پھر ناخنوں کو نیل فائل سے گھس کر اچھی طرح ہموار بنا لیجیے۔ اس کے بعد ان پر کوئی نمدار لوشن یا کریم یا کولڈ کریم یا پیٹرولیم جیلی لگا کر اپنے پیروں کی خوب اچھی طرح مالش کیجیے۔ اس طرح آپ اپنے پیروں کی اچھی طرح حفاظت کر سکتی ہیں۔

شکستہ پیروں اور ایڑیوں کی حفاظت کے لیے یہ تمام اقدام حقیقتاً سطحی ہیں ان کی اصل بنیاد اور وجہ تلاش کرنی چاہیے اور ان بنیادی وجوہات اور جڑوں کا قلع و قمع کرنا چاہیے۔

سب سے پہلے تو اپنی غذا پر توجہ دیجیے کہ آپ کی غذا متوازن ہو، یعنی اس میں ضروری اور مناسب مقدار میں حیاتین، لحمیات، نشاستہ، شکر، شحمی اور غیر شحمی ترشے، ریشہ اور معدنیات شامل ہوں آپ کی خوراک میں کثیر مقدار میں سبزیاں پھل اور بغیر چھلکا اترے اناج شامل ہونے چاہئیں۔ اپنے اوپر یہ لازم کر لیجیے کہ آپ دن بھر میں کم از کم آٹھ تا دس گلاس پانی یا دیگر مشروبات ضرور نوش فرمائیں گی۔ اس سے جسم کی صفائی ہوتی رہتی ہے اور جسم میں پائے جانے والے ضرورت سے زائد نمکیات بھی خارج ہوتے رہتے ہیں۔

درست وقت پر اٹھایا ہوا ہر قدم حیرت انگیز معجزے دکھا سکتا ہے، یقین نہیں آتا ہے تو صرف اپنے پیروں کا خیال کیجیے اور پھر نتائج دیکھ لیجیے۔

❄

جسم کے عجائبات

انسانی جسم بظاہر ایک سادہ سی چیز ہے مگر اس کے اندر ایک کائنات چھپی ہوئی ہے۔ یوں تو پورا جسم ایک قدرتی نظام کا پابند ہے مگر ہر عضو کا ایک اپنا باقاعدہ واضح نظام بھی ہے۔ ہر نظام ایک نہایت ہی حیرت انگیز طریقے سے ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہے۔

"جسم کے عجائبات" کے عنوان سے محمد علی سید صاحب کی تحقیقی کتاب سے انسانی جسم کے اعضاء کی کہانی ان کی اپنی زبانی قارئین کی دلچسپی کے لیے ہر ماہ شائع کی جارہی ہے۔

محمد علی سید

سائنس کے زمانۂ جاہلیت میں مجھے ایک قطعی ناکارہ چیز سمجھا جاتا تھا۔ پھر وقت بدلا اور میں میڈیکل ریسرچ کا سب سے اہم موضوع بن گیا۔ اب سائنس دانوں کا خیال ہے کہ میں الرجی، کینسر، جوڑوں کی بیماری، بڑھتی ہوئی عمر کے اثرات اور کئی دوسرے امراض کے خاتمے میں ممکنہ طور پر بڑا اہم کردار ادا کر سکتا ہوں۔

(گزشتہ سے پیوستہ)

مسلح افواج

تھائی مس

تھائی مس کی کہانی، خود اس کی زبانی

ابھی کچھ عرصے پہلے تک ماہرین حیاتیات مجھے قطعی کوئی اہمیت دینے کو تیار نہیں تھے۔ مجھے جسم کی غدود فیملی میں ایک دور پرے کے غریب، غیر اہم رشتے دار کی طرح سمجھا جاتا تھا۔ ایسا رشتے دار جس سے فائدے کی بجائے نقصان کا دھڑکا لگا رہتا ہو۔

سائنس دان مجھے ایک فالتو چیز سمجھا کرتے تھے لیکن قدرت کے کارخانے میں کوئی چیز فالتو نہیں البتہ اس کی افادیت سمجھنے کے لیے عقل کا ترقی یافتہ ہونا ضروری ہے۔

اس "زمانہ جاہلیت" میں مجھے قطعی ناکارہ اور بے مقصد سمجھا جاتا تھا۔ پھر اچانک ہی وقت بدلا اور میں دیکھتے ہی دیکھتے میڈیکل ریسرچ کا سب سے اہم بلکہ گرما گرم موضوع بن گیا۔ یوں سائنس دانوں نے مجھے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اب ان کا خیال ہے کہ میں

الرجی، کینسر، جوڑوں کی بیماریوں، بڑھتی ہوئی عمر کے اثرات اور دوسرے بہت سے امراض کے خاتمے یا انہیں کنٹرول کرنے میں ممکنہ طور پر بڑا اہم کردار ادا کر سکتا ہوں۔ میں آپ کا تھائی مس گلینڈ ہوں۔

میری شکل وصورت قطعی متاثر کن نہیں۔ زرد اور سلیٹی سے رنگ کے بافتوں کا مجموعہ۔ سائز ماچس کی ڈبیا کے برابر، شکل اور ک کی چھوٹی سی گانٹھ جیسی۔ میں آپ کے دونوں پھیپھڑوں کے درمیان آپ کے سینے کی درمیانی ہڈی کے اوپری حصے کے پیچھے رہتا ہوں۔ میرا وزن اور سائز عمر پر منحصر ہوتا ہے۔ مثلاً اس وقت جب آپ چالیس برس کے ہیں تو میرا وزن ایک اونس کے تیسرے حصے کے برابر ہے۔ لیکن جب آپ پیدا ہوئے تھے اس وقت میرا وزن اس سے دگنا تھا اور جب آپ بلوغت کی عمر میں پہنچے تو میرا وزن اس سے چھ گنا بڑھ گیا تھا۔

سائنس کے "ایام جاہلیت" کے برعکس اب جدید دور میں مجھے آپ کے جسم کے دفاعی نظام کا "بے تاج بادشاہ" کہا جاتا ہے۔

جسم کا دفاعی نظام قدرت کا ایک ایسا عجوبہ اور آپ کے لیے اللہ کا اتنا بڑا تحفہ ہے جس کا آپ شاید ہی تصور کر سکیں۔ اس نظام کی اہمیت افادیت اور قدروقیمت کا کسی قدر اندازہ آپ اس طرح کر سکتے ہیں کہ اگر کسی شخص کے جسم کے اندر موجود اس دفاعی نظام کو ختم کر دیا جائے (جیسا کہ بعض صورتوں میں کرنا پڑتا ہے) یا یہ نظام خود بہ خود کام کرنا بند کر دے تو ایسے شخص کو زندہ رکھنے کے لیے ہزاروں روپے روزانہ خرچ ہوں گے اس کے باوجود وہ نہ کہیں آجا سکے گا نہ کوئی کام کاج کر سکے گا۔ اسے چوبیس گھنٹے قرنطینہ میں رہنا پڑے گا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر یہ دفاعی نظام نہ ہوتا تو انسان کو "صرف زندہ" رہنے کے لیے لاکھوں روپے ماہانہ خرچ کرنا پڑتے!

اگر کوئی دوست کسی مشکل میں آپ کو ایک لاکھ روپیہ قرض دے دے تو آپ زندگی بھر اس کے زیر احسان رہیں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے کروڑوں روپے کے جو نادر ونایاب آلات اور ٹیکنالوجی اس دنیا میں آنے سے بھی پہلے آپ کو مفت عطا کر رکھی ہے اس کا شکریہ زیادہ تر لوگ اس دنیا سے واپسی تک ادا نہیں کرتے! کروڑوں روپے مالیت کا تو یہ صرف ایک سسٹم آپ کے جسم میں لگا ہوا ہے۔

آیئے اب میں آپ کو بتاؤں کہ جسم کا دفاعی نظام کیا ہے اور کس طرح کام کرتا ہے....؟

دراصل یہ جسم کی وہ صلاحیت ہے جس کے ذریعے جسم کے اندر داخل ہونے والے جسم کے ہر دشمن کو شناخت کر کے فوراً ہی موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔ ان دشمنوں میں ہر وہ چیز شامل ہے جس کا جسم کے اندر موجود ہونا آپ کی زندگی کے لیے خطرہ بن سکتا ہے۔ مثلاً جسم کے دشمن بیکٹریاز، وائرس، بیماریوں کے جراثیم، دوسرے گروپ کا خون، انگلی میں چبھنے والی پھانس، کانٹے، فنگس (پھپھوندی)، زہر، تبدیل شدہ کھال حتیٰ کہ کینسر کے خلیے.... یوں سمجھ لیں کہ آپ کے جسم کے قلعے کے اندر ایک انتہائی تربیت یافتہ فوج موجود ہے جو جسم میں داخل ہونے والی ہر اس چیز کو منٹوں میں تباہ برباد کر دیتی ہے جو جسم کے علاوہ ہوتی ہے۔

کینسر کے خلیوں کے بارے میں ایک بات

بتاؤں۔ کینسر کے کچھ خلیے ہر انسان کے جسم میں روزانہ پیدا ہوتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے تو شاید غلط نہ ہو کہ یہ وہ خلیے ہوتے ہیں جو صراط مستقیم یعنی اس ہدایت یا پروگرام سے ہٹ جاتے ہیں جس پر جسم کا باقی سارا نظام سختی سے کاربند رہتا ہے۔

یعنی انسانی معاشروں کی طرح جسم کی مملکت میں بھی ہدایت و گمراہی کا یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ بچے، بڑے، جوان، بوڑھے، عورت مرد و غرض ہر انسان کے جسم میں کینسر کے خلیے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ یہ خلیے جسم کے عام خلیے ہوتے ہیں لیکن کینسر میں تبدیل ہوتے ہی یا یوں کہیں کہ صراط مستقیم سے ہٹتے ہی ان کی شکلیں "مسخ" ہو جاتی ہیں اور جسم کا دفاعی نظام ان گمراہوں کو پہچان کر اسی دن موت کے گھاٹ اتارتا رہتا ہے۔ اگر ان میں سے ایک خلیہ بھی کسی وجہ سے اس روز مارے جانے سے بچ جائے تو جسم کے اندر کہیں روپوش ہو جاتا ہے اور "انڈر گراؤنڈ" جا کر اپنی تعداد میں اضافہ کرنا شروع کرتا ہے۔ دس پندرہ سال کے بعد یہ کینسر کسی پھوڑے یا ٹیومر کی صورت میں رونما ہوتا ہے۔ اس وقت کہا جاتا ہے کہ فلاں صاحب کو کینسر ہو گیا۔

مزے کی بات یہ ہے کہ اگر کسی معالج، دوا یا کسی طریقہ علاج سے کینسر ٹھیک ہو جائے تو انسان معالجین کا شکریہ ادا کرتے کرتے نہیں تھکتا لیکن اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا دفاعی نظام خاموشی کے ساتھ اس کے جسم سے کینسر کو نیست و نابود کرتا رہتا ہے تو انسان کو اس کا پتا بھی نہیں چلتا۔ شکر ادا کرنا تو دور کی بات ہے۔

مجھے آپ جسم کی مسلح افواج کا سربراہ یا سپہ سالار کہہ سکتے ہیں۔ ایسی مسلح افواج جو ہر لمحے حالات جنگ میں رہتی ہیں اور جن کی خدمات یا تعداد کا مقابلہ دنیا کی ساری افواج مل کر بھی نہیں کر سکتیں۔

جسم کے دشمنوں کی کھربوں فوجیں کسی نہ کسی ذریعے سے ہر لمحے جسم کی سرحدیں عبور کرنے کی کوشش میں مصروف رہتی ہیں۔ بیماریوں کے کھربوں جراثیم ہوا، غذا اور پانی میں چھپ کر آپ کی جلد، ناک، منہ اور آنکھوں کے "سرحدی علاقوں" سے جسم کے اندر داخل ہوتے رہتے ہیں اسی لیے آپ سو رہے ہوں یا جاگ رہے ہوں ہمیں ہر لمحے ہائی الرٹ کی پوزیشن میں رہنا پڑتا ہے۔

(جاری ہے)

کیفیاتِ مراقبہ

ترقی یافتہ ممالک میں مراقبے کے موضوع پر سائنسی بنیادوں پر تحقیقی کام شب و روز جاری ہے۔ جدید سائنسی آلات سے اخذ کیے جانے والے نتائج سے یہ ثابت ہوا ہے کہ مراقبے سے انسان کو ہمہ جہت فوائد حاصل ہوسکتے ہیں۔ ان تحقیقی نتائج کے پیشِ نظر مغرب میں تو مراقبہ کو ایک ٹیکنالوجی کی حیثیت دے دی گئی ہے۔ ان تحقیقات سے یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ مراقبے سے ہماری عام زندگی پر بھی کئی طرح کے خوشگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ مراقبے کے ذریعے کئی جسمانی اور نفسیاتی بیماریوں سے نجات مل سکتی ہے، کارکردگی اور یادداشت میں اضافہ ہوتا ہے اور ذہنی صلاحیتوں کو جلا ملتی ہے۔

ماضی میں مشرق کے اہلِ روحانیت نے ماورائی علوم کے حصول میں مراقبے کے ذریعے کامیابیاں حاصل کیں۔

ان صفحات پر ہم مراقبے کے ذریعہ حاصل ہونے والے مفید اثرات مثلاً ذہنی سکون، پرسکون نیند، بیماریوں کے خلاف قوتِ مدافعت میں اضافہ وغیرہ کے ساتھ روحانی تربیت کے حوالے سے مراقبے کے فوائد بھی قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ اگر آپ نے مراقبے کے ذریعے اپنی شخصیت اور ذہنی کیفیت میں مثبت تبدیلی محسوس کی ہے تو صفحات کے ایک طرف تحریر کرکے روحانی ڈائجسٹ کے ایڈریس پر اپنے نام اور مکمل پتے کے ساتھ ارسال کردیجیے۔ آپ کی ارسال کردہ کیفیات اس کالم میں شائع ہوسکتی ہیں۔

کیفیاتِ مراقبہ۔
روحانی ڈائجسٹ 1/7, D-1 ناظم آباد۔ کراچی 74600

میری ساری زندگی پے در پے حادثوں اور پریشانیوں میں مبتلا رہی ہے۔ ڈیڑھ دو برس کا تھا کہ والدہ داغِ مفارقت دے گئیں۔ والد صاحب نے دوسری شادی کی تو آنے والی امی نے مجھ سے بہت برا سلوک روا رکھا۔ بچپن تو خیر جیسے تیسے گزر گیا، لیکن بعد کی زندگی بدقسمتی کے عجیب و غریب حادثوں سے بھرپور رہی۔ ایک حادثہ میٹرک کے سالانہ امتحان میں پیش آیا۔ سائیکل پر سوار امتحان دینے جارہا تھا کہ راستے میں ایک کار سے ٹکرا گیا۔ شدید چوٹیں آئیں، اور روبہ صحت ہوا تو امتحان ختم ہو چکا تھا۔ اگلے سال پھر اسی قسم کا حادثہ پیش آیا۔ میں امتحان دے رہا تھا کہ ایک صبح اپنے گھر کی بالائی منزل سے اترتے ہوئے سیڑھیوں سے پاؤں پھسل گیا۔ میں اس طرح گرا کہ دائیں بازو کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ نتیجہ ظاہر ہے، ایک مرتبہ پھر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

میری اس بدنصیبی کا مطلب بہن، بھائیوں والدہ اور کچھ عزیزوں نے بالکل الٹ لیا۔ ہمدردی کے بجائے طرح طرح کے طعنے دینے لگے۔ مجھے بدبخت، بدنصیب، منحوس اور نہ جانے کن کن خطابات سے نوازا گیا۔

ان حادثات سے علم کے دروازے مجھ پر بند ہوگئے دوسری والدہ (سوتیلی امی) کے کہنے پر والد صاحب نے میری مدد کرنے سے انکار کردیا مجبوراً مجھے ایک فیکٹری میں ملازمت اختیار کرنا پڑی، لیکن میں شاید کسی منحوس ستارے کے زیر اثر پیدا ہوا تھا، میری بدنصیبی نے یہاں بھی پیچھا نہیں چھوڑا۔ فیکٹری میں مشین پر کام کرتے ہوئے ایک انگلی کٹوا بیٹھا۔

اس کے بعد دیگرے کئی حادثات نے مجھے انجانے خوف میں مبتلا کردیا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی بڑے حادثے سے دوچار ہونے والا ہوں۔ ہر وقت خوف اور ڈر میں مبتلا رہتا۔ ذرہ سی آہٹ پر دل کی دھڑکن تیز ہوجاتی۔ کام بہتر طور پر پایا تکمیل تک نہ پہنچ پاتا۔ یکسوئی اور اعتماد ختم ہوگیا تھا۔ ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ مجھ میں کوئی صلاحیت نہیں ہے۔ مجھ سے لوگوں کو فائدے کے بجائے نقصان ہوتا ہے۔ ذہن ہر چیز کے مثبت پہلوؤں کے بجائے ان کے منفی پہلوؤں کے بارے میں زیادہ سوچتا تھا۔ کام پر توجہ نہ دینے کی وجہ سے ملازمت بھی چھوٹ گئی تھی۔ نئی ملازمت کے لیے جہاں بھی جاتا اعتماد کی کمی کی وجہ سے جاب حاصل کرنے میں ناکام رہتا۔

تایا ابا کبھی کبھار ہمارے گھر آجایا کرتے تھے وہ مجھ سے بہت محبت کرتے اور میری مایوسیوں کو دور کرنے کی کوشش کرتے۔ میری کیفیت پر وہ بھی پریشان تھے۔

ایک روز تایا گھر آئے تو ان کے ہاتھ میں چند کتابیں تھیں۔ بولے "یہ لو بیٹا ان کتابوں کا مطالعہ کرو شاید تمہارے مسائل کا حل ان میں مل جائے۔" یہ کتابیں نفسیات اور یوگا ورزش کے متعلق تھیں۔ میں نے یوگا کی کتاب کا مطالعہ کیا تو اس میں تحریر تھا کہ کوئی بھی مشق بغیر یکسوئی کے کرنے سے نتائج زیادہ بہتر آنے کی امید نہیں کی جاسکتی اور یکسوئی کے لیے مراقبہ کی مشق بہترین ہے۔ مراقبہ کے بارے میں کچھ معلومات تو تھیں مگر اس کی مشقیں کبھی نہیں کی تھیں۔ میں نے تایا ابو کو اس بارے میں بتایا تو وہ مجھے

اپنے ایک دوست کے پاس لے گئے۔ یہ صاحب ماہر نفسیات تھے اور مراقبہ کے بارے میں بھی کافی نالج رکھتے تھے۔ انہوں نے میری کیفیات بغور سنیں اور کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولے۔

ماہرین نفسیات کی تحقیق یہ ہے کہ جس طرح انسانی زندگی میں رونما ہونے والے واقعات مثلاً ناکامی، نقصان، شکست وغیرہ کی بعض وجوہ ہوتی ہیں، اسی طرح حادثات کے بھی کچھ اسباب ہوتے ہیں جو ہمیشہ خارجی اور ماورائی نہیں ہوتے۔ اکثر اس کے سرچشمے انسان کے اندر پائے جاتے ہیں.... انسان اپنی کامیابیوں کا کریڈٹ تو ہمیشہ خود لیتا ہے، مگر ناکامیوں اور حادثوں کا ذمہ دار خارجی اسباب کو ٹھہراتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حادثات کا انسانی سیرت و کردار سے بہت گہرا تعلق ہے اور دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کر کے نہیں دیکھا جاسکتا۔ یہ کہنا بھی درست نہیں کہ حادثے فقط تقدیر کا کھیل اور اتفاق کی پیداوار ہیں۔ وہ ناگہانی ضرور ہوتے ہیں، لیکن اتنے غیر متوقع نہیں جتنے عام طور پر سمجھے جاتے ہیں۔ بظاہر غیر متوقع حادثات میں مبتلا ہونے والے افراد کی زندگیوں کا تجزیہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی شخصیت میں خرابی کی کوئی صورت مضمر ہوتی ہے۔

کارخانوں میں کام کرتے ہوئے جو لوگ مختلف حادثات میں مبتلا ہوجاتے ہیں، ان کی تحقیقی مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں زیادہ تر وہ لوگ شامل ہیں جن کی جذباتی زندگی گوناگوں الجھنوں اور پریشانیوں میں مبتلا ہوتی ہے۔ کام میں یکسوئی بالکل نہیں ہوتی۔

تایا کے دوست مجھے سمجھاتے ہوئے کہنے لگے۔ کسی بھی کام کے بہترین نتائج پانے کے لیے یکسوئی اور ارتکاز کا ہونا ضروری ہے۔

یکسوئی اور ارتکاز کے لیے مراقبہ کی مشقیں مفید ثابت ہوتی ہیں۔ انہوں نے مراقبہ کا ایک طریقہ بھی بتایا۔ دو تین روز میں سوچا اور ایک روز مراقبہ کا آغاز کردیا۔ مگر کئی روز تک دوران مراقبہ الجھن رہی اور کوئی فوائد بھی دکھائی نہیں دیے۔ میرا رابطہ تایا کے دوست سے تھا۔ تمام کیفیات سے انہیں آگاہ کیا تو انہوں نے حوصلہ افزائی کی اور مراقبہ جاری رکھنے کو کہا۔

ایک روز مراقبہ میں بیٹھا تو سر چکرانے لگا اور متلی کی کیفیت ہوگئی اور یہ کیفیت دوران مراقبہ کئی روز تک رہی۔

ایک روز مراقبہ میں بیٹھا تھا کہ مجھے محسوس ہوا پورے کمرے میں خوشبو پھیل گئی ہے۔

دوران مراقبہ خود کو دوستوں کے درمیان پایا، سب دوستوں سے خوش اسلوبی سے مل رہا ہوں اور دوست بھی اپنائیت کا اظہار کر رہے ہیں۔

ایک روز مراقبہ میں دیکھا کہ صبح کی روشنی چاروں طرف پھیل رہی ہے۔ سخت سردی میں، میں ساحل سمندر پر ریت پر لیٹا ہوا ہوں۔ مگر سخت سردی بھی قابل برداشت ہے۔ پرندے ساحل پر اتر رہے ہیں۔ ساحل سے دور کشتیوں میں لوگ مچھلی کا شکار کر رہے ہیں۔

ایک روز مراقبہ میں دیکھا کہ رات کا وقت ہے۔ میں سڑک پر چلا جا رہا ہوں۔ گھپ اندھیرے میں تھوڑی دور کی چیز بھی دکھائی نہیں دے رہی ہے۔ میرے عقب سے چند جگنو نمودار ہوئے اور میرے آگے آگے روشنی کرتے ہوئے چلنے لگے۔

مراقبہ میں دیکھا کہ بہار کی آمد ہے۔ لمبے لمبے درختوں کے درمیان ایک خوبصورت پارک ہے۔ پارک میں کئی رنگوں کے پھول کھلے ہیں۔ پھولوں پر تتلیاں اڑتی پھر رہی ہیں۔

مراقبہ سے میرے اعتماد میں ہی نہیں زندگی میں بھی بہتری آئی ہے۔

یکسوئی کافی بہتر ہوئی ہے۔ اب مثبت چیزوں اور باتوں پر زیادہ توجہ رہتی ہے۔ میرا خوف اور ڈر بھی کافی حد تک دور ہوا ہے۔

غور و فکر سے مجھ میں پوشیدہ صلاحیتیں ظاہر ہونے لگی ہیں۔ تعلیم کا سلسلہ دوبارہ شروع کر دیا ہے۔ شام میں بچوں کو ٹیوشن پڑھا رہا ہوں جس سے تعلیمی اخراجات کے ساتھ ساتھ میری ضرورتیں بھی بآسانی پوری ہو رہی ہیں۔

بولیویا کا آدم خور پہاڑ جو 80 لاکھ جانیں لے چکا ہے

بولیویا کا آدم خور پہاڑ اب تک 80 لاکھ جانیں لے چکا ہے۔ سیرو ریکو پہاڑ میں موجود 500 سال پرانی کانوں میں سے نکلنے والی چاندی نے کبھی ہسپانوی سلطنت کو امیر بنا دیا تھا لیکن اب یہ پہاڑ موت کا جال ہے جہاں ورکرز اپنی حفاظت کے لیے شیطان کی عبادت کرتے ہیں۔ اسپین کے نوآبادیاتی دور میں اس پہاڑ سے ساٹھے چھپن کروڑ ٹن چاندی نکالی گئی تھی آج کل ان پہاڑوں پر تقریباً 15,000 کان کن کام کرتے ہیں، اس دوران یہاں تقریباً 80 لاکھ افراد ہلاک ہوئے

تھے اسی وجہ سے سیرو ریکو کا نام آدم خور پہاڑ پڑا۔ مقامی بیواؤں کی ایک تنظیم کے مطابق اس علاقے میں ہر ماہ تقریباً چودہ خواتین بیوہ ہوتی ہیں۔ دوستوں کی طرح پہاڑ پر کام کرنے والا مارکو بھی حادثات اور سیلیکوسس کی بیماری سے پریشان ہے، یہ بیماری سانس میں گرد جانے سے پیدا ہوتی ہے اور کوکا کے پتے چبانے سے بچ جاتے ہیں۔ وہ کوکا کے پتے شراب اور سگریٹوں کے چڑھاوے کانوں کے شیطانی دیوتا آل ٹیو پر بھی چڑھاتے ہیں کانوں کے سب ہی منتظمین نے آل ٹیو کے مجسمے سرنگوں میں رکھے ہوئے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ عموماً ہم یہاں چڑھاوا چڑھانے جمعے کو آتے ہیں، کان سے باہر ہم کیتھولک ہیں لیکن جب ہم کان میں داخل ہو جاتے ہیں تو ہم شیطان کے پجاری بن جاتے ہیں۔

قرآن پاک رشد وہدایت کا ایسا سرچشمہ ہے جو ابد تک ہر دور اور ہر زمانے میں انسان کی رہنمائی کرتا رہے گا۔ یہ ایک مکمل دستورِ حیات اور ضابطۂ زندگی ہے۔ قرآنی تعلیمات انسان کی انفرادی زندگی کو بھی صراطِ مستقیم دکھاتی ہیں اور معاشرے کو اجتماعی زندگی کے لیے رہنما اصول سے بھی واقف کراتی ہیں۔

بِیۡدَ

عربی زبان میں بید اصل میں بَاد (ب ی د) سے مشتق ہے لغوی اعتبار سے جس کے معنی کسی چیز کا جاتے رہنا، ختم ہو جانا، ہلاک ہو جانا کے ہیں، لیکن عموماً یہ لفظ لق ودق جنگل، بیابان یا صحرا کے لیے استعمال ہوتا ہے جس میں سفر کرنا موجب ہلاکت ہو۔ اس کے علاوہ اَبَادَ اللّٰهُ سے مراد جسے خدا نے ہلاک یا برباد کیا، اور بَادَ الشَّیۡئُ کے معنی ہیں وہ چیز جو منتشر ہو گئی۔ اسی اعتبار سے کام تباہی اور بربادی کے متعلق یہ الفاظ استعمال ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ بید کی صورت میں صرف ایک مرتبہ سورۂ کہف میں آیا ہے۔

ترجمہ: ”اور ان سے دو شخصوں کا حال بیان کرو جن میں سے ایک کو ہم نے انگور کے دو باغ (عنایت) کیے تھے اور ان کے گرداگرد کھجوروں کے درخت لگا دیئے تھے اور ان کے درمیان کھیتی پیدا کر دی تھی۔ دونوں باغ (کثرت سے) پھل لاتے اور اس (کی پیداوار) میں کسی طرح کی کمی نہ ہوتی اور دونوں میں ہم نے ایک نہر بھی جاری کر رکھی تھی۔ اور (اس طرح) اس (شخص) کو (اس کی) پیداوار (ملتی رہتی) تھی تو (ایک دن) جبکہ وہ اپنے دوست سے باتیں کر رہا تھا کہنے لگا کہ میں تم سے مال و دولت میں بھی زیادہ ہوں اور جتھے (اور جماعت) کے لحاظ سے بھی زیادہ عزت والا ہوں۔ اور (ایسی شیخیوں سے) اپنے حق میں ظلم کرتا ہوا اپنے باغ میں داخل ہوا کہنے لگا کہ میں نہیں خیال کرتا کہ یہ باغ کبھی تباہ ہو گا (تَبِیۡدَ)۔ اور نہ خیال کرتا ہوں کہ قیامت برپا ہو اور اگر میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا بھی جاؤں تو (وہاں) ضرور اس سے اچھی جگہ پاؤں گا۔ تو اس کا دوست جو اس سے

گفتگو کر رہا تھا کہنے لگا کہ کیا تم اس (خدا) سے کفر کرتے ہو جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفے سے پھر تمہیں پورا مرد بنایا۔ مگر میں تو یہ کہتا ہوں کہ خدا ہی میرا پروردگار ہے اور میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ [سورۂ کہف (18) آیت: 32-38]

اس آیت میں دو افراد کا ذکر ہے۔ پہلا فرد سرسبز وشاداب انگور کے دو باغوں کا مالک ہے۔ ایک ایسے موقع پر جب اس کے باغ خوب پھل پھول رہے اور پیداوار سے لدے ہوئے تھے اس کی ملاقات اپنے ایک غریب ہم نشین سے ہوئی۔ قرآن نے یہ بیان تو نہیں کیا مگر قرائن سے لگتا ہے کہ اس غریب نے اسے آخرت کی زندگی پر ایمان کی دعوت دی۔ جواب میں اس نے کبر ونخوت کے ساتھ اس ہم نشین پر اپنے مال ودولت، مقام و مرتبے اور اس پر اپنی برتری کا اظہار کیا اور بڑے فخر واعتماد سے بولا کہ میں نہیں سمجھتا کہ یہ باغ کبھی ویران بھی ہوگا یا کبھی قیامت آئے گی۔ اگر کبھی ایسا ہوا بھی تو اسے اپنے رب کی طرف سے وہاں بھی بہتر مقام ہی ملے گا۔ ہم نشین نے اسے اس کے کفر و غرور پر کچھ تنبیہ کی اور کچھ سمجھایا۔ اسے بتایا کہ صحیح رویہ یہ ہے کہ انسان نعمت و انعام کی حالت کو عطیہ الٰہی سمجھ کر اس کا شکر گزار رہے، نہ کہ اسے اپنی قوت وصلاحیت کا نتیجہ سمجھ کر تکبر میں مبتلا ہو جائے۔ مگر اس نے نہ سنا نہ سمجھا۔

اس تذکرے میں یہ امر واضح کیا گیا ہے کہ محض دنیا کی کامیابی کوئی کامیابی نہیں۔ یہ کسی لمحے بھی خاک میں مل سکتی ہے۔ آخر کار موت نے خود انسان کو خاک میں ملا دینا ہے۔ دنیا کے دھوکے میں آکر خدا کی یاد اور اس کی ملاقات کو فراموش کر دینا اور دنیا کی حقیر پونجی پر تکبر کرنا سر تا سر نادانی ہے۔

⌂⌂⌂

بِیضٌ

عربی زبان میں لفظ بِیضٌ دراصل اَبْیَضُ کی جمع ہے کے معنی سفید رنگ کے ہیں.... یہ سَوَادٌ اور اَسْوَدُ (سیاہ) کی ضد ہے۔ بیض سفید، نقرئی، برفیلا اور دودھیا رنگ، یعنی چاندی، برف اور دودھ جیسا سفید رنگ، گوری اور سفید رنگت رکھنے والا شخص یا نسل اور چہرے سے رنگ اڑ جانے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ ابیضت، تبیض، الابیض، بیضاء، بِیض اور بَیض کی صورت میں کل بارہ 12 مرتبہ آیا ہے۔ یہ دنیا ایک کینوس کی طرح ہے اور قدرت کے بنائے ہوئے ان پورٹریٹ پر جا بجا بکھرے ہوئے رنگ ہمیں دعوت فکر دے رہے ہیں، پوری کائنات رنگوں سے بھری پڑی ہے.... کوئی مصور تو ضرور ہے کہ جس کے حسن کا پرتو اس کائنات کو منبع رنگ ونور بنائے ہوئے ہے۔۔۔ کوئی ایسا زبردست مصور ضرور ہے کہ جس کی مصوری میں کوئی جھول ہی نظر نہیں آتا۔ ہر ہر رنگ اپنی اپنی تصویر میں پوری طرح فٹ ہے۔ ”ہم اللہ کے رنگ میں رنگے گئے ہیں اور کس کا رنگ اللہ کے رنگ سے بہتر ہے“....؟

ترجمہ: ”کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا نے آسمان سے مینہ برسایا؟ تو ہم نے اس سے طرح طرح کے رنگوں کے میوے پیدا کئے اور پہاڑوں میں سفید (بِیضٌ) اور سرخ رنگوں کے قطعات ہیں اور (بعض) کالے سیاہ ہیں، انسانوں اور جانوروں اور چارپایوں کے بھی کئی طرح کے رنگ ہیں خدا سے تو اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہیں بیشک خدا غالب (اور) بخشنے والا ہے۔“ [سورۂ فاطر (35): آیت 27-28]

مصوری میں کوئی جھول ہی نظر نہیں آتا۔ ہر ہر رنگ اپنی اپنی تصویر میں پوری طرح فٹ ہے۔ "ہم اللہ کے رنگ میں رنگے گئے ہیں اور کس کا رنگ اللہ کے رنگ سے بہتر ہے"....؟

ترجمہ: "کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا نے آسمان سے مینہ برسایا؟ تو ہم نے اس سے طرح طرح کے رنگوں کے میوے پیدا کیے اور پہاڑوں میں سفید (بِیضٌ) اور سرخ رنگوں کے قطعات ہیں اور (بعض) کالے سیاہ ہیں، انسانوں اور جانوروں اور چارپایوں کے بھی کئی طرح کے رنگ ہیں خدا سے تو اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہیں بیشک خدا غالب (اور) بخشنے والا ہے۔" [سورۂ فاطر (35): آیت 27-28]

اہل عرب کے ہاں سفید رنگ تمام رنگوں میں بہتر اور افضل خیال کیا جاتا تھا، اس لیے کسی کے لیے لفظ بیاض سے عمدہ خصائل اور فضل و کرم مراد لیا جاتا تھا، اور جو شخص عیوب سے پاک ہو اُسے ابیض الوجہ کہا جاتا تھا۔ قرآن میں ہے:

ترجمہ: "جس دن بہت سے منہ سفید (تَبْیَضُّ) ہوں گے اور بہت سے سیاہ.... تو جن لوگوں کے منہ سیاہ ہوں گے (ان سے خدا فرمائے گا) کیا تم ایمان لا کر کافر ہو گئے تھے؟.... سو (اب) اس کفر کے بدلے عذاب (کے مزے) چکھو۔ اور جن لوگوں کے منہ سفید (اَبْیَضَّتْ) ہوں گے وہ خدا کی رحمت (کے باغوں) میں ہوں گے اور ان میں ہمیشہ رہیں گے۔" [سورۂ آل عمران (3): آیت 106-107]

چہرے کی سفیدی اور سیاہی کا ذکر قرآن مجید میں بہت سے مقامات میں آیا ہے، مثلاً: جنہوں نے جھوٹ بولا روزِ قیامت ان کے منہ سیاہ ہوں گے (زمر: 60)، اس روز کتنے منہ روشن خنداں و شاداں ہوں گے اور کتنے منہ پر گرد ہوگی (عبس: 38)، اس دن کتنے منہ پُر رونق ہوں گے اپنے رب کے دیدار کرتے اور کتنے منہ اداس ہوں گے، (قیامہ: 22)، جب ان میں سے کسی کو بیٹی (کے پیدا ہونے) کی خبر ملتی ہے تو اس کا منہ کالا پڑ جاتا ہے (نحل: 58)، جمہور مفسرین کے نزدیک ان آیات میں ایک ہی مفہوم سے متعلق متعدد الفاظ ذکر کیے گئے ہیں، یعنی سفیدی سے مراد نور ایمان کی سفیدی ہے یعنی مومنین کے چہرے نور ایمان سے روشن اور غایت مسرت سے خنداں اور فرحاں ہوں گے، اور سیاہی سے مراد کفر کی سیاہی ہے یعنی کافروں کے چہروں پر کفر کی کدورت چھائی ہوگی اور اوپر سے فسق و فجور کی ظلمت اور زیادہ تیرہ و تاریک کر دے گی۔ بیض کے ایک مجازی معنی روشن، اُجلا، چمکدار اور واضح دلائل کے بھی ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں "ید بیضاء" کئی مرتبہ استعمال ہوا ہے۔

ترجمہ: "اور اپنا ہاتھ اپنی بغل سے لگا لو وہ کسی عیب (و بیماری) کے بغیر سفید (چمکتا دمکتا) (بَیْضَاءُ) نکلے گا...." [سورۂ طٰہٰ (20): آیت 22]؛ [سورۂ نمل (27): آیت 12]؛ [سورۂ

آج کے لیکچر کا موضوع ہے روح کیا ہے، کیا انسان روح کا علم سیکھ سکتا ہے؟

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: "یہ لوگ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے روح میرے رب کے امر سے ہے.... اور روح کے بارے میں جو علم دیا گیا ہے وہ قلیل ہے"....

ایسا نہیں ہے کہ روح کے بارے میں علم نہیں دیا گیا۔ روح کے بارے میں علم تو سکھایا گیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے قلیل علم عطا کیا ہے۔

روحانیت کے بارے میں دو مکاتب فکر ہیں۔ ایک مکتبہ فکر کہتا ہے کہ تصوف ایسا اسکول یا راستہ ہے، جس میں داخل ہو کر آدمی دنیا بیزار ہو جاتا ہے۔ کوئی کمزور آدمی معاملات و مسائل اور مشکلات اور پیچیدگیوں کا کیونکہ وہ مقابلہ نہیں کر سکتا اس لئے وہ دنیا سے فرار اختیار کر کے صوفی بن جاتا ہے۔ وہ کاہل الوجود انسان بن کر دنیا میں زندگی گزارتا ہے۔ تصوف پر نکتہ چینی کرنے والے بعض افراد کہتے ہیں کہ تصوف ایک نشہ ہے۔ آدمی اس نشہ میں ست اور کاہل بن جاتا ہے۔ کوئی آدمی آسائش و آرام کے لئے اپنے گرد کئی مرید جمع کر لیتا ہے اور ان سے خدمت لیتا ہے۔ لوگوں کو بیوقوف بنا کر نذرانے وصول کرتا ہے۔

دوسرا طبقہ کہتا ہے۔ روحانیت ایک مکمل علم ہے۔ جو لوگ روحانی علوم سیکھ لیتے ہیں ان کے شعور میں ایسی بالیدگی پیدا ہو جاتی ہے جو عام انسان میں نہیں ہوتی۔ بلکہ پڑھے لکھے لوگوں میں بھی شعور کی اتنی بالیدگی نہیں ہوتی جتنی بالیدگی روحانی آدمی میں ہوتی ہے۔

سائنٹسٹ کے بارے میں ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ باشعور یا اعلیٰ شعور کا حامل نہیں ہے۔ لیکن جب ایک روحانی آدمی اور سائنٹسٹ کا تجزیہ کیا جاتا ہے تو روحانی علم والا آدمی سائنس کے علوم سے کافی حد تک باخبر ہوتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی صلاحیت عطا کر

روحانی علم والا آدمی سائنس کے علوم سے کافی حد تک باخبر ہوتا ہے

روحانیت یا تصوف کا مقصد "تزکیۂ نفس" ہے۔ تزکیہ سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنی ذات کے اندر جو برائیاں ہیں ان کو اچھائیوں سے تبدیل کرے۔

مادی جسم عارضی اور ناپائیدار ہے۔ جو شخص پیدا ہوتا ہے اسے بہر حال مرنا ہے۔

دی جاتی ہے کہ وہ سائنسی امور میں دخل دے کر اس کے اضافی فوائد یا نقصانات کا بخوبی اندازہ کرلیتا ہے۔

جو گروہ تصوف کو کاہل الوجود لوگوں کا طبقہ سمجھتا ہے اس میں بھی دو طبقے ہیں۔ ایک طبقہ روحانیت کے بارے میں کہتا ہے کہ روحانیت جن بھوت اتارنے کا عمل ہے، وہ زائچہ بتانا بھی روحانیت میں شمار کرتے ہیں۔ ستاروں کا علم، ستارے کیا کہتے ہیں، یہ علم بھی روحانی علم سمجھا جاتا ہے۔ طالبات و طلباء، اساتذہ کرام کو بطور خاص یہ بات جان لینی چاہئے، اسلام میں جب ملوکیت داخل ہوئی تو بادشاہوں نے اپنی حکومت اور اقتدار قائم رکھنے کے لئے مذہب کا سہارا لیا اور مذہبی دانشوروں کو اپنے ساتھ ملالیا۔ علماءِ سُو کی ایک بڑی جماعت ان کے ساتھ شامل ہوگئی اور بادشاہوں نے اپنی مصلحتوں کو سامنے رکھ کر ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ ان کا اقتدار قائم رہے۔

اس کے برعکس جب علماء حق سے روابط کیئے گئے جن کو روحانی ادراک حاصل تھا تو وہ دام فریب میں نہیں آئے۔ نتیجہ میں علماء حق کو قتل تک کیا۔

روحانیت یا تصوف کا مقصد "تزکیہ نفس" ہے۔ تزکیہ سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنی ذات کے اندر جو برائیاں ہیں ان کو اچھائیوں سے تبدیل کرے۔ انسان کے اندر اگر غصہ ہے تو غصہ کے اوپر عفو و درگزر کو ترجیح دے۔

اگر انسان کے اندر اقتدار کی خواہش ہے تو اقتدار کی خواہش کو نظر انداز کر کے اپنے اندر عاجزی اور انکساری پیدا کرے اور اقتدار اعلیٰ کا مالک صرف اور صرف اللہ کو سمجھے۔

تصوف کا ایک مطلب "تقویٰ" ہے۔ یعنی انسان کے اندر ایسی صلاحیتیں زیادہ سے زیادہ ذخیرہ ہو جائیں جو صلاحیتیں انسان کو حیوانیت سے نکال کر انسانیت میں داخل کر دیں اور اس کے اندر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرز فکر پیدا ہو جائے۔ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات ہمارے سامنے ہیں۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کی تعلیمات میں ایک ہی بات بیان کی گئی ہے کہ پرستش کے لائق صرف ایک ذات اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ تمام انبیاء کی تعلیمات کا خلاصہ اور نچوڑ ہے کہ عبادت کے لائق صرف ایک ذات اللہ وحدہ لاشریک ہے۔

جب ہم انسان کی زندگی کا تجزیہ کرتے ہیں.... بڑی آسانی کے ساتھ ہم اس حقیقت کو جان لیتے ہیں کہ مادی جسم عارضی اور ناپائیدار ہے۔ جو شخص پیدا ہوتا ہے اسے بہر حال مرنا ہے۔ ہر باشعور انسان جانتا ہے کہ مادی جسم عناصر سے مرکب ہے۔ جسم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ حرکت کرتا ہو اور متحرک ہو۔ اگر جسم متحرک نہیں ہے تو ہم اس جسم کو لاش یا Dead Body کہتے ہیں۔ انسان کی زندگی مسلسل حرکت ہے۔ اگر انسان کے اندر حرکت ہے تو زندہ ہے، اگر انسان کے اندر حرکت نہیں ہے تو مردہ ہے۔ مردہ جسم کی کوئی حیثیت نہیں۔

تصوف ہمیں بتاتا ہے کہ زندگی کہاں سے آتی ہے۔ آدمی مر کیوں جاتا ہے؟ زندگی روٹھ کیوں جاتی ہے اور حرکت کس طرح ختم ہو جاتی ہے؟ دنیا ایک امتحان گاہ ہے، ایک سرائے ہے۔ یہاں انسان کو اس لئے بھیجا گیا ہے کہ اس کی کچھ ذمہ داریاں ہیں۔ اس کو اس دنیا میں اچھائی اور برائی کو تصور دے کر بھیجا گیا ہے۔ اچھائی اور برائی کے تصور میں یہ بتا دیا گیا ہے۔ یہ باتیں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی پسندیدہ ہیں اور یہ

باتیں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے لئے ناپسندیدہ ہیں۔ جو ناپسندیدہ باتیں ہیں وہ سب کی سب برائی ہیں اور اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے لئے جو باتیں پسندیدہ ہیں وہ سب کی سب اچھائی ہیں۔ اگر تم اچھے اعمال کرو گے تو یہاں بھی خوش رہو گے، یہاں بھی پر سکون رہو گے اور اگر تم اچھے اعمال نہیں کرو گے تو یہاں بھی بے سکون رہو گے اور مرنے کے بعد کی زندگی بھی انتہائی اذیت ناک اور دردناک ہو گی۔

تصوف راہنمائی کرتا ہے کہ انسان کو مرنے سے پہلے اور مرنے کے بعد کی زندگی سے واقف ہونا چاہیے۔ جس طرح آپ مختلف علوم سیکھتے ہیں.... دل کی حقیقت کیا ہے؟ مائنڈ کیا ہے؟ وہ توانائی کیا ہے جس سے انسان زندہ رہتا ہے؟ ان تمام سوالوں کے جواب تصوف میں ملتے ہیں۔

روحانی نقطۂ نظر سے انسان کا شرف یہ ہے کہ انسان کو سب سے پہلے اپنی زندگی کا مقصد معلوم ہونا چاہئے کہ ہم اس دنیا میں کیوں آئے ہیں؟ انسان کو اس بات کا ادراک ہونا چاہئے کہ انسان کا خالق کون ہے؟ اگر خالق اور مخلوق کے تعلق کے بارے میں انسان کو علم نہیں ہے تو اس کی حیثیت حیوانات سے ممتاز نہیں ہے۔

میں تمہاری رگ جان سے زیادہ قریب ہوں....جہاں تم چار ہو وہاں میں پانچواں ہوں۔ جو تم کرتے ہو میں جانتا ہوں۔ جو تم چھپاتے ہو وہ میں دیکھتا ہوں۔ میں ہی تمہاری ابتدا ہوں میں ہی تمہاری انتہا ہوں۔ میں ہی تمہارا اول ہوں میں ہی تمہارا آخر ہوں۔ تم میری سماعت سے سنتے ہو۔ تم میری بصارت سے دیکھتے ہو۔ تم میرے فواد سے سوچتے ہو۔ میں تمہارے نفسوں میں ہوں تم مجھے دیکھتے کیوں نہیں؟

ہمارے حواس اسی وقت کام کرتے ہیں جب ہمارے اندر روح موجود ہو۔ ایک طبقہ کہتا ہے کہ روح کا علم حاصل نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ روح کا علم دیا گیا ہے مگر قلیل۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ اللہ نے روح کا جو علم دیا ہے وہ قلیل ہے، اللہ کا دیا ہوا قلیل علم بھی سمندروں سے زیادہ کثیر اور وسیع ہے۔ کیونکہ لامحدود کا قلیل بھی لامحدود ہوتا ہے۔

تصوف یہ عقدہ کھولتا ہے کہ انسان روح کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور روح اللہ کا امر ہے۔

ترجمہ: ہم نے آدم کے پتلے میں اپنی روح میں سے روح ڈال دی۔ ہم نے اس کے اندر اپنی روح میں سے روح پھونک دی۔ اگر کوئی انسان پڑھ لکھ کر بڑے سے بڑا سائنسدان بن جائے اور روحانی علوم حاصل نہ کرے تو اسے علم تو حاصل ہو جائے گا لیکن شرف حاصل نہیں ہو گا۔

اصل روحانیت یہ ہے کہ کوئی انسان اپنی روح سے، اپنی ذات سے کتنا واقف ہے۔ انسان جتنا اپنی ذات سے، اپنی روح سے واقف ہو جاتا ہے، اسی مناسبت سے وہ اللہ تعالیٰ سے واقف ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے.... کہ جس نے اپنی نفس (ذات) کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ یعنی اللہ تک رسائی حاصل کرنے کے لئے، اللہ کی قربت حاصل کرنے کے لئے، اللہ سے ہم کلام ہونے کے لئے اور اللہ کو دیکھنے کے لئے، اللہ کے سامنے اپنی عرض معروضات پیش کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان اپنی روح سے واقف ہو۔ اگر آدمی اپنی روح سے واقف نہیں ہو گا تو اس کا اللہ سے رابطہ قائم نہیں ہو گا۔

❖

انسان کے پاس پانچ ہزار سال کی تاریخ موجود نہیں ہے اور جب پانچ ہزار سال کی تاریخ موجود نہیں تو دو کھرب سال کا تذکرہ کس طرح کیا جاسکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ دو کھرب سال کا تذکرہ کرنا یا دو کھرب سال کی عمر کا تعین محض ایک اطلاع ہے۔ اطلاع کے علاوہ کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اگر ایک سال کو ایک یونٹ قرار دیا جائے تو دو کھرب سال کو دو کھرب یونٹ کہا جائے گا یعنی ادراک نے ایک احساس کو دو کھرب حصوں میں تقسیم کردیا۔ یہ ایک اطلاع ہے لیکن اس کی طوالت دو کھرب سال کا زمانہ ہے۔ دو کھرب سال کسی نے نہیں دیکھے۔ دو کھرب سال کے زمانے کو ہم کسی طرح ذہن کے اندر محسوس نہیں کرسکتے۔ لیکن جب سننے والے نے دو کھرب سال کی اطلاع کے بارے میں سنا تو اس نے عملاً دو کھرب سال کی طوالت کا احساس کیا۔ اس نے دو کھرب سال کی اطلاع کو قبول کرلیا۔

روشنی غیر متواتر

ہر فرد اپنے بارے میں یہ جانتا ہے کہ میں ہوں جب کوئی فرد یہ جان لیتا ہے کہ میں ہوں تو اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ میں کیا ہوں۔۔۔؟ جب ذہن میں میں کیا ہوں کا سوال ابھرتا ہے تو یہ سوال بھی سامنے آتا ہے کہ میں کہاں سے آیا ہوں۔

میں ہوں کا تعلق علم سے ہے۔ میں ہوں۔۔۔۔ کس طرح معلوم ہوا کہ میں ہوں۔ انسان کی اپنی ذات کا تشخص اور اپنی انفرادی حیثیت علم ہے۔ میں کی حیثیت علیم اور ہوں کی حیثیت علم ہے۔ بندہ اپنی انفرادیت کا تذکرہ کرتا ہے تو کہتا ہے میں ایک طرف علم ہوں اور دوسری طرف علیم ہوں۔

کتاب لوح وقلم روحانی سائنس پر وہ منفرد کتاب ہے جس کے اندر کائناتی نظام اور تخلیق کے فارمولے بیان کیے گئے ہیں۔ ان فارمولوں کو سمجھانے کے لیے سلسلہ عظیمیہ کے سربراہ حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی نے روحانی طلباء اور طالبات کے لیے باقاعدہ لیکچرز کا سلسلہ شروع کیا جو تقریباً ساڑھے تین سال تک متواتر جاری رہا۔ یہ لیکچرز بعد میں کتابی صورت میں شایع کیے گئے۔ ان لیکچرز کو روحانی ڈائجسٹ کے صفحات پر پیش کیا جارہا ہے تاکہ روحانی علوم سے دلچسپی رکھنے والے تمام قارئین حضرات وخواتین ان کے ذریعے آگاہی حاصل کرسکیں۔

یہ علیم کون ہے....؟ یہ صفت کیسے وجود میں آئی....؟ علیم نے اپنی صفت کا مظاہر کس طرح کیا....؟

علم اطلاع کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ انسان بحیثیت علیم اور بحیثیت علم دو رخوں سے مرکب ہے۔ علم ہو یا علیم دونوں کا تعلق اطلاع سے ہے۔ یہ اطلاع کہ میں ہوں کہاں سے آئی.... یوں سمجھیے کہ انسان ایک اطلاعاتی ادراک ہے۔ ایسا ادراک جس کی بنیاد اطلاع پر قائم ہے۔ اطلاع کے اندر معانی پہنائے جاتے ہیں۔ ایک طرف اطلاع میں معانی نہیں ہوتے اور دوسری طرف اطلاع میں معانی پہنائے جاتے ہیں۔ اطلاع کے اندر جب طوالت ہوتی ہے تو وقفہ پیدا ہو جاتا ہے اور جب طوالت نہیں ہوتی تو وقفہ کم سے کم ہو جاتا ہے یا اتنا کم ہو جاتا ہے کہ وقفہ نہیں رہتا۔ اطلاع میں ادراک کی طوالت ایک سیکنڈ سے زیادہ نہیں ہے لیکن یہی طوالت جو ایک سیکنڈ سے زیادہ نہیں ہے کھربوں سال پر محیط ہو جاتی ہے۔ جب ہم کھربوں سال کا تذکرہ کرتے ہیں تو کھربوں سال کا وقفہ ایک سیکنڈ سے زیادہ ہوتا ہے۔

انسان ایک اطلاع ہے۔ چونکہ انسان بذات خود اطلاع ہے۔ اس لیے ساری زندگی اطلاع ہے۔ جذبات و احساسات اور حواس کا تعلق اطلاع پر ہے۔ اطلاع ہے تو حواس ہیں۔ اطلاع نہیں ہے تو حواس نہیں ہیں۔

اطلاع کیا ہے....؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

God Said Light And There Was Light

خدا نے کہا روشنی! اور روشنی ہو گئی۔ اسی بات کو قرآن پاک نے کُن فیکون بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کہا ہو جا اور وہ ہو گیا۔

کائنات میں موجود ہر شے روشنی ہے۔ ہماری بصارت بھی روشنی ہے، سماعت بھی روشنی ہے۔ فہم و فراست کی صلاحیت بھی روشنی ہے۔ جس ماحول میں ہم زندہ ہیں اس ماحول میں تمام چیزیں روشنی ہیں۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ کائنات کا ہر چھوٹا جز اور بڑا جز روشنی ہے تو کتاب اور کتاب کے الفاظ بھی روشنی ہیں۔ چونکہ کتاب بھی روشنی ہے الفاظ بھی روشنی ہیں اس لیے ہماری نظر بھی روشنی ہے۔ روشنی کو روشنی پڑھتی ہے اور روشنی کو روشنی دیکھتی ہے۔ ہم جب کتاب پڑھتے ہیں تو روشنی پڑھتے ہیں روشنی سمجھتے ہیں۔

روشنی کیا ہے....؟

روشنی ایک اطلاع ہے یعنی روشنی اور اطلاع ایک ہی چیز ہے۔

انسان اپنی حفاظت کے لیے لباس بناتا ہے وہ لباس سوتی کپڑے کا اونی کپڑے کا یا کھال کا ہوتا ہے۔ جب تک لباس گوشت کے جسم پر ہے لباس میں حرکت ہے جب جسم پر سے لباس اتار دیا جاتا ہے تو لباس میں حرکت نہیں رہتی۔ لباس بھی روشنی ہے یہ لباس ''نسمہ'' ہے۔

سائنس ادرک کے اس مرحلہ تک پہنچ گئی ہے کہ انسان اور انسان کے علاوہ جتنے بھی افراد ہیں سب روشنیوں کے خول میں بند ہیں۔ روشنی خود روشنی ہے۔ دوسری طرف روشنی اپنی خودی کو ظاہر کرنے کے لیے روشنی دکھاتی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ کائنات میں جتنی چیزیں موجود ہیں روشنی ہیں۔ روشنی مظاہرہ کرنے کے لیے ایک لباس بناتی ہے۔ جب تک روشنی لباس سے رشتہ قائم رکھتی ہے لباس قائم رہتا ہے اور جب روشنی لباس سے رشتہ توڑ لیتی ہے لباس بکھر جاتا ہے۔

روشنی کی حرکت مسلسل اور متواتر ہے۔ روشنی کسی لمحے چین سے نہیں بیٹھتی اس لیے ہر لمحہ ہر آن نیا روپ نیا لباس بنا کر مظاہرہ کرتی ہے۔ روشنی بتاتی ہے کہ میں ہوں اور ''میں ہوں'' اطلاع کے علاوہ کچھ نہیں اور اطلاع خود روشنی ہے۔

(جاری ہے)

ان صفحات پر روحانی سائنس سے متعلق آپ کے سوالوں کے جوابات محقق نظریہ رنگ و نور الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی پیش کرتے ہیں۔ اپنے سوالات ایک سطر چھوڑ کر صفحے کے ایک جانب خوشخط تحریر کرکے درج ذیل پتے پر ارسال فرمائیں۔ برائے مہربانی جوابی لفافہ ارسال نہ کریں کیونکہ روحانی سوالات کے براہ راست جوابات نہیں دیے جاتے۔ سوال کے ساتھ اپنا نام اور مکمل پتہ ضرور تحریر کریں۔

روحانی سوال و جواب-1-D,1/7، ناظم آباد۔ کراچی74600

سوال: ورود اور شہود کے الفاظ تصوف کی کتابوں میں بکثرت استعمال ہوئے ہیں۔ ورود اور شہود کی کیفیت آدمی کس طرح حاصل کرسکتا ہے۔

(صابر ہاشم۔ کراچی)

جواب: روح کی ساخت مسلسل حرکت چاہتی ہے۔ جس طرح انسان بیداری کی حالت میں مسلسل حرکت کرتا رہتا ہے۔ چاہے وہ حرکت چلتے پھرتے ہو بیٹھ کر ہو یا ذہن کی سوچ کی ہو یعنی انسان بیداری کی کیفیت میں ہر لمحہ حرکت کرتا ہے۔ بالکل اسی طرح روح کی کیفیت نیند کے عالم میں بھی قائم رہتی ہے اور جب انسان سو جاتا ہے تو بیداری کی طرح نیند میں کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہے لیکن وہ جو کچھ کرتا ہے اس سے واقف نہیں ہوتا۔ صرف خواب کی حالت ایسی ہے جس کا اسے علم ہوتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم خواب کے علاوہ نیند کی باقی حرکات سے بھی مطلع ہوں۔ انسان کی ذات نیند میں جو حرکت کرتی ہے اگر حافظہ کسی طرح اس لائق ہو جائے کہ اس کو یاد رکھ سکے تو ہم باقاعدگی سے اس کا ایک ریکارڈ رکھ سکتے ہیں۔ حافظہ کسی نقش کو اس وقت یاد رکھتا ہے جب وہ گہرا ہو۔ یہ مشاہدہ ہے کہ بیداری کی حالت میں ہم جس چیز کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ جب ہم نیند کی تمام حرکات کو یاد رکھنا چاہیں تو دن رات میں ہمہ وقت نگاہ کو باخبر رکھنے کا اہتمام کریں گے۔ یہ اہتمام صرف جاگنے سے ہی ہو سکتا ہے۔ طبیعت اس بات کی عادی ہے کہ آدمی کو سلا کر ذات کو بیدار کر دیتی ہے۔ پھر ذات کی حرکات شروع ہو جاتی ہے۔ جب روحانی طالب علم مسلسل جاگنے کا پروگرام بنالیتا ہے تو اس سونے کی عادت کی خلاف

ورزی کرنا طبیعت کے انقباض کا باعث ہوتا ہے۔ کم سے کم دو دن دو رات گزر جانے کے بعد طبیعت میں کچھ کشادگی پیدا ہونے لگتی ہے اور ذات کی حرکات شروع ہو جاتی ہیں۔ اوّل اوّل آنکھیں بند کر کے ذات کی حرکات کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ مسلسل اسی طرح کئی ہفتے یا کئی ماہ جاگنے کا اہتمام کرنے کے بعد آنکھیں کھول کر بھی ذات کی حرکات سامنے آنے لگتی ہیں۔ اہلِ تصوف بند آنکھوں سے مشاہدہ کی حالت کو ورود اور کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کی حالت کو شہود کہتے ہیں۔

❀❀❀

سوال: مراقبہ میں ایک خیال پر توجہ مرکوز کرنے کی ہدایت کی جاتی ہے۔ کیا اس سے ہم یہ سمجھ لیں کہ مراقبہ میں جو کچھ نظر آتا ہے وہ محض خیال ہے۔ آپ کا اس بارے میں کیا موقف ہے؟

(محمد عرفان۔ سرگودھا)

جواب: مراقبہ میں جو کچھ نظر آتا ہے وہ سب کا سب محض خیال نہیں ہیں۔ جب ہم بیداری کی زندگی پر غور کرتے ہیں تو ہمارا تجرباتی مشاہدہ یہ ہے کہ ہم اس وقت تک کھانا نہیں کھا سکتے جب تک ہمیں کھانا کھانے کا خیال نہ آئے۔ ہم پانی نہیں پی سکتے جب تک ہمیں پانی پینے کا خیال نہ آئے۔ یہ اور بات ہے کہ ہم نے اس خیال کا نام بھوک یا پیاس رکھا ہوا ہے۔

اگر ہمیں گھر سے دفتر جانے کا خیال نہ آئے تو ہم دفتر نہیں جائیں گے۔ امرِ واقعہ یہ ہے کہ زندگی کا ہر عمل اس وقت ہوتا ہے جب پہلے اس کا خیال ہمارے دماغ پر وارد ہوتا ہے۔ ہر انسان کی زندگی دو قسم کے خیالات پر سفر کر رہی ہے۔ ایک قسم کے خیالات میں زمان اور مکان کی پابندی نہیں ہے۔ پابندی کو بیداری اور آزادی کو خواب کا نام دیا جاتا ہے۔ خواب کے اعمال و حرکات جب بیداری میں منتقل ہوتے ہیں تو اس کیفیت کا نام مراقبہ ہے۔ ہم کسی بھی طرح خواب کی زندگی سے انکار نہیں کر سکتے۔ مشاہدات اور تجربات بھی خواب کی اہمیت کو واضح کرتے ہیں۔

زندگی میں ہر فرد اس عمل سے گزرتا ہے کہ اس نے خواب دیکھا تلذذ ہوا اور غسل واجب ہو گیا۔ جس طرح بیداری میں اس عمل کے بعد غسل کئے بغیر نماز روزہ نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح خواب میں بھی اس عمل سے گزرنے کے بعد غسل واجب ہو جاتا ہے اور غسل کئے بغیر نماز روزہ نہیں ہو سکتا۔

سائنس دانوں نے جب مختلف آلات کے ذریعے نیند کے دوران دماغ کی برقی رو کا مطالعہ کیا تو یہ برقی رو حالت بیداری کے مشابہہ ثابت ہوئی۔ گویا سونے والے انسان کا دماغ مکمل طور پر مستعد پایا گیا جو اس بات کا ثبوت ہے کہ مادی اعتبار سے تو انسان ہمارے سامنے معطل حواس میں موجود ہے لیکن اس کا دماغ حالتِ بیداری کی طرح متحرک اور مصروفِ عمل ہے۔

دسمبر 1989ء کے شمارے کا سرورق

اس ماہ کے مضامین میں حضرت آدمؑ، معجزات رسول اکرم ﷺ، مثنوی مولانا رومؒ، اسم اعظم، ٹیکنالوجی اور مسلمان، حیات بعد از موت، ہپناٹزم اور یوگا، بنت رسول ﷺ حضرت کلثومؓ، سچا واقعہ، چہرے کے گلاب کیسے کھلیں گے، بزدل بچے، اونٹنی بیٹھ گئی، اندلس کا فاتح، توانائی کی دنیا میں انقلاب، مصنوعی ذہانت، 70 ہزار بردے 18 ہزار عالم جبکہ سلسلہ وار مضامین میں نور الٰہی نور نبوت، آواز دوست، تاثرات، صاحب خلق عظیم ﷺ، پیراسائیکلوجی، گیارہ فریکوئنسی، محفل مراقبہ، پراسرار آدمی، علم الاعداد اور انسان، اللہ رکھی، آپ کے مسائل شامل تھے۔

اس شمارے سے منتخب کردہ تحریر "نفسیات اور جسمانی بیماریاں" قارئین کے ذوق مطالعہ کے لیے دی جا رہی ہیں۔

نفسیات اور جسمانی بیماریاں

ڈاکٹر اویس مصطفیٰ

انیسویں صدی میں لوئی پاسچر نے میڈیکل سائنس کو جراثیم کی تھیوری سے متعارف کروایا۔ جس کی بدولت یہ بنیادی نظریہ وجود میں آیا کہ بیماری کا آغاز جراثیم اور ان کے پیدا کردہ زہریلے مادوں سے ہوتا ہے۔ اگر بیماری کو ختم کرنا مقصود ہے تو جراثیم کو ختم کرنا ہوگا۔ یہ بنیاد ایسی مضبوط ہوئی کہ اسی کو علاج کا محور تسلیم کیا جانے لگا۔ اس کے نتیجے میں اب تک بے شمار اینٹی بایوٹکس ایجاد ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں۔

یہ تھیوری اپنی جگہ درست سہی مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی جھٹلائی نہیں جاسکتی کہ جراثیم کا

حملہ جسم پر اسی وقت کامیاب ہو سکتا ہے جب جسم اپنا دفاع نہ کر سکے۔

ہمارے جسم میں اللہ تعالیٰ نے خود کار قوت مدافعت بھی پیدا کی ہے جو شب و روز کروڑوں جراثیم کا حملہ ناکام بناتی رہتی ہے۔ یہ قوت مدافعت مختلف وجوہات سے کم ہو جاتی ہے۔ لیکن سب سے زیادہ کردار ہمارے جذبات، خیالات اور احساسات کا ہے جو بڑی حد تک جسم پر اثر انداز ہو کر قوت مدافعت میں کمی یا اضافے کا موجب بنتے ہیں۔

ہمارے جسم پر ہمارے ذہن کی حکمرانی ہے جبکہ ذہن جسم کے تابع نہیں ہے۔ اس لیے ہمارے ذہنی افعال بلاواسطہ یا بالواسطہ طور پر ہمارے جسم پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کوئی، مشکل نہیں کہ جراثیم کے سدّباب سے بھی زیادہ جذبات و احساسات پر توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ یہی حملے کے لیے راستہ ہموار کرتے ہیں۔

یہ جاننے کے لیے کہ ہمارے ذہن اور جسم کے درمیان کتنا گہرا تعلق ہے۔ مندرجہ ذیل چند مثالیں کار آمد ثابت ہوں گی۔

خوشی کی حالت میں جلد کو خون پہنچانے والی شریانیں یکدم پھیل جاتی ہیں۔ جسم کے اندرونی حصوں سے خون سمٹ آتا ہے اور ان بیرونی شریانوں میں بھر جاتا ہے جس کی وجہ سے چہرے پر سرخی نظر آتی ہے اور باقی جسم میں بھی تروتازگی آجاتی ہے۔ ذہن خوشی کا احساس کرتے ہی دوران خون میں تبدیلیوں کا سگنل بھیجتا ہے۔

اگر ذہن پر خوف کا غلبہ ہو جائے تو چہرے کا رنگ اڑ جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ خون جسم کے بیرونی حصوں سے نکل کر اندرونی حصوں کی طرف رش کرتا ہے اس سے یہ بھی ہوتا ہے کہ دماغ کو خون کی سپلائی پورے طور پر نہیں مل پاتی جس کے نتیجے میں چکر آجاتے ہیں۔

کسی خطرے کی صورت میں بے انتہا چستی پیدا ہوتی ہے جو لڑنے یا بھاگنے میں کام آتی ہے۔ دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے۔ ایڈرینل گلینڈ کی رطوبت زیادہ مقدار میں خارج ہوتی ہیں۔ بعض لوگوں کو بخار بھی ہو جاتا ہے۔

بہت زیادہ خوف طاری ہو جائے تو انتڑیاں ڈھیلی پڑ جاتی ہیں اور اسہال شروع ہو جاتے ہیں۔

کسی بھی ہیجان انگیز خیال سے گردوں کا فعل تیز ہو جاتا ہے اور پیشاب زیادہ آتا ہے۔

مسرت کی حالت میں تیزی آجاتی ہے جبکہ غم اور فکر کی حالت میں آدمی آہستہ آہستہ چلتا ہے۔

ڈپریشن سے معدے کا السر پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ معدے کی رطوبتوں کا اخراج ڈسٹرب ہو جاتا ہے۔

خوفزدہ لوگ انفلوئنزا کا اثر جلدی قبول کرتے ہیں۔

نفرت، حسد اور جذباتی تناؤ سے دماغ کی شریانیں سکڑ جاتی ہیں اور سر درد پیدا ہوتا ہے۔

جو لوگ ایک مدت تک افسردہ رہ کر زندگی گزارتے ہیں وہ جوڑوں کے درد میں بہت جلد مبتلا ہوتے ہیں۔

نفسیاتی الجھنیں انسان کی یادداشت کو متاثر کرتی ہیں۔

بے اطمینانی، عدم دلچسپی، تشویش، پریشانی اور تفکرات سے جسمانی تھکن پیدا ہوتی ہے اور بے خوابی کی شکایت سامنے آتی ہے۔

ہم آنکھوں سے جو کچھ دیکھتے ہیں اس کا تقریباً نصف عمل ہمارے دماغ میں انجام پاتا ہے۔ اس لیے دماغی کیفیت اور جذبات کا اثر ہماری بصارت پر ضرور پڑتا ہے۔ آپ نے غور کیا ہوگا کہ سخت پریشانی، گھبراہٹ اور بدحواسی کے عالم میں بعض اوقات سامنے رکھی ہوئی چیز بھی نظر نہیں آتی۔

تمام جذباتی رویوں میں نظام دوران خون لازماً متاثر ہوتا ہے۔ جو لوگ مسلسل ذہنی کشمکش میں مبتلا رہتے ہیں وہ عموماً بلڈ پریشر میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

بہت جلد مشتعل ہو جانے والے لوگوں میں امراض قلب کا پیدا ہونا بہت آسان ہوتا ہے۔

دبی ہوئی احتیاجات، لاشعور کی شدید کشمکش اور طبیعت کے حساس پن کی وجہ سے دمے کے حملے زیادہ ہوتے ہیں۔

خوف اور تشویش کی حالت میں خون میں شکر کے تناسب میں تبدیلی آجاتی ہے۔ جب خوف اور تشویش دور ہو جاتے ہیں تو قدرتی تناسب بحال ہو جاتا ہے۔ مگر جب کوئی شخص ایک طویل عرصے تک جذباتی تناؤ، خوف اور تشویش میں مبتلا رہے تو اس کے خون میں موجود شکر کا تناسب مسلسل گڑبڑ رہتا ہے اور ذیابیطس کا موجب بنتا ہے۔

خوف کی حالت میں جی متلاتا ہے۔

زندگی میں مسلسل تشنگی رہے تو معدے کے سرطان کے خطرات موجود رہتے ہیں۔

دل شکستگی کی حالت میں بھوک مر جاتی ہے۔ جلد میں موجود ٹشوز اور شریانیں جذباتی عوامل میں برابر کی شریک ہوتی ہیں۔ چنانچہ جذباتی تکالیف اور خرابیوں کا اظہار جلد پر خارش اور ایگزیما وغیرہ کی صورت میں ہوتا ہے۔ پتی اچھل آتی ہے۔

مسلسل ناپسندیدہ ماحول میں رہنا اور اپنے جذبات کو دباتے رہنا الرجی پیدا کرتا ہے۔

جنسی امراض میں مبتلا لوگ زیادہ تر خیالی اندیشوں کی وجہ سے بیمار ہوتے ہیں۔ عموماً جنسی خرابیاں عضلاتی نہیں بلکہ انفعالی ہوا کرتی ہیں۔ گناہ سے زیادہ احساس گناہ کے ہاتھوں نقصان پہنچتا ہے۔

عورت کی ذہنی اور جذباتی کیفیات حیض پر اثر انداز ہوتی ہیں اور اس کے نظام کو بے قاعدہ بنا دیتی ہیں۔ تشویش کی حالت میں چھاتیوں میں دودھ کا نظام بگڑ جاتا ہے۔ دوران حمل عورت کی ذہنی کیفیات جینین پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں۔

ان مثالوں سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ دماغی حالت میں کسی بھی قسم کی تبدیلی انسان کے جسم میں موجود قوت مدافعت میں تبدیلی پیدا کرنے کا باعث بنتی ہے۔ مدافعاتی نظام اور ذہن کا ایک دوسرے سے گہرا رابطہ ہے۔ مدافعاتی نظام کیمیاوی رطوبتوں کے ذریعے دماغ کو معلومات فراہم کرتا ہے اور دماغ مدافعاتی نظام کو برقیاتی سگنلز کی ترسیل کرتا رہتا ہے۔ رابطے کے اس عمل کو FEED BACK LOOP کا نام دیا گیا ہے۔

مدافعاتی نظام میں لمفوسائیٹس کا کردار بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ لمفوسائیٹس Thymus

Gland، تلی اور Bone Marrow میں موجود ہوتے ہیں جہاں سے یہ دوران خون میں شامل ہو جاتے ہیں۔ یہ ہمیشہ الرٹ رہتے ہیں اور جونہی کوئی نقصاندہ عنصر جسم میں داخل ہوتا ہے، یہ اس پر حملہ آور ہوتے اور اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔ جسم میں لمفو سائیٹس سے ذرا مختلف خلیات بھی پائے جاتے ہیں جنہیں Macrophages کہا جاتا ہے۔ ان کا سائز لمفو سائیٹس سے تھوڑا سا بڑا ہوتا ہے یہ بھی جسم کے دفاع میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ خلیات بڑے حساس ہوتے ہیں اور جذباتی وجوہات کی بنا پر ان کی کارکردگی متاثر ہوتی ہے۔ فکر، پریشانی، خوف، تشویش یا کوئی بری خبر سننے کے نتیجے میں جو اسی نظام پر زور پڑتا ہے اور جسم کی قوت مدافعت کسی بھی بیماری کے خلاف کم ہو جاتی ہے۔

اس تمام بحث سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جسم کی قوت مدافعت میں اضافہ کرنے کے لیے ذہنی سوچوں، خیالات اور نقطہ نظر کو مثبت بنانا بے حد ضروری ہے۔ یہ درست ہے کہ زندگی میں خوشگوار واقعات کے ساتھ ساتھ تلخ سانحے اور ناخوشگوار حادثے بھی پیش آتے رہتے ہیں۔ اور ان سے انسان متاثر بھی ہوتا ہے لیکن یہ تاثر لمحاتی ہونا چاہیے۔ ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ ایک ہی سانحے پر ہر شخص کا ردعمل مختلف ہوتا ہے۔ بعض لوگ تو چند لمحوں کے بعد ہی اس حادثے کو فراموش کر دیتے ہیں۔ کچھ لوگوں پر چند دنوں تک اس کا اثر رہتا ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ اثر خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اس تلخ سانحے کو اپنے اوپر بری طرح حاوی کر لیتے ہیں۔ وہ دن رات اسی سانحے کا رونا روتے رہتے ہیں اور اسی غم میں گھلتے رہتے ہیں۔ یہ روش خطرناک ہے حالانکہ محض اپنی سوچ کو مثبت بنا لینے سے ان بے جا پریشانیوں اور تفکرات سے بچا جا سکتا ہے۔ نفرت، حسد، دشمنی، عداوت، جیسے جذبوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھنا بے حد ضروری ہے۔ یہ منفی جذبے جسم کو گھن کی طرح چاٹ جاتے ہیں۔ حساس لوگوں کو خصوصی طور پر اپنے میں برداشت کا مادہ پیدا کرنا چاہیے اور خوش و خرم.... رہنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔

ایڈجسٹ ہو جانے کی صلاحیت ہمارے ذہن میں قدرتی طور پر موجود ہے۔

جب صورتحال کا تبدیل ہونا ممکن نظر نہ آتا ہو تو ذہن اپنے آپ کو تبدیل کر لیتا ہے اور ناگزیر حالات سے سمجھوتہ کر لیتا ہے۔

ہمارا لاشعور ایک کمپیوٹر کی طرح ہے۔ جسے باقاعدہ ایک پروگرام FEED کرنا پڑتا ہے۔ پھر اس پروگرام کے اثرات ہمارے لاشعوری افعال میں بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر ہم اپنے لاشعور کو خدشات بے یقینی، وسوسوں، پریشان کن خیالات اور ناکامیوں کے جذبات FEED کرتے رہے تو شعوری عوامل میں بے چینی، بد دلی اور منفیت داخل ہو جاتی ہے۔

اس کی بجائے اگر ہم صحت مندانہ خیالات، مربوط نصب العین اور جامع پروگرام FEED کریں تو نتائج کے طور پر ہمارے شعور کو بے شمار مثبت خیالات، ٹھوس تجاویز اور مضبوط لائحہ عمل حاصل ہو گا۔ جو ہمیں زندگی کو بہتر اور کامیاب انداز میں گزارنے میں مدد دے گا۔

سندھ کی تہذیب کا امین... لاڑکانہ

دریائے سندھ، عظیم ہمالیہ کے برفیلے تودوں سے سیراب ہو کر، جنوب مغربی تبت کی مان سرور جھیل کے قریب اپنا سفر شروع کرتا ہے یہ دریا بلند و بالا پہاڑوں، دشوار گزار گھاٹیوں اور وسیع و عریض میدانوں سے گزرتا ہوا اٹھارہ سو میل کی طویل مسافت طے کر کے بحیرہ عرب سے جا ملتا ہے۔ دریائے سندھ نے ہزاروں سال کئی تہذیبوں کو بنتے اور مٹتے دیکھا ہے، دریائے سندھ وادیٔ مہران کو دو حصوں بالائی سندھ اور زیریں سندھ میں تقسیم کرتا ہے۔ بالائی سندھ کے شمال مغربی حصہ میں صوبہ بلوچستان کی سرحدوں کو چھوتا ہوا قدیم شہر.... لاڑکانہ، آباد ہے۔ سندھ کی ہزاروں سال پرانی تہذیب کا امین ہے۔

کسی دور میں یہاں لاڑک قبیلے کے افراد بسیرا کرتے تھے۔ لاڑک قبیلے کے نام پر اس بستی کا نام لاڑکانہ پڑ گیا۔ یہ بستی رفتہ رفتہ پورے علاقے کا صدر مقام بن گئی۔ اس علاقے کو صدیوں سے چانڈکا بھی کہا جاتا تھا۔ کیونکہ یہ علاقہ چانڈیو قبائل کو جاگیر میں ملا تھا۔ آج بھی لاڑکانہ ضلع میں، چانڈیو قبیلے کے لوگ بڑی تعداد میں آباد ہیں۔

لاڑکانہ نے کلہوڑوں اور تالپوروں کے دور میں بہت ترقی کی۔ یہ شہر ایک اہم تجارتی منڈی کی شکل اختیار کر گیا۔ حتیٰ کہ اسے سیاح "سندھ کا عدن" کے نام سے پکارتے تھے۔ مختلف ممالک سے تجارت پیشہ

افراد اور ماہرین کی آمدورفت کے باعث شہر کی اہمیت میں اضافہ ہوا۔ قدیم زمانے سے سندھ میں ایک کہاوت مشہور چلی آرہی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ "اگر، پاس پیسہ ہو تو لاڑکانہ ضرور گھومو۔"

موئن جو ڈرو ایئرپورٹ لاڑکانہ شہر سے اٹھارہ کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے، ایئرپورٹ سے بذریعہ کار بیس منٹ میں شہر پہنچا جاسکتا ہے۔ یہ خوبصورت ایئرپورٹ 1963ء، 1964ء میں تعمیر ہوا تھا۔ میں 1973ء، 1974ء میں اس کو مزید وسعت دی گئی۔

لاڑکانہ نے تعمیرات کے لحاظ سے نمایاں ترقی کی ہے اور شہر میں داخل ہوتے ہی یہاں کی جدید اور خوبصورت عمارتیں اپنی جانب متوجہ کرتی ہیں۔

سندھ کے دیگر شہروں کی طرح لاڑکانہ میں بھی ایک شاہی بازار موجود ہے۔ صرافہ، کپڑے، جوتے اور عام استعمال کی اشیاء کی سینکڑوں کانوں پر مشتمل یہ لاڑکانہ کا سب سے بڑا بازار ہے۔ ایک اور بازار کسی دور میں سیٹھو بازار کہلاتا تھا آج اس کی جگہ بند روڈ کی دونوں اطراف الیکٹرانکس، کتابوں اور دیگر اشیاء کی عالی شان دکانیں بن گئی ہیں۔ ریشم گلی میں کپڑا اور کراکری کا سامان ملتا ہے۔ دیگر بازاروں میں کٹھان بازار، صرافہ بازار، اناج منڈی اور کینیڈی مارکیٹ قابل ذکر ہیں۔ لاڑکانہ کی اہم سڑکوں میں بند روڈ، قائد عوام روڈ، حیات محمد شیر پاؤ روڈ اور محمد بن قاسم روڈ شامل ہیں۔

لاڑکانہ ضلع چاول کی پیداوار کی وجہ سے پورے صوبہ سندھ میں مشہور ہے۔

لاڑکانہ کی ایک اور اہم سوغات یہاں کا مشہور میوہ ہے۔

اس خوش ذائقہ مٹھائی کی لذت آپ مدتوں فراموش نہ کرسکیں گے۔ امرود یہاں کا خاص پھل ہے۔

جب شام کے سائے پھیلنے لگتے ہیں تو شہر میں کباب، پکوڑے اور چانپ کی دکانیں چمک اٹھتی ہیں اور گرمیوں کا موسم ہو تو یہاں آئس کریم کے دور چلنے لگتے ہیں۔ لاڑکانہ میں خالص مکھن بڑی آسانی سے مل جاتا ہے اور ہاں، خالص شہد بھی....!

لاڑکانہ کی آبادی میں ملازمت پیشہ، تاجر اور زمیندار بھی شامل ہیں۔ شیخ برادری یہاں کی سب سے بڑی برادری ہے۔ برادری کے زیادہ تر افراد کاروبار کے پیشہ سے منسلک ہیں۔ اس کے علاوہ یہاں بھٹو، سومرو، عباسی، کھوڑو، قادری، چانڈیو، میمن، منو، ماچھی، جتوئی، ابڑو اور سید برادریوں کے لوگ بھی آباد ہیں۔ 1947ء کے بعد ہندوستان سے ہجرت کرکے آنے والے لوگوں کی بھی بڑی تعداد یہاں آباد ہوچکی ہے۔ شہر میں شلوار، قمیض عمومی پہناوا ہے۔ اس کے ساتھ اکثر لوگ سندھی ٹوپی اور اجرک کا استعمال بھی کرتے ہیں۔

سندھ کی تہذیب کے امین اس شہر میں علم کی پیاس بجھانے کے لیے ثانوی اسکول، ڈگری کالج، کمرشل ٹریننگ انسٹیٹیوٹ، ٹیچرز ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ، خواتین کے لیے ٹریننگ کالج، لاء کالج اور میڈیکل کالج موجود ہیں۔

گرمی اپنے شباب پر ہوتی ہے تو شہر کے درمیان سے گزرنے والی نہر، رائس کینال پر رونق بڑھ جاتی

ہے۔ اہل لاڑکانہ روزمرہ کی دفتری اور کاروباری معروفیات میں سے کھیلوں کے لیے وقت نکالنا نہیں بھولتے۔ شہر میں جدید طرز کا اسپورٹس کمپلیکس اسٹیڈیم بھی موجود ہے۔ یہ 1964ء میں تعمیر ہوا تھا۔ یہاں کی نئی نسل کرکٹ، ہاکی، فٹ بال اور والی بال کی شوقین ہے۔ لیکن ان کھیلوں کے باعث سندھ کی مشہور روایتی کشتی، ملاکھڑا، کی مقبولیت میں کوئی کمی نہیں آئی ہے جس کے مقابلے بڑی شان سے منعقد ہوتے ہیں۔

موئن جوڈرو نے لاڑکانہ کو بین الاقوامی حیثیت عطا کی ہے۔ نہ صرف پاکستان بھر سے بلکہ دنیا بھر سے سیاح، سندھ کی ہزاروں سال پرانی تہذیب کے اس نمونہ کو دیکھنے آتے ہیں۔ یہاں ایک عجائب گھر بھی ہے۔ پاکستان کے کئی تعلیمی ادارے طلبہ کے لیے موئن جوڈرو کے تعلیمی دوروں کا اہتمام کرتے ہیں۔ لاڑکانہ میں کلہوڑا دور کے ایک گورنر شاہ بہادر کا ایک مقبرہ بھی ہے جس کا شمار تاریخی عمارتوں میں ہوتا ہے۔

صوبہ سندھ میں خلافت تحریک کا آغاز کرنے کا فخر لاڑکانہ ہی کو حاصل ہے۔ تحریک کے دوران افغانستان کی طرف مہاجرین کی پہلی ٹرین لاڑکانہ سے چلی۔ صوبہ سندھ میں پہلی خلافت کانفرنس اسی شہر میں منعقد ہوئی۔ لاڑکانہ کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ سندھ محمڈن ایسوسی ایشن کے سربراہ مرحوم سر شاہنواز بھٹو کا تعلق لاڑکانہ ہی سے تھا۔ پیر علی محمد راشدی اور پیر حسام الدین راشدی نے اپنی صحافت اور سیاست کا آغاز اس شہر سے کیا۔ قیام پاکستان کے بعد سندھ کے پہلے وزیر اعلیٰ محمد ایوب کھوڑو اسی شہر سے تعلق رکھنے والے تھے۔ سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو مرحوم، بے نظیر بھٹو، ممتاز علی بھٹو، مولانا جان محمد عباسی، سردار واحد بخش بھٹو کے نام لاڑکانہ شہر کو ممتاز حیثیت دلاتے ہیں۔ شہر کی دیگر اہم سیاسی اور سماجی شخصیات میں قاضی فضل اللہ مرحوم، کامریڈ حیدر بخش جتوئی، عبدالغفور بھرگڑی اور کئی ممتاز نام شامل ہیں۔ روحانی حوالے سے حضرت محمد قاسم شوری صاحب کا اسم گرامی نمایاں ہے۔

بچوں کا
روحانی ڈائجسٹ
آیان وسیم۔ کراچی
نیہا وسیم۔ کراچی
بلال وسیم۔ کراچی
جویریہ دانش۔ کراچی

آزاد پنچھی

محمد احسن۔ کراچی

سردی اپنے عروج پر تھی۔ سورج ڈوبنے کے بعد سبھی انسان، چرند پرند اپنے اپنے گھروں کی راہ لیتے اور سورج طلوع ہونے تک اپنے بستروں میں دبکے رہتے تھے۔ ہر طرف خاموشی اور سکوت دیکھ کر برگد کا بوڑھا درخت جلدی اونگھنے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے گہری نیند سو گیا لیکن اس گہرے سناٹے میں اچانک ہی ٹپ ٹپ، ٹپ کی آواز کے ساتھ اس کے اندر نمی اترنے لگی۔ سرد ترین رات میں بھیگنے کے احساس نے اس کی نیند توڑ دی۔ یہ کون بدتمیز ہے جو اتنی سردی میں رات کے وقت مجھ پر پانی ڈال رہا ہے۔ وہ غصے اور سردی سے کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔

یہ ٹوٹو طوطا تھا۔ جو اس کی شاخوں میں منہ چھپائے خاموشی سے آنسو بہا رہا تھا۔

معاف کرنا برگد چاچا! میری وجہ سے تمہاری نیند خراب ہوئی۔ اس نے ندامت سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

بھائی ٹوٹو! اگر تم برا نہ مانو تو میں تمہارے رونے کی وجہ پوچھ سکتا ہوں۔ بوڑھے برگد نے دوستانہ انداز میں کہا۔

کیا کرو گے پوچھ کر۔ یہ سمجھ لو اپنی قسمت پر رو رہا ہوں۔ ٹوٹو نے ایک سرد آہ بھری۔

کیا ہوا ہے تمہاری قسمت کو۔ اچھے بھلے تو ہو۔

کچھ بھی تو اچھا نہیں ہے۔ ساری دنیا مجھے برا سمجھتی ہے دنیا میں میری بے وفائی کے قصے مشہور ہیں۔ اس بارے میں بہت سے محاورے اور کہاوتیں کہی گئی ہیں۔ ٹوٹو نے دکھی دل سے اپنا غم بیان کیا تو بوڑھے برگد کو اس سے بے تحاشہ ہمدردی محسوس ہوئی۔ اس نے اپنی ایک نرم و نازک شاخ ٹوٹو کے سر پر پھیرتے ہوئے اسے تسلی دی، جس سے ٹوٹو کو کچھ سکون ملا اور تھوڑی ہی دیر بعد وہ بوڑھے برگد کی شفیق آغوش میں سو گیا۔

اس کے بعد اکثر ایسا ہوتا کہ انتہائی سرد راتوں میں بوڑھا برگد اپنے اوپر آنسوؤں کی نمی محسوس کرتا۔ مگر پھر کبھی اس نے ٹوٹو کو نہیں ڈانٹا۔ آخر ایک روز ٹوٹو نے خود ہی اپنی کہانی شروع کر دی۔

ٹوٹو نے کہا یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں صرف چند دنوں کا تھا۔ تب مجھے میری ماں سے جدا کر کے ایک آدمی کے حوالے کر دیا گیا۔ ماں سے جدا ہو جانے کی وجہ سے میں بہت اداس اور پریشان رہنے لگا تھا۔ اگر وہ آدمی مجھے اتنی زیادہ توجہ اور تحفظ نہ دیتا تو شاید میں مر چکا ہوتا لیکن اس نے نہ صرف میرا خیال رکھا بلکہ مجھے اس قابل کر دیا کہ میں اس کی زبان میں بات چیت کر سکوں۔ مجھے بولنا آ گیا تو میں ہر وقت اپنی میٹھی باتوں سے اس کا دل بہلانے کی کوشش کرتا رہتا، میرے اس طرح بولنے پر وہ مجھ سے خوش ہو کر پہلے سے بھی زیادہ میرا خیال کرنے لگتا۔ میں وہاں اچھی

زندگی گزار رہا تھا۔ لیکن پھر بھی کہیں کچھ کمی تھی۔ میری زندگی اداس تھی۔ شاید میں اس قید کی زندگی سے تنگ آچکا تھا اور آزاد ہونا چاہتا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ کاش! وہ خود ہی میرے دل کی بات سمجھ لے اور مجھ آزاد کردے۔ لیکن یہ صرف میری بھول تھی۔ آخر ایک روز ہمت کرکے میں نے اپنے دل کی بات اس سے کہہ دی۔

میں اس کے جواب کا منتظر تھا، لیکن وہ کوئی جواب دیے بغیر چلا گیا۔

میں نے دوسرے، تیسرے اور پھر چوتھے دن بھی اس سے یہی بات کی، لیکن اس نے پھر بھی کوئی جواب نہ دیا۔

جب میں نے پانچویں دن بھی اس سے یہی بات کی تو غصے سے بے تحاشہ چیختے ہوئے کہا کہ تم مجھے یہ جتا رہے ہو کہ یہاں میں نے تمہیں قید کرکے رکھا ہوا ہے۔ جو عیش تمہیں یہاں ملا، وہ سب بھول گئے۔ تم بھول گئے کہ میں نے تمہارے آرام کا کس طرح خیال رکھا، تمہیں یہاں کوئی تکلیف نہ ہونے دی۔ ہمیشہ اچھے سے اچھا کھلایا۔

احسان فراموش اور بے وفا طوطے! میں جانتا تھا کہ ایک نہ ایک دن تم اپنی اصلیت دکھا کے رہو گے۔ تم کبھی کسی کے نہیں ہوسکتے۔

آدمی کا غصہ اتنا کچھ کہہ کر بھی کم نہ ہوا تو اس نے مجھے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر میری ٹانگ مروڑ دی۔ یہاں تک کہ میری آنکھیں بھی زخمی کردیں۔ میں تکلیف میں تڑپ اٹھا، پھر جب اس شخص نے مجھے پنجرے سے باہر پھینک دیا تو میرا غصے اور تکلیف سے برا حال ہو رہا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ میرے ساتھ اتنا بے رحمانہ سلوک کرے گا۔

آزادی کا حق مانگنے پر اس نے میرے اوپر بے وفا ہونے کی مہر لگادی تھی۔ وہ شخص نہیں جانتا تھا کہ ایک پرندے سے اس کی اڑان کا حق چھین لینا بڑا ظلم ہے۔

تکلیف کے مارے میرا برا حال ہو رہا تھا۔ میں کچھ دیر تک رک کر سکون کا سانس لینا چاہتا تھا۔ لیکن محلے کی پلی ہوئی بلی کی للچائی ہوئی نظروں نے مجھے اتنی بھی مہلت نہ دی۔ اس سے پہلے کہ وہ بلی میرے زخمی جسم پر جھپٹ لیتی، میں نے ہوا کے دوش پر اپنے پروں کو پھیلا لیا۔ نیلے آسمان کی وسعتوں اور تازہ ہواؤں نے مجھے حوصلہ دیا۔ یہ شاید آزاد فضا میں میری پہلی اڑان تھی۔ ہوا کے بازوؤں پر پرواز کرتے ہوئے میں اپنا ہر دکھ اور ہر تکلیف بھول گیا تھا، چھوٹے چھوٹے گھر، کھیت، درخت، سبزہ، پہاڑ، چمکتے ہوئے جھرنے مجھے بہت پیارے لگ رہے تھے۔

پرندوں کے غول کے غول اڑتے ہوئے ادھر سے ادھر چلے جا رہے تھے۔ میں بھی ان کے ساتھ ہو لیا اور پھر تھک کر تمہاری شفیق پناہ میں آگیا اور اب یہی میرا مستقل ٹھکانا بن گیا۔

ٹوٹو اب ایک آزاد زندگی گزار رہا تھا۔ اپنی فطرت کے عین مطابق، لیکن ماضی کی تلخ یادیں اب بھی اسے بے چین کر دیتی تھیں۔ وہ سوچتا کہ کیا واقعی اس نے آدمی کے ساتھ بے وفائی کی ہے۔ ایسے میں بوڑھا برگد اسے سمجھاتا کہ کسی کے برا کہہ دینے سے کوئی برا نہیں بن جاتا۔ اس طرح انسان کے بے وفا کہہ دینے سے تم بے وفا نہیں بن گئے۔ تم نے جو کیا ہے ٹھیک کیا ہے۔

لیکن پھر یہ کہاوتیں اور محاورے آخر کیوں مشہور ہیں....؟ طوطا چشمی کے بارے میں ٹوٹو بحث پر اتر آتا.... تو برگد شفقت سے جواب دیتے ہوئے کہتا۔ مجھے یقین ہے یہ ساری باتیں کم از کم تم پر صادق نہیں آتیں۔ یوں ان کی بحث ختم ہو جاتی۔

کافی عرصہ گزر گیا۔ ٹوٹو کی خوش اخلاقی دیکھ کر کئی

پرندوں نے اس سے دوستی کرلی تھی۔ ٹوٹو دن بھر اپنے دوستوں کے ساتھ گھومتا پھرتا، لیکن رات کو پھر اپنے سب سے پرانے اور گہرے دوست بوڑھے برگد کے درخت کے پاس پہنچ جاتا تھا۔

اب خزاں کا موسم آ پہنچا تھا۔ ہریالی اور سبزے کی جگہ زردی چھاگئی تھی۔ درختوں کے پتے ٹوٹ کر گرنے لگے۔ بوڑھا برگد اب اور بھی کمزور ہو گیا تھا۔ اس کے زیادہ تر پتے ٹوٹ کر جھڑ چکے تھے اور شاخیں سوکھ گئی تھیں۔ یہاں بسیرا کرنے والے پرندے کہیں اور چلے گئے تھے۔ صرف ایک ٹوٹا تھا جو ابھی تک اس کے ساتھ تھا۔

بوڑھا برگد اکثر اس سے کہتا۔ دوسرے پرندوں کی طرح اب تمہیں بھی کوئی اور جگہ تلاش کرلینی چاہیے، کیونکہ اب نہ میں تمہیں دن میں تپتی دھوپ سے بچاسکتا ہوں اور نہ پہلے کی طرح رات کو میری نرم شاخیں تمہیں آرام دے سکتی ہیں۔

ٹوٹو ہر مرتبہ سختی سے انکار کردیتا، وہ کہتا سچا دوست وہی ہے جو مصیبت میں بھی ساتھ نہ چھوڑے اور میں تمہارا سچا دوست ہوں۔

برگد کا درخت اس کی بات سن کر خاموشی سے سر جھکالیتا۔

یہ مشکل وقت بھی جلد ہی گزر گیا۔ نئی کونپلیں پھوٹنے لگیں اور جب درختوں پر نئے پتے آگئے تو یہاں سے جانے والے پرندے بھی دوبارہ لوٹ آئے۔

اب بوڑھا برگد دوسرے پرندوں کے سامنے ٹوٹو کی وفاداری کی تعریف کرتا اور کہتا کہ ٹوٹو نے برے وقت میں بھی اس کا ساتھ نہ چھوڑا اور ایک سچے دوست ہونے کا ثبوت دیا۔ دوسرے پرندے یہ سب سن کر شرمندہ ہو جاتے، لیکن ٹوٹو خوش ہو کر اس کی شاخوں پر ٹیں ٹیں کر کے زور زور سے جھولنے لگتا۔

ایک روز ٹوٹو حسب معمول دانے دنکے کی تلاش میں تھا کہ اڑتے اڑتے اسے یوں محسوس ہوا کہ کوئی نیچے سے اسے پکار رہا ہے۔ ٹوٹو نے نیچے جھک کر دیکھا.... یہ وہی آدمی تھا جس نے اسے بچپن سے پالا تھا۔ اس نے دور سے اسے پہچان کر آوازیں دینی شروع کردی تھیں۔ ٹوٹو بجلی کی سی تیزی سے نیچے لپکا اور اس کے ہاتھ پر بیٹھ گیا۔ انسان کی محبت دیکھ، ٹوٹو حیران سا تھا کہ یہ وہی ہے جس نے اسے انتہائی حقارت سے بے عزت کر کے گھر سے باہر پھینک دیا تھا۔ آج وہی شخص اس سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتے ہوئے کہہ رہا تھا....

میرے پیارے ٹوٹو! میں تم سے بے حد شرمندہ ہوں۔ مجھے معاف کردو.... شاید یہ تمہاری ہی بد دعا تھی کہ میں تمہارے جانے کے بعد اپنی زندگی میں خوشی محسوس نہ کرسکا اور کمرے میں بند ہو کر صرف تمہیں ہی یاد کرتا رہتا تھا۔ شاید یہ تم پر بے وجہ ظلم کرنے کی سزا ملی تھی۔ بس رو رو کر دل ہی دل میں اپنی زیادتی کی معافی مانگتا رہتا تھا شاید تب ہی میں وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔

اس آدمی نے کہا ٹوٹو! تم آزادی کا حق مانگنے میں درست تھے، بے وفا تم نہیں بلکہ میں ہی بے وفا تھا۔ جاؤ ٹوٹو! یہ آزاد فضائیں تمہارے لیے ہیں تم ایک آزاد پنچھی ہو۔ تمہیں آزاد ہی رہنا چاہیے۔

انسان، طوطے کو اپنے ہاتھوں سے آزاد کرتے ہوئے ندامت سے کہہ رہا تھا اور طوطا ہوا کے دوش پر بلند ہوتے ہوئے ایسا محسوس کر رہا تھا جیسے آج ہی اسے صحیح معنوں میں آزادی حاصل ہوئی ہو۔

❖

مسکرائیے....

☺.... باپ (بیٹے سے): تم ہتھوڑے سے دیوار کا پلاستر کیوں اکھاڑ رہے ہو....؟

بیٹا: ابو پہلے تو آپ نے کبھی منع نہیں کیا۔

باپ: پہلے ہم کرائے کے مکان میں رہتے تھے۔ اب یہ مکان میں نے خرید لیا ہے۔

(مرسلہ: سعدیہ مبین۔ کراچی)

☺.... ایک بچہ پہلی مرتبہ اسکول گیا۔ چھٹی ہوئی تو یہ بچہ اسکول کے اندر ہی ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

استاد نے دیکھا تو پوچھا:

بیٹا! تم گھر نہیں جاؤ گے....؟

بچے نے جواب دیا:

جناب! میری امی نے کہا کہ تمہیں میٹرک تک اسی اسکول میں ہی رہنا ہے۔

(مرسلہ: مصباح شیخ۔ کراچی)

☺.... ایک ملازم نے اپنے مالک سے شکایت کی:

جناب! آپ کی اور آپ کے گھر والوں کی خدمت کرتے کرتے میرے سر کے تمام بال سفید ہو چکے ہیں۔ اب تو میری تنخواہ میں اضافہ کر دیجیے۔

مالک کچھ سوچتے ہوئے بولا: مجھے بھی اس بات کا احساس ہے۔ یہ لو پانچ روپے اور بازار سے اچھا سا خضاب لے آؤ۔

(مرسلہ: محمد حیدر شاہد۔ راولپنڈی)

☺.... ایک شخص نے ایک طبیب کو دیکھا، جو کندھے پر بندوق اٹھائے کہیں جا رہا تھا۔

اس نے پوچھا: آپ کہاں جا رہے ہیں....؟

فلاں گاؤں میں ایک مریض کو دیکھنے جا رہا ہوں۔

آدمی نے کہا:

مریض کے لیے تو آپ کی دوا کافی ہے۔ بندوق کی کیا ضرورت ہے....؟

(مرسلہ: مہتاب خان۔ کوئٹہ)

☺.... سپاہی (بوڑھے آدمی سے): میں آپ کی کوئی مدد کر سکتا ہوں....؟

ٹافی گم ہو گئی ہے، اسے ڈھونڈ دو۔

سپاہی: کیا وہ کوئی خاص قسم کی ٹافی ہے۔ جس کے لیے آپ اتنے فکر مند نظر آ رہے ہیں....؟

بوڑھا آدمی: ہاں! اس ٹافی کے ساتھ میرے دانت چپکے ہوئے ہیں۔

(مرسلہ: طوبیٰ دانش۔ کراچی)

☺.... ایک پروفیسر صاحب بس میں سفر کر رہے تھے اور سوچوں میں گم تھے۔ ایک سیٹ خالی تھی، مگر وہ پھر بھی کھڑے ہوئے تھے۔

ایک آدمی بولا: جناب! بیٹھ جائیے۔

پروفیسر صاحب نے چونک کر کہا: میں جلدی میں ہوں، بیٹھنے کا وقت نہیں ہے۔

(مرسلہ: رمیز احمد۔ کراچی)

☺.... ایک آدمی کو یہ وہم ہو گیا کہ اس کے پیٹ میں بلی ہے۔ ڈاکٹروں کے سمجھانے کے باوجود اس کا وہم نہ نکلا۔ اتفاق سے اس کی آنت کا منہ بڑھ گیا اور آپریشن کرنا پڑا۔

ڈاکٹروں نے سوچا یہ اچھا موقع ہے۔ انہوں نے آپریشن کے بعد اس کو ایک کالی بلی دکھا کر کہا کہ آخر ہم نے تمہارے پیٹ میں سے بلی نکال دی۔

مریض نے بلی کو دیکھا اور غصے سے چیخا: "غلط" وہ سفید بلی تھی۔

(مرسلہ: فیصل عابد۔ اسلام آباد)

☺

محفلِ مراقبہ

مرکزی مراقبہ ہال سرجانی ٹاؤن کراچی میں جذبہ خدمتِ خلق کے تحت جمعے کے روز خواتین و حضرات کو بلا معاوضہ روحانی علاج کی سہولت مہیا کی جاتی ہے۔ خواتین و حضرات کو جمعے کی صبح 7:45 بجے ملاقات کے لئے نمبر دیئے جاتے ہیں اور ملاقات صبح 8 سے 12 بجے دوپہر تک ہوتی ہے اور ہفتے کی دوپہر 3:45 بجے نمبر دیئے جاتے ہیں اور ملاقات 4 بجے سے شام 7 بجے تک ہوتی ہے۔ ہر ہفتے، بعد نماز جمعہ عظیمیہ جامع مسجد سرجانی ٹاؤن میں اجتماعی محفلِ مراقبہ منعقد ہوتی ہے جس میں درود شریف، آیت کریمہ کا ختم اور اجتماعی مراقبہ کے بعد دعا کی جاتی ہے۔ جمعے اور ہفتے کے علاوہ خواتین و حضرات ملاقات کے لئے زحمت نہ کریں۔ محفلِ مراقبہ میں دعا کے لئے اپنا نام، والدہ کا نام اور مقصدِ دعا تحریر کرکے ارسال کیجیے۔ جن خوش نصیبوں کے حق میں اللہ رحیم و کریم نے ہماری دعائیں قبول فرمائی ہیں وہ اپنے گھر میں محفلِ میلاد کا انعقاد کرائیں اور حسبِ استطاعت غریبوں میں کھانا تقسیم کریں۔
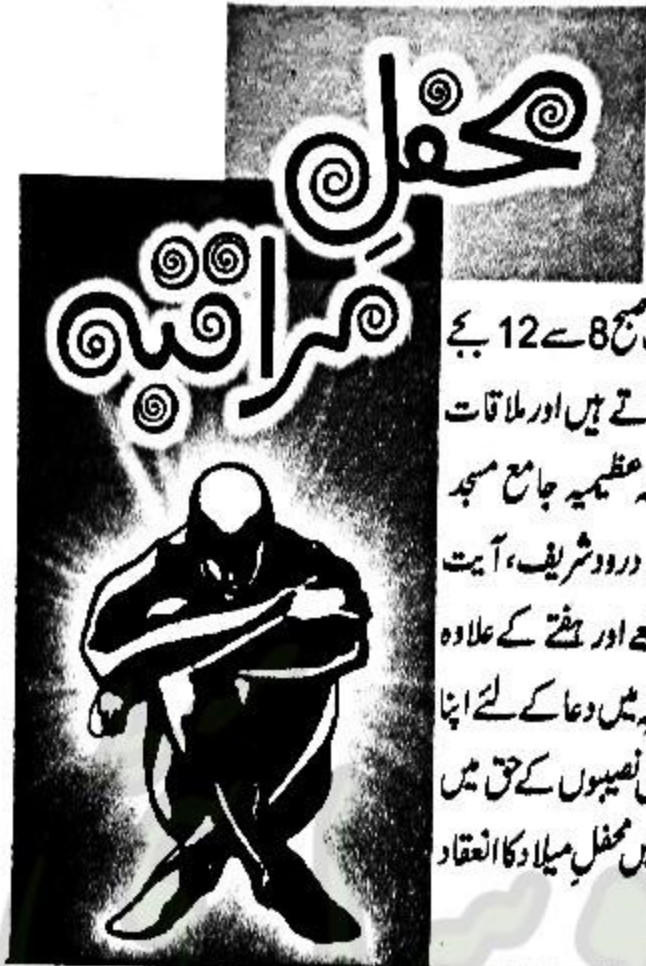
کراچی: - آئشہ احمد۔ آمنہ بیگم۔ آمنہ شاکر۔ آمنہ احمد۔ آمنہ طاہر۔ آمنہ خان۔ آئشہ حسن۔ آصف علی۔ آصف محمود۔ احسان اللہ خان۔ احسان ریاض۔ احسن ریاض۔ احمد فیصل۔ اختر حسین۔ ارسلان ضمیر۔ ارسلان خان۔ ارم خالد۔ ارم علی۔ اسماء ارم۔ اسماء شفیق۔ اسمٰعیل فاروقی۔ اشتیاق شاہد۔ اشفاق احمد گوندل۔ اشفاق احمد۔ آصف صدیقی۔ اعجاز اعوان۔ اعظم علی۔ آفتاب احمد۔ آفتاب شاہ۔ افسری بیگم۔ افشین الطاف۔ افضل خان۔ اکبر علی۔ اکرم ولاور۔ امتیاز احمد۔ امتیاز علی۔ امتیاز محسن۔ امیر الدین۔ امجم صدیقی۔ انجم شاکر۔ انعم نور۔ انور جہاں۔ انیقہ بانو۔ انیلا رفیق۔ انیلہ حسن۔ انیلہ ریاض۔ ایمن خان۔ ایوب شیخ۔ بختاور بانو۔ بشریٰ آفتاب۔ بشریٰ احمد۔ بشریٰ فیاض۔ بلال حامد بٹ۔ بلال قریشی۔ بلقیس بی بی۔ بلقیس اشتیاق۔ بی بی خدیجہ۔ پرویز انور۔ پروین اختر۔ تابش بشیر۔ تاج الدین۔ تحسین سمیع۔ تحسین فاطمہ۔ تنزیلہ صبا۔ تنویر اختر۔ تہمینہ انور۔ تہمینہ مقصود۔ تیمور خان۔ ثاقب سہروردی۔ ثروت سلطانہ۔ ثروت شہزاد۔ ثریا ارشد۔ ثریا بی بی۔ ثمینہ منظور۔ ثمینہ شمشیر۔ ثوبیہ پروین۔ جاوید اصغر۔ جاوید جلیل۔ جمشید اقبال۔ جمیلہ بیگم۔ جمیلہ بانو۔ جمیلہ اختر۔ جویریہ سحر۔ حیا محمود۔ حاجی مراد۔ حاجی یعقوب۔ حافظ اشفاق گوندل۔ حافظ جمال۔ حبیب احمد۔ حسن فاروق۔ حسین محمد۔ حفصہ احمد۔ حفیظاں بی بی۔ حمیرا جبین۔ حمیرا رئیس۔ حمیرا شاہنواز۔ حنا شاکر۔ خالدہ جاوید۔ خاور اسلم۔ خضری شاہد۔ خلیق الزمان۔ دانش حسن۔ دانش علی۔ دانش عاصم۔ درخشاں انجم۔ درخشاں مقصود۔ دردانہ بنتِ غازی۔ دلاور غفور۔ ذکیہ رخسانہ۔ ذیشان کمال۔ ذیشان احسن۔ رئیس النساء بیگم۔ راجہ عبدالمالک۔ راجہ علی۔ راحت اخلاق۔ راحیلہ نسرین۔ راشد محمود خان۔ رانی۔ رحمت بی بی۔ رخسانہ بی بی۔ رخسانہ یاسمین۔ رخشندہ ظفر۔ رضوان احمد۔ رضوانہ ناز۔ رضوانہ ناصر۔ رضیہ اقبال۔ رفعت مقصود۔ رفعت عابد۔ رفعت ہما۔ رقیہ فردوس۔ رمشا احمد۔ رمیز یاسر۔ روبینہ اسلم۔ روبینہ اکرم۔ روبینہ ذوالفقار۔ روبینہ یاسمین۔ روبینہ اسلم۔ روزینہ اشرف۔ رونی شاہ۔ ریاض ضمیر۔ ریحان علی۔ ریحانہ خانم۔ ریحانہ ملک۔ ریحانہ ناز۔ ریحانہ یاسمین۔ ریحانہ جاوید۔ زاہد حسین۔ زاہدہ سعید۔ زاہدہ لطیف۔ زاہدہ پروین۔ زبیدہ ناز۔ زبیدہ علی۔ زرقا خان۔ زرینہ احمد۔ زرین صدیقی۔ زلیخا تبسم۔ زنیرہ خالد۔ ذوالفقار شاہد۔ زینب عادل۔ سائرہ بی بی۔ ساجد اقبال۔ ساجدہ وسیم۔ ساجدہ امین۔ ساجدہ بیگم۔ سارہ عادل۔ سجاد شاہد۔ سحر انور۔ سرشار جہاں۔ سروش کاشف۔ سعد قریشی۔ سعدیہ افتخار۔ سعدیہ مائزہ۔ سعدیہ ناز۔ سعید احمد۔ سعیدہ بی بی۔ سکینہ بانو۔ سلطانہ ولی۔ سلطان علی۔ سلمان خان۔ سلمان سعد۔ سلمان علی۔ سلمٰی بیگم۔ سلیم آفاق۔ سلیمان اعظم۔ سمیرا انصاری۔ سمیرا کنول۔ سنبل فاطمہ۔ سنبل ریاض۔ سنیلا اطہر۔ سید احمد علی۔ سید آصف علی۔ سید

لمان علی۔ سید احمد حسین۔ سید توصیف حیدر۔ سید حسن جاوید۔ سید خرم عالم۔ سید راشد علی۔ سید شاہد احمد۔ سید شہاب احمد۔ سید عارف علی۔ سید عرفان جعفری۔ سید عرفان علی۔ سید عظمت علی۔ سید علی سجاد۔ سید قادر علی۔ سید فواد احمد۔ سید مرشد حسن۔ سید نعمان علی۔ سیدہ قمر النساء۔ سیدہ یاسمین۔ شائستہ ارم۔ شازیہ تیمور۔ شازیہ سعید۔ شازیہ عادل۔ شازیہ عامر۔ شازیہ مقبول۔ شازیہ نور۔ شان عباس۔ شاہد انور۔ شاہد بشیر۔ شاہدہ بیگم۔ شاہدہ پروین۔ شاہدہ عاشق۔ شاہدہ محمود۔ شاہدہ نسرین۔ شاہدہ۔ شبانہ کنول۔ شبانہ ناز۔ شبانہ سلیم۔ شبنم مجید۔ شرف الدین۔ شعیب خان۔ شعیب ماجد۔ شکیل خان۔ شکیلہ پروین۔ شکیلہ طاہر۔ شمس الدین۔ شمس النساء۔ شمشاد۔ شمشیر انور۔ شمیم احمد صدیقی۔ شمیم سعید۔ شوکت حسین۔ شہریار۔ شہزاد عبدالرحمٰن۔ شہزاد عثمان۔ شہناز فہمی۔ شیخ کامران عزیز۔ شیر علی خان۔ شیریں۔ صائمہ ایوب۔ صائمہ راشد۔ صائمہ زرین۔ صائمہ صدف۔ صائمہ ناظم۔ صائمہ نورین۔ صابرہ بیگم۔ صبا پرویز۔ صبا حیدر۔ صدف حسن۔ صدف زبیر۔ صلاح الدین۔ صنوبر اقبال۔ صوفیہ بانو۔ طارق سعید۔ طارق مجید۔ طارق سلیم۔ طارق محمود۔ طارق وسیم۔ طاہرہ احمد۔ طاہرہ افشین۔ طاہرہ بیگم۔ طلعت ریاض۔ طلعت حبیب۔ طیبہ طاہر۔ ظفر اقبال۔ ظہیر الحسن شاہ۔ عائشہ عابد۔ عائشہ ناصر۔ عائشہ واجد۔ عابد عباس۔ عارف علی۔ عارفہ بیگم۔ عارفہ تبسم۔ عارفہ سلطانہ۔ عاشق علی۔ عاصم رضا۔ عاصم قریشی۔ عاطف سلمان۔ عالیہ شاہد۔ عامر احسن۔ عامر خان۔ عامر مرزا۔ عبدالرحمان۔ عبدالرزاق۔ عبدالعلیم۔ عبدالغفار۔ عبدالواجد۔ عبدالولی۔ عتیق الرحمن۔ عثمان طیب۔ عدیلہ عدیم۔ عرفان جعفری۔ عرفان منیر۔ عروج راشد۔ عشرت شاہد۔ عصمت معراج۔ عطیہ حامد۔ عظمیٰ پروین۔ عظمیٰ توصیف۔ عظمیٰ عزیز۔ عظمیٰ عمران۔ عظمیٰ کامران۔ علی احمد۔ علی اظہر۔ علیم الدین۔ ام کلثوم۔ عمران خان۔ عمران عباس۔ عنایت بیگم۔ عنبرین صدیقی۔ غنی زاہد۔ غزالہ پروین۔ غزالہ فاروق۔ غضنفر علی۔ غلام اکبر۔ غلام دستگیر۔ غلام رسول۔ غلام صفدر۔ غلام علی۔ غیور حسین۔ فائزہ نذیر۔ فائزہ یوسف۔ فائزہ احمد۔ فائزہ علی۔ فاطمہ بیگم۔ فاطمہ عادل۔ فراز حسین۔ فرح راشد۔ فرح سلطانہ۔ فرح عالم۔ فرح فاطمہ۔ فرح ناز۔ فرحان علی۔ فرحانہ فرحان۔ فرحت حسین۔ فرحت ناز۔ فرحت جبین۔ فرخ جبیں۔ فرخ جمال۔ فردوس شاہ۔ فرزانہ انعام۔ فرزانہ۔ فریحہ جمیل۔ فرید حسین۔ فریدہ بانو۔ فریدہ جمال۔ فضل معبود۔ فقیر حسین۔ فواد عالم۔ فوزیہ شبنم۔ فہمیدہ جلیل۔ فہیم بلوچ۔ فہیم نعیم۔ فیصل شیخ۔ فیصل عامر۔ فیضان علی خان۔ قاسم محمود۔ قاضی شیر محمد۔ قرۃ العین۔ قیصر سلطانہ۔ کاشف۔ کامران اعجاز۔ کرن جاوید۔ کریم جمال۔ کلثوم انور۔ کلثوم بانو۔ کنول ریاض۔ کوثر اقبال۔ لائبہ عادل۔ لبنیٰ اشفاق۔ لبنیٰ نور۔ ساجد عزیزی۔ ساجد محمود۔ ماجدہ ناز۔ ماریہ محمود۔ ماہ نور علی۔ مجاہد حسین۔ مجیب احمد۔ محبوب عالم۔ محسن سکندر۔ محمد ابراہیم۔ محمد احسن۔ محمد احمد۔ محمد اسلم۔ محمد اسمٰعیل۔ محمد آصف۔ محمد اطہر۔ محمد آفتاب۔ محمد افضل خان۔ محمد افضل شاہد۔ محمد افضل علی۔ محمد اکرم۔ محمد امین۔ محمد انس۔ محمد انور الدین۔ محمد اویس۔ محمد بدالغفور۔ محمد پرویز۔ محمد جنید۔ محمد حسن شاہ۔ محمد حسن عظیم۔ محمد حسین علی۔ محمد حنیف۔ محمد خالد خان۔ محمد رضوان۔ محمد رفیق۔ محمد زبیر خان۔ محمد ساجد لطیف۔ محمد سراج۔ محمد سرور شاکر۔ محمد سلطان۔ محمد سلیم خان۔ محمد سلیمان۔ محمد شاہد۔ محمد شفیق۔ محمد ظفر۔ محمد عارف۔ محمد عامر۔ محمد عثمان۔ محمد فیروز۔ محمد علی۔ محمد عمر۔ محمد عمران۔ محمد منیب خان۔ محمد ناصر۔ محمد نبیل مصطفیٰ۔ محمد ندیم خان۔ محمد کلیم۔ محمد نعیم۔ محمد نوید احمد۔ محمد ہاشمی۔ محمد یاسر۔ محمد یوسف۔ محمد یونس۔ محمد اعظم۔ محمد حنیف۔ محمد عبدالغفور۔ محمود عالم۔ محمود یاسر۔ مدثر عالم۔ مراد خان۔ مرزا زاہد بابر۔ مرزا عمیر حفیظ۔ مریم نبیل۔ مسز ادریس۔ مسز کاظمی۔ مسعود احمد۔ مسعود کمال۔ مشتاق احمد۔ مصدق خان۔ مصطفیٰ مظہر۔ مصطفیٰ علی۔ مطلوب حسین۔ معتزم حیدر۔ مقبول عالم۔ مقصود احمد۔ مقصود عالم۔ ملیحہ احمد۔ ملیحہ خان۔ ملیحہ سعید۔ ممتاز اظہر۔ منصور۔ منظور عالم۔ منور بابر۔ منور سلطانہ۔ منیبہ ہاشمی۔ منیزہ سلیم۔ موسیٰ خان۔ مہر النساء۔ مہرین امجد۔ میر جبین۔ میر ظہیر الدین۔ میمونہ طاہر۔ نازش افروز۔ نازش جمال۔ ناصر عزیز۔ ناہید اکرم۔ نبی طاہر۔ نبیل خان۔ نبیلہ تبسم۔ نجمہ عرفان۔ ندا ظہور۔ ندیم راشد۔ نزہت آرا۔ نسرین اختر۔ نسرین خاور۔ نسرین جاوید۔ نسرین حیدر۔ ناصر فہد۔ نسیم احمد۔ نسیم اختر۔ نسیم صنوبر۔ نسیم مسعود۔ نصرت ارشد۔ نصرین الدین۔ نعمان خان۔ نعیم بلوچ۔ نعیمہ عظیم۔ نعیمہ وحید۔ نغمہ ریاض۔ نفیس احمد۔ نگہت سیما۔ ناہید آفریدی۔ نمرہ کنول۔ نمرہ نواز۔ نواز شاہ۔ نور الحق۔ نور جہاں۔ نوشین۔ نوید احمد۔ نوید سعید۔ نوید فیض۔ نوید فیصل۔ نہال احمد صدیقی۔ واجد حقی۔ واصف حسین۔ وجیح الدین۔ وجیہہ خان۔ وحید انور۔ ڈاکٹر فہمیدہ۔ ہما نفیس۔ ہمایوں خورشید۔ ہمایوں عظیم۔ یاسمین۔ یاسمین۔ یوسف۔

حیدر آباد: -اجمل۔ احمد سعید۔ احمد کبیر۔ احمد نسیم۔ احمد۔ احمد علی۔ اختر محمد۔ ارجمند۔ ارسلان۔ ارشاد۔ ارشد علی۔ ارم۔ اسد۔ اسماء۔ اسرار حسین۔ آصف قریشی۔ آصف۔ اعظم۔ افتخار احمد۔ افشین۔ اقبال علی۔ اقبال۔ اقراء۔ اکبر بھائی۔ امبرین۔ امجد محمود۔ امیر بیگم۔ امیر۔ آمنہ۔ انجم سعید۔ انیلا۔ بدر علی۔ بشریٰ شاہد۔ بشریٰ سعید۔ بشریٰ ریاض۔ بہاؤ الدین۔ تابندہ۔ تجمل حسین۔ تصور جمیل۔ تحریر۔ توصیف۔ ثاقب۔ ثروت۔ ثریا بانو۔ ثمینہ نور۔ ثمینہ۔ ثناء فاطمہ۔ ثناء فیصل۔ ثناء گل۔ ثناء نور۔ ثناء جان محمد۔ جاوید۔ جعفر۔

جنید۔ جہانزیب۔ حارث۔ حافظ نسیم۔ حافظ۔ حسیب عالم۔ حسین بخش۔ حسین۔ حسینہ۔ حفظ عارف۔ حفظہ۔ حمید۔ حمیرا۔ حیدر علی احمد۔ حیدر۔ خادم علی۔ خالدہ۔ خرم شہزاد۔ خرم۔ خلیل۔ خواجہ رابعہ۔ دانش۔ درخشاں۔ دلاور حسین۔ دلشاد۔ رابعہ۔ راحت فاطمہ۔ راحیلہ۔ راشدہ۔ رحمان۔ رحمت۔ رحیم۔ رخسانہ احمد۔ رسول بخش۔ رضا علی۔ رضوانہ طاہر۔ رضیہ مجید۔ رفیق شکور۔ روبینہ نوری۔ روبینہ اشرف۔ ریاست علی۔ ریاست خان۔ ریحانہ علی۔ زاہد محمود۔ زرینہ عاشر۔ زوبیہ جبین۔ زہرہ حیدر۔ ساجدہ شفیق۔ سجاد احمد۔ سدرہ کاظمی۔ سدرہ شاہد۔ سعدیہ مصور۔ سلمان رفیع۔ سلمان فاطمہ۔ سلمیٰ احمد۔ سمیع اللہ۔ سمیع غفور۔ سونیا علی۔ سید امجد علی شاہ۔ سید کاشف۔ سید محمد منور۔ سیدہ عبرین بانو۔ سیما اکبر۔ سیما۔ شائستہ رضا۔ شاہ زیب۔ شاہد جمال۔ شاہدہ نسرین۔ شاہدہ بانو۔ شرمین کنول۔ شگفتہ عابد۔ شمائلہ فاروق۔ شمس الدین۔ شمع حیدر۔ شمیم جہاں۔ شہزاد خالد۔ شہناز خالد۔ صائمہ مجید۔ صادق وحید۔ صباء علی۔ صدف نفیس۔ صغیر حسن۔ صفیہ اختر۔ صفیہ بیگم۔ صنوبر شفیق۔ ضمیرہ بیگم۔ ضیاء خالد۔ طارق جمیل۔ طاہر محمود۔ طاہر احمد۔ طاہرہ طفیل۔ عارف جمیل۔ عاصمہ بی بی۔ عامر اسد۔ عامر سمیع۔ عامر ضیاء۔ عامر اسد۔ عبد الغفور۔ عبداللہ۔ عبدالعلیم غوری۔ عبدالغفور۔ عبدالغنی۔ عبدالکریم۔ عبدالوحید۔ عبرین۔ علی اکبر۔ علی حماد۔ علی رضوان۔ علی نواز۔ علیشا زاہد۔ عمران خان۔ غلام علی۔ غلام فاطمہ۔ فاطمہ علی۔ فرحان احمد۔ فرحان طاہر۔ فرخندہ حامد۔ فرزانہ جمشید۔ فرقان علی۔ فرقان حنیف۔ فضیلہ۔ شہباز ملک محمد۔ فہیم اختر۔ کلیم اللہ۔ کنزہ محمود۔ کنول مجید۔ کنول علی۔ کوثر پروین۔ کوثر ضمیر۔ کوثر شاہد۔ کوثر شہناز۔ گل رخ۔ گلزار مجید۔ لائبہ قمر۔ لاریب فیاض۔ لبنیٰ رضا۔ ماریہ انعم۔ ماریہ کاشف۔ ماریہ فاضل۔ متین احمد۔ متین علی۔ محمد محسن۔ محمد ارشد۔ محمد اسلم۔ محمد اعظم۔ محمد امان اللہ۔ محمد امجد۔ محمد انور۔ محمد جاوید۔ محمد جمیل۔ محمد جنید۔ محمد جواد۔ محمد حیات۔ محمد دانش۔ محمد زبیر۔ محمد شاہد۔ محمد شعیب۔ محمد طارق۔ محمد علی۔ محمد علیم۔ محمد عمار۔ محمد عمران۔ محمد فیصل۔ محمد گل۔ محمود حسین۔ مشتاق احمد۔ مصطفیٰ حیدر۔ مطلوب الحق۔ مقصود حسن۔ منصور رضیہ۔ منصور مرزا۔ منور سلطانہ۔ منیر خالد۔ مہوش خان آفریدی۔ ناصر نعمان۔ ناہید اختر۔ نجمہ اکبر۔ نزہت حسین۔ نسرین جمال۔ نسیم احمد۔ نعیم احمد۔ نفیسہ بیگم۔ نور العین۔ نور النساء۔ نور جہاں۔ نور محمد۔ نور نظر۔ نورین اختر۔ نورین۔ نوشابہ قیوم۔ نوشین اظہر۔ نوید اقبال۔ نیاز احمد۔ واثق علی۔ واصف علی۔ وحید علی۔ ہاجرہ بی بی۔ ہارون اشرف۔ ہما نفیس۔ حمزہ طاہر۔ یاسر عرفان۔ یاسمین کوثر۔ یاقوت شاہ زیب۔ یعقوب ابراہیم۔ نورین نعمان۔ نوید طاہر۔ نویدہ طاہر۔ ولید خالد۔ ڈاکٹر لبنیٰ۔ ہمنہ شاہد۔

لاھور:۔ ابوبکر۔ احمد اقبال۔ احمد حسن۔ اسلم شاہد۔ ارشد۔ احمد علی۔ ارم۔ اسد۔ اسما جاوید۔ اسما۔ اشتیاق۔ اشرف۔ اصغر۔ آصف۔ آصفہ۔ اعجاز احمد۔ اقبال۔ اکرام اللہ۔ آمنہ بی بی۔ آمنہ۔ انعم رضا۔ انیلہ بٹ۔ باجی اقبال۔ بشریٰ۔ بلال صابر۔ پاکیزہ۔ پروین۔ تنویر۔ ثمن۔ ثمینہ۔ ثناء۔ ثوبیہ۔ جاوید۔ جاوید۔ جہانگیر۔ حنا عمر۔ حیدر علی۔ خالدہ۔ خلیل احمد۔ داؤد۔ دعا فاطمہ۔ دل نواز۔ ذیشان۔ راحیل احمد۔ رضوان۔ رفعت۔ رقیہ۔ رمل اشرف۔ روبینہ۔ زاہد حسین۔ زاہد محمود۔ زاہد۔ زاہدہ بیگم۔ زاہدہ۔ زینت۔ سائرہ بانو۔ سائرہ۔ ساجدہ بیگم۔ سبحان جاوید۔ سدرہ۔ سعدیہ۔ سلمان۔ سلمیٰ اشفاق۔ سمرا۔ سمیرا۔ سہیل احمد۔ سید واصف علی۔ شائستہ جبین۔ شازیہ۔ شاہد رحمان۔ شاہد رسول۔ شاہد محبوب۔ شاہدہ۔ شبانہ۔ شبیر حسین۔ شکیل۔ شگفتہ۔ شمائلہ۔ صائمہ۔ سحر۔ ضمیر الحق۔ طائرہ۔ طارق لطیف۔ طفیل۔ ظفر احمد۔ ظہور۔ عائشہ۔ عابدہ بیگم۔ عاشر۔ عاشق حسین۔ عاصم۔ عامر محمود۔ عباس۔ عثمان۔ عرفا۔ عرفان عظیمی۔ عرفان۔ عرفان۔ عرفان۔ عروسہ۔ علی۔ عمر۔ عمران افضل۔ عمران۔ غزالہ۔ غلام عباس۔ غلام محمد۔ فائزہ۔ فاروق احمد۔ فاطمہ۔ فریدہ جاوید۔ فہد۔ قدوسیہ۔ قرۃ العین۔ کائنات۔ کامران۔ کامران۔ کنزل۔ مائدہ۔ مبارک علی۔ مبشرہ۔ محمد احمد۔ محمد ارشاد خان۔ محمد اسلم۔ محمد اصغر۔ محمد بابر۔ محمد راشد۔ محمد زبیر۔ محمد شہزاد۔ محمد عرفان۔ محمد علی۔ محمد عمر۔ محمد عمران۔ محمد مجاہد۔ محمد نور۔ محمد وقاص۔ مدثر بٹ۔ مدثر حسین۔ مریم۔ مظہر اقبال۔ ملک عاصم سعید۔ ملک وحید۔ منظور احمد۔ منیر احمد۔ مہرین ناصر۔ مہک۔ مہناز۔ مہوش۔ میاں مشتاق احمد۔ نجمہ۔ نسرین۔ نصرت۔ نعمان۔ نعیم احمد۔ نعیم علی۔ نعیم۔ نورین۔ نوید احمد۔ نوید حسین۔ نیلم۔ وسیم اسلم۔ وقاص۔ یحییٰ۔ یوسف۔

راولپنڈی/اسلام آباد :۔ آصف جاوید۔ آصفہ خان۔ آصف عباس۔ اویس محمد ملک۔ باجی نگہت پروین۔ بشیر بیگم۔ بلاول حسین۔ بنت حوا۔ بہروز حیدر۔ بینش حسن۔ بینش عامر۔ تاج۔ تنویر اقبال۔ ثریا۔ ثوبیہ تبسم۔ حافظ مہناز۔ حسن اختر۔ حمیدہ۔ حمیرا۔ خالد محمود اعوان۔ خالدہ بی بی۔ خالدہ بیگم۔ خورشید بی بی۔ خورشید بی بی۔ یوسف۔ خورشید بیگم۔ دانیال۔ محمد ذوالفقار۔ ذیشان محمد ملک۔ راحیمہ بی بی۔ رافع۔ راؤ محمد اقبال۔ رحمت بی بی۔ رحیم جان۔ رضیہ بیگم۔ اجمل۔ رقیہ بی بی۔ اشرف روبینہ۔ ریحانہ بی بی۔ ریحانہ۔ زبیدہ بی بی۔ زبیدہ۔ زینب بی بی۔ سائرہ۔ سبط الحسن۔ سبین۔ سحرش شہزاد۔ سرداراں بانو۔ سرداراں بی بی۔ سرور جان۔ سعدیہ۔ سکندر اعوان۔ سکندر خان۔ سکینہ بی بی۔ سلطانہ بیگم۔ سلمان حیدر۔ سلمیٰ حیدر۔ شازیہ۔ شانزہ کنول۔ شائستہ۔ شاہداں بی بی۔ شبانہ رشید۔ شبانہ۔ شبیر۔ شبیہہ کمال۔ شرجیل۔ شفقت۔ شگفتہ ناز۔ شمسہ بی بی۔ شمسہ حسن۔ شمیم اختر۔

عظیم۔ شہناز بلوچ۔ شہر ان بی بی۔ صائمہ ملک۔ صائمہ کاشف۔ صدیقہ بیگم۔ صفورہ بیگم۔ صفیہ بیگم۔ طاہر سعید۔ طاہر محمود۔ ظہیر عباس بٹ۔ عابدہ پروین۔ عاشق حسین بٹ۔ عاصمہ طاہر۔ عامر حسین بٹ۔ عامر حسین قریشی۔ عائشہ اقبال۔ عائشہ حسن۔ عائشہ مسعود۔ عبد القادر۔ عبدالرزاق۔ عبدالعزیز۔ عبد القدیر۔ عبدالمعید۔ عبیدہ اللہ۔ عدنان۔ عذرا سلطانہ۔ عذرا۔ عصمت حسین۔ علی حسن۔ عمران جاوید۔ عمران۔ فاطمہ تبسم۔ فائزہ مجاہد۔ فائزہ۔ فتح بی بی۔ فرح اقبال۔ فرحت یاسمین۔ فوزیہ اشرف۔ فیروزہ بی بی۔ قدسیہ۔ قمر عباس بٹ۔ قمر فاروق۔ قیصرہ بی بی۔ کاشف جاوید۔ کاشف۔ کامران جاوید۔ گل فرین۔ ماہ رخ۔ مبارک الٰہی۔ محمد الاکار۔ محمد اشرف۔ محمد افضل۔ محمد اقبال۔ محمد ذیشان۔ محمد رفیق۔ محمد شہباز۔ محمد عابد۔ محمد عاصم۔ محمد علی بٹ۔ محمد عمر۔ محمد فراحت۔ محمد مختار۔ محمد نذیر۔ محمد یعقوب۔ محمد یوسف۔ محمودہ بیگم۔ مختار ملک۔ مسرت۔ مسعودہ۔ مسعود احمد گل۔ مصباح۔ مظفر بی بی۔ مظفر بیگم۔ ممتاز بیگم۔ منیر احمد۔ موحد۔ مومنہ احمد۔ مہوش شاہد۔ ناظمہ طاہر۔ ناصر خان۔ ناہید حمید۔ نجیب۔ ندیم احمد۔ ندیم حمید۔ نسرین بی بی۔ نسرینہ۔ نسیم اختر۔ نسیم بیگم۔ نصرت بی بی۔ نصرت پروین۔ نصرت کمال۔ نعمان حسن۔ نعیم احمد۔ نعیم حمید۔ نقاش حسن۔ نگہت ملک۔ نور جہاں۔ نوشابہ خان۔ نوید حمید۔ نوشین بی بی۔

فیصل آباد:- آسیہ سرفراز۔ آفتاب جمال۔ اللہ بخش۔ احمد حسنین۔ احمد سلمان۔ احمد مسعود۔ ارشد فیاض۔ ارم خوشنود۔ ارم شاہین۔ اریبہ اسد۔ اسماء مسعود۔ افشاں صادق۔ اقراء اختر۔ ام حبیبہ۔ ام کلثوم۔ انجم بلال۔ انجم سرفراز۔ انجم۔ انور خان۔ انور منصور۔ باسط عزیز۔ بشریٰ جاوید۔ بشریٰ شیخ۔ پروین اختر۔ تحریم شیخ۔ تنویر احمد۔ جابر حنیف۔ جاوید اقبال۔ جمیل اختر۔ حامی عزیز۔ حریم شیخ۔ حمیرا یاسمین۔ خالد محمود۔ خالد محمود۔ خرم سرفراز۔ خوشنود احمد۔ ذکیہ۔ ذوالفقار علی۔ ذیشان فاروقی۔ رئیسہ خاتون۔ راج بیگم۔ راحت حسین۔ راشد گل۔ راشد منیر۔ رضوان احمد۔ رضوان۔ رفعت شاہین۔ رقیہ شاہین۔ روبینہ شاہین۔ زاہد وسیم۔ زاہدہ یاسمین۔ زرافشاں۔ زرین تاج۔ زیب النساء۔ ساجد جاوید۔ ساجد حسین۔ ساجد علی۔ ساجد منیر۔ سرفراز اللہ خان۔ سرفراز خان۔ سعد حسین۔ سعدیہ کنول۔ سعید۔ شازیہ اعظم۔ شازیہ۔ شاہ میر۔ شاہد اقبال۔ شاہدہ یاسمین۔ شیراز عطاری۔ صفیہ۔ طارق محمود۔ طارق۔ عابدہ صادق۔ عاشر رفیق۔ عاطف اسماعیل۔ عامر اقبال۔ عباس فارق۔ عبدالرزاق۔ عبدالرشید۔ عبدالسلام۔ عبدالمالک۔ عدنان۔ عدیل اختر۔ عذرا منصور۔ عذرا۔ عرفات احمد۔ عرفان فاروقی۔ عظمیٰ نیاز۔ علی عمران۔ عمران۔ عنبر ارم۔ عنبرین اسلم۔ فدا۔ فرخ زوہیب۔ فیصل خوشنود۔ گلاب دین۔ گلزار بی بی۔ گلفرین ظہور۔ گلنار عظیم۔ لبنیٰ شاہین۔ محسن۔ محمد اختر۔ محمد ارشاد۔ محمد اسلم۔ محمد آصف۔ محمد افضل۔ محمد اقبال۔ محمد شفیق۔ محمد شکیل۔ محمد طفیل۔ محمد صادق۔ محمد عثمان۔ محمد عزیز۔ محمد عظیم۔ محمد مسکین۔ محمد نعمان۔ محمد نواز۔ مدثر احمد۔ مریم جان۔ مسرت جہاں۔ مصباح۔ ملک عابد۔ مہرین شیخ۔ مہرین فاطمہ۔ میاں محمد۔ نازیہ حکیم۔ نازیہ کنول۔ نصیر احمد۔ نصیر الدین۔ نعمان۔ نگہت جبین۔ نگہت طاہرہ۔ نور خالم۔ نور الطاہر۔ نورین فاطمہ۔ نوشین اسلم۔ نوید اسلم۔ نوید حسین۔ نویدہ۔ وقار احمد۔ وقار احمد۔ وقار عدیل۔ یاسمین اختر۔

ایبٹ آباد:- اسلم پرویز۔ برکت بی بی۔ صلاح الدین۔ امکن صلاح الدین۔ ام حبیبہ۔ بلقیس بانو۔ جاوید علی۔ حسنہ المروز۔ خطیبہ۔ خدیجہ فاروق۔ دردانہ۔ ذوالفقار۔ ایشان محمد خان۔ راحت سلطانہ۔ رخسانہ۔ رئیسہ بیگم۔ ریحانہ۔ زاہدہ حبیب۔ زاہدہ خاتون۔ ساجد علی۔ سرور جان۔ سعدیہ۔ سعید احمد خان۔ سعیدہ۔ سلیمہ شیخ۔ سکینہ خانم۔ سلیم شہزاد۔ سیف احمد۔ شازیہ سعید۔ شازیہ۔ شایان۔ شاہد احمد۔ شبانہ سعید۔ شبانہ۔ شمائلہ۔ شہناز اختر۔ طاہرہ۔ عابد جان۔ عارف۔ عبدالرشید۔ عبد السلام۔ عبد المتین۔ عبدالمجید۔ عبدالعزیز۔ عبدالہادی۔ عدنان محمد خان۔ عدنان۔ عرفان مجید۔ عرفان۔ عصمت النساء۔ عفت۔ عقیلہ خواجہ۔ غزالہ نعمان۔ غلام رسول۔ غلام مصطفیٰ۔ غلام نبی۔ فرح۔ فرزانہ نصیر۔ فوزیہ۔ فہمیدہ۔ فہیم النساء۔ قمر النساء۔ قیصر سلطانہ۔ کامران مجید۔ کمال الدین۔ گوہر جہاں۔ ماجد علی۔ ماریہ۔ محسن ہاشم۔ محفوظ الحسن۔ محمد جہانگیر۔ محمد خواجہ شہاب الدین۔ محمد سجاد۔ محمد سراج الدین۔ محمد صدیق۔ محمد عثمان غنی۔ محمد عمر فاروق۔ محمد وسیم۔ محمد فاضل خواجہ۔ محمد کامل۔

ملتان:- آپا منظور النساء۔ ارسلان۔ ارشد۔ ارم۔ اسد۔ اسلم۔ آصف۔ افروز۔ اقبال۔ امام الدین۔ امان اللہ۔ آمنہ۔ امیر گل۔ امیر۔ انیلا۔ بشیر۔ ثمینہ۔ جان محمد۔ جعفر۔ حاجی غلام رسول۔ حافظ قربان۔ حسن بخش۔ حسن علی۔ حسین علی۔ حلیم۔ حماد۔ خدیجہ۔ دانش نیاز۔ دلنواز۔ دین محمد۔ ذوالفقار۔ رابعہ رضوانہ۔ راحیلہ۔ رخسانہ۔ رضیہ۔ رمضان۔ روشن۔ ریحانہ۔ ریشم۔ ساجد۔ سبحان بیگم۔ سجاد حسین۔ سجاد علی۔ سعید۔ سکندر۔ سلیم خان۔ سلیم۔ سلیمان۔ سمیر۔ سمیع اللہ۔ سمیع۔ سوہیل۔ سونیا۔ شائستہ۔ شازیہ۔ شاہد علی۔ شاہنواز۔ شبیر۔ شمائلہ۔ شمشاد۔ شہناز۔ صبور۔ صدوری۔ الطاف۔ عائشہ۔ عابد جتوئی۔ عابدہ۔ عامر۔ عبدالغنی۔ عبدالقدیر۔ عبدالمالک۔ عثمان۔ عطاء اللہ۔ علی گوہر۔ عمار۔ غزل۔ غوث بخش۔ فاضل۔ فاطمہ۔ فرزانہ ارشد۔ قرۃ العین۔ کائنات۔ گل شیر۔ ماریہ۔ مبارک علی۔ مجتبیٰ شاہ۔ محسن عباسی۔ ملک طاہر۔ منظور احمد۔ منظور۔ منور۔ مہران۔ میر زادی۔ نازیہ۔ ناہید۔ نعیم۔ نواب خاتون۔ نور محمد۔ نوید۔ نیاز محمد خان۔ نیک محمد۔ وحید۔ وزیران۔ وقار۔ ہدایت خاتون۔ ہیر۔ یاسمین۔

ہدیۂ عقیدت بحضور
حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ

بروز اتوار 19 اکتوبر 2014ء، سلسلہ عظیمیہ کے اراکین نے سندھ کے شہر بھٹ شاہ میں عظیم المرتبت صوفی بزرگ، دین اسلام کے مبلغ، کروڑوں انسانوں کے لیے مسیحا، رومیٔ مہران حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ کے دربار میں حاضری دی۔

اس موقع پر سلسلہ عظیمیہ کے مرشد حضرت

حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی، حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ کے مزار کے لیے چادر پیش کر رہے ہیں۔

مزار کے احاطے میں ڈاکٹر وقار یوسف عظیمی، شوکت علی، آپا منظور النساء، ڈاکٹر سعیدہ اور عبدالرحمٰن حاضرین محفل سے مخاطب ہیں۔

خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کی جانب سے چادر پیش کی گئی۔

حاضرین نے سورہ فاتحہ، سورہ اخلاص اور دیگر قرآنی سورتوں کی تلاوت اور درود شریف کے بعد فاتحہ پڑھی اور دعائیں مانگیں۔

قبل ازیں مزار کے قریب واقع آڈیٹوریم میں ایک مجلس مذاکرہ منعقد ہوئی۔ ڈاکٹر وقار یوسف عظیمی، ڈاکٹر سعیدہ، شوکت علی اور انچارج مراقبہ ہال حیدرآباد (برائے خواتین) آپا منظور النساء نے حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ کی حیات و تعلیمات کا ذکر کیا۔ اس موقع پر سلسلہ عظیمیہ کے مرشد حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی کا پیغام بھی سنایا گیا۔

قبل ازیں تلاوت قران پاک اور ہدیہ نعت کے

مزار کے احاطہ میں منعقد محفل میں قاری محمود الحسن تلاوت کلام پاک، جبکہ، محمد جہانزیب، اور دیگر نے ہدیہ نعت و منقبت پیش کر رہے ہیں۔

ساتھ شاہ صاحب کا کلام بھی پیش کیا گیا۔ حاضرین نے یاحیی یاقیوم اور درود خضری کا ورد اور اجتماعی مراقبہ کیا۔ آخر میں حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں ہدیہ صلوٰۃ و السلام پیش کیا گیا۔

اس زیارت میں کراچی سے زائرین کا ایک بڑا قافلہ بھٹ شاہ پہنچا، حیدرآباد، ڈگری، میر پور خاص، ٹنڈو الہ یار، نواب شاہ، سانگھڑ، لاڑکانہ اور قریب وجوار کے دیگر شہروں سے بھی اراکین سلسلہ عظیمیہ نے اپنے اعزا اور احباب کے ساتھ شرکت کی۔

اس زیارت کے لیے مراقبہ ہال ڈگری کے نگراں غلام مصطفیٰ، نگراں مراقبہ ہال سانگھڑ شوکت علی، نگراں مراقبہ ہال ٹنڈو الہ یار نور محمد کاکیپوٹہ، نگراں مراقبہ ہال میر پور خاص عبدالرحمن اور دیگر اراکین سلسلہ کی جانب سے بہت اچھے انتظامات کیے گئے تھے۔

اس موقع پر حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی کے حالات پر لکھا گیا ایک مختصر کتابچہ بھی حاضرین کو پیش کیا گیا۔

❄

روحانی سیمینار
عصر حاضر میں تصوف کی تعلیمات

آزاد کشمیر کے دارالحکومت مظفر آباد میں سلسلۂ عظیمیہ کے زیرِ اہتمام ایک مجلس مذاکرہ منعقد ہوئی۔ مذاکرہ کا موضوع تھا۔

"عصر حاضر میں تصوّف کی تعلیمات"

اس مجلس مذاکرہ سے ڈاکٹر وقار یوسف عظیمی، کشمیر انسٹی ٹیوٹ آف پبلک ایڈمنسٹریشن (KIPA)

کے ڈائریکٹر قاضی ضیاء الدین، محترمہ صائمہ منظور اور نگراں مراقبہ ہال مظفر آباد شیخ طاہر رشید نے خطاب کیا۔

اس مجلس مذاکرہ میں سلسلۂ عظیمیہ کے اراکین کے علاوہ مظفر آباد کے اعلیٰ سرکاری افسران، سماجی اور مذہبی شخصیات، اساتذہ کرام اور دیگر ممتاز شہریوں نے شرکت کی۔

مجلس مذاکرہ کی نظامت کے فرائض سید سخاوت رضا گیلانی نے سرانجام دیے۔ تلاوت اور نعت کی سعادت بالترتیب قاری عبدالغفور بٹ اور مس سائرہ انجم کے حصے میں آئی۔ مظفر آباد کے اراکین سلسلۂ عظیمیہ کی جانب سے اس مجلس مذاکرہ کے لیے بہت اچھے انتظامات کیے گئے۔

❋

مظفر آباد، آزاد کشمیر: ڈاکٹر وقار یوسف عظیمی، قاضی ضیاء الدین، شیخ طاہر رشید روحانی سیمینار کے شرکاء سے مخاطب ہیں۔

مظفر آباد، آزاد کشمیر: روحانی سیمینار کے چند شرکاء

خود اعتمادی کی کمی

☆☆☆

سوال: میری عمر اکیس سال ہے۔ میں کم گو اور خاموش طبیعت لڑکی ہوں۔ شروع ہی سے اپنی بات کسی سے کہہ نہیں پاتی۔ کلاس میں بھی ٹیچرز مجھے اکثر کھڑا کر دیتے تھے کیونکہ میں معلوم ہونے کے باوجود ٹیچرز کے سوالوں کے جواب نہیں دے پاتی تھی۔

جیسے تیسے کر کے میں نے انٹر کرلیا۔ مجھے Interior ڈیکوریشن کا بہت شوق ہے۔ انٹر کے بعد میں نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا لیکن اب مجھے بہت مشکلات پیش آرہی ہیں۔ میں اپنی بات کسی کو بھی صحیح طریقہ سے سمجھا نہیں پاتی۔ جب میں کسی سے بات کرتی ہوں تو میرا ذہن ماؤف ہو جاتا ہے۔

مجھے یونیورسٹی میں Presentation دینی ہے۔ جب سے مجھے یہ پتہ چلا ہے میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے ہیں۔ میں اپنا پروجیکٹ ورک تو مکمل کرلوں گی لیکن سمجھ نہیں آرہا ہے کہ میں اپنا پروجیکٹ پیش کیسے کروں گی۔

محترم وقار صاحب....! اپنی کیفیات کے پیش نظر میرا دل کرتا ہے کہ میں اس پریزنٹیشن سے دستبردار ہو جاؤں۔

جواب: صبح شام اکیس اکیس سورہ انعام (6) کی آیت نمبر 63

قُلْ مَنْ يُنَجِّيكُمْ مِنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً لَئِنْ أَنْجَانَا مِنْ هَٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ O

سات سات مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر اپنے اوپر دم کر کے دعا کریں۔ یہ عمل کم از کم چالیس روز یا دو ماہ تک جاری رکھیں۔ ناغہ کے دن شمار کر کے بعد میں پورے کرلیں۔

چلتے پھرتے وضو بے وضو کثرت سے اسمائے الٰہیہ يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ کا ورد کرتی رہیں۔

قوت ارادی اور خود اعتمادی میں اضافے کے لیے مراقبہ سے بھی بہت مدد لی جاسکتی ہے۔ روحانی ڈائجسٹ

میں ایک کالم بعنوان "کیفیات مراقبہ" شائع ہوتا ہے۔ گزشتہ چند ماہ میں مختلف حضرات وخواتین کی کیفیات کا مطالعہ کیجیے۔

مراقبہ کی کیفیات بھیجنے والے اکثر خواتین و حضرات نے لکھا ہے کہ وہ پہلے شدید اعصابی دباؤ، قوت ارادی کی کمی اور احساس کمتری میں مبتلا تھے۔ کسی کے توجہ دلانے پر یا بتانے پر انہوں نے یقین اور دل جمعی کے ساتھ مراقبہ شروع کیا۔

اکثر لوگوں کی حالت میں چند ہی ہفتوں میں نمایاں بہتری آئی۔ اس بہتری کو متاثر فرد نے ہی نہیں بلکہ ان کے اہل خانہ اور دوسرے قریبی لوگوں نے بھی محسوس کیا۔

خود اعتمادی اور قوت ارادی میں اضافے کے لیے آپ بھی مراقبہ سے استفادہ کر سکتی ہیں۔

مراقبہ کا ایک طریقہ یہ ہے کہ رات سونے سے قبل وضو کرکے آرام دہ نشست میں بیٹھ جائیں۔ 101 مرتبہ اسم الٰہیہ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ اور 101 مرتبہ درود شریف خضری

صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَسَلَّمْ

پڑھ کر آنکھیں بند کرکے تصور کریں کہ آپ نیلی روشنیوں سے منور ماحول میں بیٹھی ہوئی ہیں۔ یہ تصور پندرہ بیس منٹ تک جاری رکھیں۔

بینک سے قرض نہیں لینا چاہتا....

☆☆☆

سوال: ابھی تک ہم کرائے کے مکان میں رہ رہے ہیں۔ اپنی آمدنی میں سے بچت کرکے اور میری بیگم نے کمیٹیاں ڈال ڈال کر کچھ رقم جمع کرلی ہے۔ اب میں اپنا ذاتی فلیٹ خریدنا چاہتا ہوں۔

فلیٹ کی قیمت میری جمع شدہ رقم سے کچھ زیادہ ہے۔ بلڈر کا کہنا ہے کہ اس کمی کو لون سے باآسانی پورا کیا جاسکتا ہے۔

محترم وقار یوسف عظیمی صاحب....! آپ دعا فرمائیں کہ بغیر سودی قرضے کے باقی ماندہ رقم کا بندوبست ہوجائے۔ میں اپنی رہائش کے لیے بینک سے قرض نہیں لینا چاہتا۔

جواب: اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کے وسائل میں برکت ہو اور سودی قرض لیے بغیر آپ کی ضرورت پوری ہونے کی کوئی صورت نکل آئے۔ آمین

عشاء کے فرض ادا کرکے وتر سے پہلے 101 مرتبہ

اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ
وَاَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ O

گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر اپنی رہائش گاہ کی خریداری کے لیے وسائل فراہم ہونے کی اور اس جگہ رہائش بابرکت اور پرمسرت ہونے کی دعا کریں۔ یہ عمل کم از کم چالیس روز تک جاری رکھیں۔

وضو بے وضو کثرت سے اللہ تعالیٰ کے اسمائے الٰہیہ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ کا ورد کرتے رہیں۔

حسب استطاعت صدقہ کردیں۔

والد اپنے ہی بیٹوں کے مخالف ہوگئے

☆☆☆

سوال: ہم چھ بھائی اور تین بہنیں ہیں۔ ہمارے والد کا تعلق اکاؤنٹس اور ٹیکسز کے شعبے سے ہے۔ تیس پینتیس سال پہلے والد صاحب نے اپنی ایک فرم بنائی۔ اس فرم نے بہت ترقی کی۔

ہمارے والدین نے بہن بھائیوں کو اعلیٰ تعلیم

دلوائی۔ تینوں بہنوں کی شادی اچھے پڑھے لکھے گھرانوں میں ہوئی۔ سب بھائیوں کی شادی بھی ہوگئی ہے۔ ہمارے والد نے پروفیشن میں بہت ترقی کی لیکن ہماری والدہ سے ان کی کبھی نہیں بنی۔ گھر میں والد کا رویہ بہت سخت ہوتا تھا۔

والد نے ہمارے دو بھائیوں کو گریجویشن کے بعد اپنے ساتھ کام پر لگالیا لیکن چند ماہ بعد ہی باپ بیٹوں میں اختلافات سامنے آنے لگے۔

ہمارے تیسرے اور چوتھے نمبر کے بھائیوں نے جب یہ صورت حال دیکھی تو انہوں نے اپنی راہ الگ بنانے کی ٹھانی۔ اب یہ دونوں بھائی امریکہ اور کینیڈا جابسے ہیں۔

ہمارے چار بھائی پاکستان میں ہیں۔ پچھلے چند سال سے والد صاحب کا غصہ بہت بڑھ گیا ہے۔ انہوں نے اپنے سب بیٹوں کو اپنے کاروبار سے الگ کردیا ہے۔

ہمارے دو بھائی اکاؤنٹس کے شعبے سے ہی وابستہ ہیں۔ ان کی اپنی اپنی فرم ہیں۔ والد اور دو بھائیوں کا کاروبار ایک جیسا ہونے کی وجہ سے کاروباری وسماجی تعلقات بھی تقریباً ایک جیسے حلقوں میں ہیں۔

اب صورت حال یہ ہے کہ ہمارے والد کے دفتر سے ان کے نمائندے ہمارے بھائیوں کے کلائنٹس کے پاس جاتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ اپنا کام ہماری فرم کو دیں۔ یہ باتیں ہوتے ہوتے بھائیوں کو پتہ چلتی ہیں تو انہیں بہت برا لگتا ہے۔ دونوں بھائیوں کے کام ماشاء اللہ اچھے چل رہے ہیں۔ ایک دو کلائنٹس ادھر ادھر ہوجانے سے انہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا لیکن والد صاحب کی فرم کی جانب سے بیٹوں کی فرم کے خلاف ایکٹیویٹی پر کئی لوگ بھائیوں کو مذاق کا نشانہ بھی بناتے ہیں۔

باپ بیٹوں میں پہلے بھی کوئی مثالی تعلقات نہیں تھے۔ ہمارے والد کی جانب سے بیٹوں کے کلائنٹس توڑنے کی ان کوششوں نے خاندان کے ماحول کو مزید مکدر کردیا ہے۔

میرے شوہر بہت سمجھدار اور متحمل مزاج انسان ہیں۔ انہوں نے اس سیچویشن میں اپنا مثبت کردار ادا کرنے کی کوشش کی لیکن ہمارے والد نے داماد کا

خیال بھی نہیں کیا۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ہمارے والد نے انہیں ڈانٹ کر چپ کروادیا۔

جواب: آپ کے خاندان کو درپیش صورت حال جان کر افسوس ہوا۔ انسان کو تو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوق بنایا ہے۔ اپنے اس شرف کو استعمال کرنا یا اسے مسترد کردینا بھی اللہ نے انسان پر ہی چھوڑ دیا ہے۔

کتنے ہی آدمی ہیں جو اپنے نفس سے مغلوب ہوکر اپنے اور دوسروں کے لیے اذیتوں اور پریشانیوں کا سبب بنتے ہیں۔ نفس کی مغلوبیت کی کئی مثالیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔ نفس سے مغلوب ہوکر کہیں کوئی باپ اپنی ہی اولاد کی فلاح کا دشمن بن جاتا ہے تو کہیں اولاد اپنے بوڑھے والدین کو متروک افراد اور گھر پر بوجھ سمجھتی ہے۔

آپ کے والد کا معاملہ بھی نفس سے مغلوبیت ہی معلوم ہوتا ہے۔

انسانی نفسیات بھی عجیب عجیب رنگ دکھاتی ہے۔ بعض لوگ خود اپنے آپ کو اہم سمجھنے کے لیے اور دوسروں کو اپنی اہمیت جتانے کے لیے اپنا کوئی نہ کوئی مخالف یا دشمن بنائے رکھتے ہیں۔

ایسے لوگوں کے پاس ہمت اور دولت ہوتی ہے تو یہ کسی بڑے کمپیٹیٹر سے مقابلہ کرتے ہیں۔ ہمت اور وسائل میں کمی ہوتی ہے تو چھوٹے، کمزور یا بے بس مخالفوں کو زچ کرکے خوش ہوتے ہیں۔

ایسے بعض کمزور لوگوں کی نفسیات یہ ہوتی ہے کہ انہیں باہر کوئی حریف نہ ملے تو یہ اپنے گھر میں ہی کسی نہ کسی کے مخالف بن جاتے ہیں۔

بڑھاپا اپنے ساتھ کئی عارضے بھی لے کر آتا ہے۔ جسمانی کمزوری، نیند کی کمی، کم سنائی دینا، بینائی کی کمزوری وغیرہ بڑھاپے کے عام جسمانی عارضے ہیں۔ بڑھاپے میں بعض نفسیاتی عارضے بھی لاحق ہوسکتے ہیں۔ ان عارضوں میں دولت کی لالچ، جائیداد کی ہوس، اقتدار اور اختیارات کی بڑھتی ہوئی تمنا اور مردوں میں صنف مخالف کی قربت کی شدید طلب جیسی خواہشات شامل ہیں۔

بڑھاپے میں محنت کے قابل نہ رہنے والے بعض افراد زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کی دھن میں کئی غلط کام بھی کرنے لگتے ہیں۔

ایسے لوگوں کے سر پر صرف ایک ہی دھن سوار رہتی ہے.... پیسہ.... پیسہ.... پیسہ....

دولت کی لالچ میں مبتلا ایسا بوڑھا شخص کمانے کی دوڑ میں اپنے بیٹے کو بھی دھکا دے سکتا ہے۔

ایسے کئی واقعات میرے اپنے ذاتی علم میں بھی ہیں۔

آپ کے والد بجا طور پر سمجھتے ہیں کہ ان کی وجہ سے آج ان کے بیٹے کسی قابل ہوگئے ہیں۔ آپ کے بھائی اپنے والد کی اس مہربانی کو ان کے سامنے شاید اچھی طرح تسلیم نہیں کرتے ہوں گے۔ کئی معاملات میں آپ کے بھائی آپ کے والد سے آگے بڑھ گئے ہوں گے اور وہ اپنے والد سے مشورے نہیں کرتے ہوں گے۔

آپ کے والد کے آس پاس مطلب پرست، خوشامدی افراد بھی موجود ہوں گے۔ ہوسکتا ہے کہ ایسے لوگوں کے سامنے کبھی آپ کے والد نے اپنے بیٹوں کے لیے کوئی شکایتی باتیں بھی کی ہوں۔ ان خوشامدی افراد نے ان باتوں کو بنیاد بنا کر آپ کے والد کے سامنے ایک کی چار لگائی ہوں گی۔

بس اس طرح خرابیوں کی دیوار بلند اور غلط فہمیوں کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئی۔

میں سمجھتا ہوں کہ آپ کے والد کے مزاج اور ان

کے سخت رویوں میں تبدیلی اس عمر میں تو ممکن نہیں۔ بہتر ہو گا کہ آپ اپنے بھائیوں کو مشورہ دیں کہ وہ اس صورتحال سے سمجھوتہ کرنا سیکھیں۔

والد صاحب کے پورے ادب واحترام کے ساتھ ان کے کاروبار میں معاونت کرنے کا سوچیں۔ اپنے چند کلائنٹس ان کے پاس جانے دیں بلکہ خود ہی انہیں ریفر کر دیں۔

مثبت فکر رکھنے والے بوڑھے والدین اولاد کے لیے اور پورے خاندان کے لیے رحمت اور شفقت کا ذریعہ ہوتے ہیں جبکہ منفی فکر ہر عمر میں پریشانیوں کا سبب بنتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

بوڑھے کا دل بھی دو چیزوں کی محبت میں جوان رہتا ہے۔ طویل عمر اور کثرت مال۔

(ترمذی۔ ابواب الزہد)

امتحان کی تیاری کیسے ہو...

☆☆☆

سوال: میں ایک پرائیویٹ یونیورسٹی کی اسٹوڈنٹ ہوں۔ کچھ عرصے بعد میرے مڈ ٹرم پیپر ہونے والے ہیں۔ میں اپنی ایک قریبی دوست کے ساتھ امتحان کی تیاری کر رہی تھی۔ ایک دن میری اس سہیلی نے کہا کہ تم اپنے نوٹس لے آنا میں کاپی کروا کے واپس کر دوں گی۔

میں نے اپنے نوٹس اپنی سہیلی کو دے دیئے۔ اس نے دو دن بعد نوٹس واپس کر دیئے۔ کچھ دن بعد پتا چلا کہ نوٹس کے تقریباً بیس صفحات غائب ہیں۔ میں نے سہیلی کو فون کیا تو اس نے کہا کہ جیسے تم نے دیا تھا میں نے ویسے ہی واپس کر دیا ہے۔ اس کے بعد وہ مجھ سے ناراض ہو گئی اور بات چیت بند کر دی۔

نئے سرے سے ادھورے نوٹس کی تیاری میں مجھے کافی مشکل ہوئی۔ میں نے بہت کوشش کر کے اپنے نوٹس مکمل کر لیے لیکن اس کوفت کی وجہ سے اب مجھ سے پڑھا ہی نہیں جا رہا ہے۔ پڑھنے بیٹھوں تو دماغ خالی سا ہو جاتا ہے اور میں پڑھائی چھوڑ دیتی ہوں۔ زبردستی پڑھنے بیٹھتی ہوں تو سر میں درد شروع ہو جاتا ہے۔

آپ مہربانی فرما کر ایسا وظیفہ بتائیں کہ میرا پڑھائی میں دل لگے اور میں امتحان میں اچھے نمبروں سے کامیاب ہو جاؤں۔

جواب: زندگی تجربات سے عبارت ہے۔ یہ بھی آپ کا ایک امتحان تھا جو ایک نئے تجربے کا باعث بنا۔

صبح شام اکیس اکیس مرتبہ

اَللّٰھُمَّ اِنْفَعْنِیْ بِمَا عَلَّمْتَنِیْ
وَعَلِّمْنِیْ مَا یَنْفَعُنِیْ، وَزِدْنِیْ عِلْمًا
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ

سات سات درود شریف کے ساتھ پڑھ کر اپنے دونوں ہاتھوں پر دم کر کے چہرے پر دعا کی طرح تین مرتبہ پھیر لیں اور پڑھائی میں دل لگنے، حافظہ میں اضافہ اور امتحان میں اچھے نمبروں سے کامیابی کے لیے دعا کریں۔

صبح اور شام ایک ایک ٹیبل اسپون شہد پئیں۔

یہ عمل نتیجہ آنے تک جاری رکھیں۔

کاروبار میں رکاوٹیں

☆☆☆

سوال: میں نے اپنے دوست کے ساتھ مل کر پانچ سال پہلے ایک ایڈورٹائزنگ کمپنی کھولی۔ تین سال تک ماشاءاللہ کام اچھا چلا۔ ایک دن دوست نے مجھ سے

کہا کہ میں اپنا پیسہ دوسرے کاروبار میں لگانا چاہتا ہوں۔ ہم یہ کمپنی بیچ دیتے ہیں۔ میں نے کہا کہ اچھا خاصہ کام چل رہا ہے تم دوسرے کام میں پیسہ کیوں لگا رہے ہو۔ اس نے کہا کہ اگر تم کمپنی بیچنا نہیں چاہتے تو مجھے میرا حصہ دے دو۔

میں نے بڑی مشکل سے ایک پلاٹ اور کچھ زیورات بیچ کر دوست کو اس کا حصہ دے دیا اور ہم کسی رنجش کے بغیر الگ ہوگئے۔

پارٹنر شپ ختم ہونے کے تین ماہ بعد مجھے آفس میں دوپہر دو بجے سے پانچ بجے کے درمیان ایک دم وحشت سی ہونے لگی۔

اس کے بعد سے یہ روز کا معمول بن گیا۔ آفس میں کام کرنے سے دل گھبرانے لگا۔ میرے آفس میں روزانہ اچھی طرح صفائی ہوتی تھی لیکن دوپہر سے شام کے درمیان پتہ نہیں کہاں سے تین سے پانچ مکڑیاں میرے ٹیبل کے نیچے آجاتی تھیں۔ میں صفائی کروادیتا تھا۔ دوسرے دن مکڑیاں پھر آجاتیں۔ رفتہ رفتہ میرا کام کم ہونے لگا۔ اکثر پارٹی فون پر معاملات طے کرلیتی ہے لیکن جب میرا آدمی اس کام کو لینے جاتا ہے تو کوئی نہ کوئی بہانہ کرکے منع ہوجاتا ہے۔

میری سمجھ نہیں آرہا کہ ایسا کیوں ہورہا ہے۔ میں نے اپنی زندگی کی تمام جمع پونجی اس کاروبار میں لگادی۔ آپ سے التماس ہے کہ مجھے کوئی ایسا وظیفہ بتائیں کہ میرے کاروبار میں حائل رکاوٹیں ختم ہوجائے۔

جواب: صبح جس وقت آپ اپنے دفتر پہنچیں تو کام شروع ہونے سے پہلے اور شام کو واپسی کے وقت اکیس مرتبہ سورہ یونس (10) آیت 80 تا 82

فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُوسَىٰ أَلْقُوا مَا أَنْتُمْ مُلْقُونَ O فَلَمَّا أَلْقَوْا قَالَ مُوسَىٰ مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ ۖ إِنَّ اللَّهَ سَيُبْطِلُهُ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِينَ O وَيُحِقُّ اللَّهُ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ O

تین تین مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر پانی پر دم کردیں اور یہ دم کیا ہوا پانی دفتر کے چاروں کونوں میں اور جس کمرے میں آپ بیٹھتے ہیں وہاں کی دیواروں پر بھی چھڑک دیں۔ پانی گھر سے دم کرکے بھی لے جایا جاسکتا ہے۔

تقریباً تین سو گرام لوبان پر 101 مرتبہ سورہ فلق پڑھ کر دم کردیں۔ شام کے وقت اس میں سے تھوڑا سا لوبان دہکتے ہوئے کوئلوں پر ڈال کر سارے دفتر میں دھونی دیں۔ یہ عمل کم از کم اکیس روز تک جاری رکھیں۔ چھٹی والے دن شمار کرکے بعد میں پورے کرلیں۔

وضو بے وضو کثرت سے یَا حَفِیظُ یَا سَلَامُ یَا وَاسِعُ یَا رَزَّاقُ کا ورد کرتے رہیں۔

حسب استطاعت صدقہ کردیں۔

شوہر دوسری عورت کے چکر میں

☆☆☆

سوال: میری شادی کو سات سال ہوگئے ہیں۔ دو بیٹیاں ہیں۔ میرے شوہر کے آفس میں دو سال پہلے ان کی ایک پرانی جاننے والی خاتون ٹرانسفر ہوکر آئیں۔ جان پہچان ہونے کی وجہ سے شوہر نے آفس میں سیٹ ہونے میں کافی مدد کی۔ ایک دو مرتبہ وہ گھر پر بھی لے کر آئے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ عورت میرا گھر تباہ کردے گی۔

میرے شوہر اس عورت کے آفس میں آنے کے بعد سے اکثر آفس میں کام کا بہانہ بنا کر رات دیر سے گھر آنے لگے۔ میں سیدھی سادی گھریلو عورت ہوں۔ شوہر کے بدلتے رویے کو نہ سمجھ سکی۔ مجھے ایک جاننے والی نے بتایا کہ انہوں نے میرے شوہر کے ساتھ اس خاتون کو بازار میں گھومتے دیکھا ہے۔

میں نے اس جاننے والی کی بات کو زیادہ اہمیت نہ دی کیونکہ وہ عورت میرے شوہر کے ساتھ کام کرتی ہے کسی کام سے بازار گئے ہوں گے۔ میں نے شوہر سے اس بات کا ذکر کیا تو وہ ناراض ہوگئے کہ تم مجھ پر شک کر رہی ہو۔

کچھ عرصے بعد انہوں نے میرے قریب آنا چھوڑ دیا۔ رات کو بہت زیادہ تھکن کا بہانہ کر کے سو جاتے۔

مہینے میں ایک دو بار رات کو گھر سے غائب بھی ہونے لگے ہیں۔ جب میں پوچھتی تو غصہ کرنے لگتے ہیں۔ شوہر کے رویوں میں بہت تبدیلی آگئی ہے۔ اکثر گھر سے باہر رہتے ہیں۔ بیٹیوں سے بھی اچھی طرح بات نہیں کرتے۔

برائے کرم مجھے کوئی دعا بتائیں کہ میرے شوہر میرا اور اپنی بیٹیوں کا خیال کریں۔

جواب: رات سونے سے پہلے اکتالیس مرتبہ

یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ، ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَىٰ دِيْنِكَ ○

گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر شوہر کا تصور کر کے دم کریں اور دعا کریں۔ یہ عمل کم از کم چالیس روز تک جاری رکھیں۔

چلتے پھرتے وضو بے وضو کثرت سے اسم الٰہی یَاعَزِیْزُ کا ورد کرتی رہا کریں۔

رشتہ طے نہیں ہورہا

☆☆☆

سوال: میرے شوہر کی زندگی میں میرے دو بیٹوں اور ایک بیٹی کی شادی ہوگئی تھی۔ اپنے شوہر کے انتقال کے بعد میں اپنی چھوٹی بیٹی کے ساتھ بڑے بیٹے کے گھر میں رہ رہی ہوں۔ گزشتہ دس سال سے اپنی چھوٹی بیٹی کی شادی کی کوششیں کر رہی ہوں لیکن کوئی بات نہیں بنتی۔ رشتے آتے ہیں۔ بیٹی کو دیکھتے ہیں اور بعد میں منع کر دیتے ہیں۔

جواب: عشاء کے چار فرض اور دو سنتیں ادا کر کے اکیس مرتبہ درود شریف کے ساتھ 101 مرتبہ سورہ القیامیہ (75) کی آیت نمبر 39

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَىٰ ○

پڑھ کر تین رکعت نماز وتر ادا کریں اور بیٹی کی اچھی جگہ شادی اور خوشحال ازدواجی زندگی کے لیے دعا کریں۔

اس عمل کی مدت نوے روز ہے۔

معاشی حالات

☆☆☆

سوال: میری شادی کو سات سال ہوگئے ہیں۔ میری تین بیٹیاں ہیں۔ میرے شوہر بہت محنتی ہیں۔ ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتے رہتے ہیں لیکن اس کے باوجود ہمارے معاشی حالات خراب ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ گھر میں مفلسی نے ڈیرے ڈال لیے ہوں۔

عزیز و اقارب غریبی کی وجہ سے ہم سے ملنا پسند نہیں کرتے۔ مجھے ایسا عمل بتائیں جس سے ہمارے رزق میں فراوانی و کشادگی اور خیر و برکت ہو۔

جواب: عشاء کی نماز کے بعد اکتالیس مرتبہ سورہ

ہود (11) کی آیت نمبر 6

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ O

گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر روزگار میں برکت و ترقی کی دعا کریں۔ یہ عمل تین ماہ تک جاری رکھیں۔

شوہر سے کہیں کہ چلتے پھرتے وضو بے وضو کثرت سے اسمائے الٰہیہ یَا بَدِیْعُ یَا رَزَّاقُ کا ورد کرتے رہا کریں۔

کمپیوٹر پر گیم کا شوقین

☆☆☆

سوال: میرے بیٹے کی عمر اٹھارہ سال ہے۔ انٹر کا امتحان دینے کے بعد میں نے اسے کمپیوٹر دلا دیا۔ جب تک رزلٹ آئے گا بچہ گھر میں ہی مصروف رہے گا لیکن مجھے کیا پتہ تھا کہ کمپیوٹر کا شوق اسے بدتمیز بنا دے گا۔

وہ دن رات کمپیوٹر پر گیم کھیلتا رہتا ہے۔ گھر کا کوئی کام نہیں کرتا۔ ایک دن میں نے اسے کمپیوٹر پر زیادہ بیٹھنے پر ڈانٹ دیا اس کے بعد سے آج تک اس نے مجھ سے بات نہیں کی۔

ایک ایک ہفتہ تک نہ نہاتا ہے اور نہ ہی کپڑے تبدیل کرتا ہے۔ گھر سے جو پیسے ملتے ہیں ان سے ایک گیم ختم کرنے کے بعد دوسرا گیم خرید کر لے لاتا ہے۔ میں نے پیار محبت اور ڈانٹ ڈپٹ کر کے بھی دیکھ لیا مگر اسے اپنے مستقبل کی کوئی فکر نہیں ہے۔

جواب: رات سونے سے پہلے اکتالیس مرتبہ

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ مُنْكَرَاتِ الْأَخْلَاقِ وَالْأَعْمَالِ وَالْأَهْوَاءِ وَالْأَدْوَاءِ

تین تین مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر بیٹے کا تصور کر کے دم کر دیں اور دعا کریں۔

انگوٹھا چوسنے کی عادت

☆☆☆

سوال: میری بیٹی کی بارہ سال ہے۔ اسے شروع ہی سے منہ میں انگوٹھا چوسنے کی عادت تھی۔ اس عادت کی وجہ سے اس کے انگوٹھے کے ناخن بھی بدشکل ہو گئے ہیں۔ بہت کوشش کی۔ کئی ایک ٹوٹکے بھی استعمال کیے لیکن کوئی فرق نہیں پڑا۔

اب دو سال سے وہ دونوں ہاتھوں کے ناخن دانتوں سے کترتی رہتی ہے۔ بچی کو سمجھا سمجھا کر تھک گئی ہوں لیکن وہ نہیں مانتی۔

جواب: رات کے وقت جب بیٹی گہری نیند میں ہو تو اس کے سرہانے اتنی آواز سے کہ آنکھ نہ کھلے ایک مرتبہ سورہ اخلاص پڑھ دیا کریں۔ یہ عمل ایک ماہ تک جاری رکھیں۔

بچوں کی صحت

☆☆☆

سوال: میرے بیٹے کی عمر تین سال ہے۔ اسے بھوک نہیں لگتی اور اکثر پیٹ میں درد رہتا ہے اور کبھی کبھی پیٹ پھول جاتا ہے۔ کمزور بھی بہت ہو گیا ہے۔

ہماری ایک جاننے والی نے بتایا کہ آپ کے دواخانے کا ایک سیرپ بچوں کی صحت کے لیے مفید ہے۔ کیا میں یہ شربت اپنے بیٹے کو پلا سکتی ہوں۔ اگر میں یہ شربت گھر منگوانا چاہوں تو اس کا طریقہ کیا ہو گا۔

جواب: عظیمی لیبارٹریز کا تیار کردہ ہربل سیرپ گروویل بچوں کے پیٹ کے درد، مروڑ، دست، قے

اور کمزوری کے لیے مفید ہے۔

آپ اپنے بیٹے کے لیے ہربل سیرپ گرودیل صبح اور شام ایک ایک ٹی اسپون پلاسکتی ہیں۔

کراچی میں ہوم ڈلیوری کے لیے درج ذیل ٹیلی فون نمبر پر رابطہ کیا جاسکتا ہے۔

021-36604127

جوئے کے لیے پیسوں کی چوری

☆☆☆

سوال: میرے شوہر کی آٹو پارٹس کی دکان ہے۔ میرے شوہر کے ساتھ میرا بڑا بیٹا بھی دکان پر بیٹھتا ہے۔ چھوٹے بیٹے کو میڈیکل کالج میں داخلہ نہیں ملا۔ وہ بہت اپ سیٹ ہوا تھا۔ میرے شوہر نے اسے کچھ عرصے کے لیے دکان میں بیٹھنے کا مشورہ دیا۔

یوں وہ اپنے بڑے بھائی کے ساتھ دکان جانے لگا۔ دوماہ بعد شوہر نے بتایا کہ سیل تو اچھی ہورہی ہے لیکن بچت نظر نہیں آرہی کہ کہاں جارہی ہے۔

شوہر نے جب معلومات کیں تو پتہ چلا کہ چھوٹے بیٹے کا ملنا جلنا کچھ خراب لوگوں کے ساتھ ہوگیا ہے اور وہ جوا بھی کھیلنے لگا ہے۔ روزانہ سیل سے پیسے نکال لیتا ہے اور رات کو ایک مخصوص جگہ جاکر پیسے جوئے میں لگاتا ہے۔ یہ جان کر شوہر کو بہت افسوس ہوا۔ انہوں نے بیٹے کو بہت ڈانٹا اور دکان پر اس کا جانا بند کردیا۔

کچھ دن تو خاموشی رہی۔ اب گھر میں سے پیسے غائب ہونا شروع ہوگئے۔ ابھی تک تو میرے پیسے چوری ہورہے ہیں۔ میں نے ڈر کے مارے شوہر کو نہیں بتایا اور بیٹے کو کافی سمجھایا لیکن وہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا۔ میں ڈرتی ہوں کہ اگر شوہر کو پتا چل گیا کہ وہ اب گھر میں چوری کرنے لگا ہے تو وہ اسے گھر سے بھی نکال دیں گے۔ آپ مہربانی فرماکر مجھے کوئی وظیفہ بتائیں کہ بیٹا راہ راست پر آجائے۔

جواب: رات سونے سے پہلے اکتالیس مرتبہ سورہ شوریٰ (42) کی آیت نمبر 28

وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ ۚ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ ۝

تین تین مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر تصور کرکے دم کردیں اور دعا کریں۔ یہ عمل کم از کم چالیس روز تک جاری رکھیں۔ ناغہ کے دن شمار کرکے بعد میں پورے کرلیں۔

نشے کی لت

☆☆☆

سوال: میرے بیٹے کی عمر سترہ سال ہے۔ وہ سیکنڈ ایئر کا اسٹوڈنٹ ہے۔ فرسٹ ایئر کے امتحان کی تیاری کے لیے اپنے گروپ کے ساتھ پڑھنے کے لیے ایک دوست کے گھر جمع ہوتے تھے۔ امتحان کے بعد میرے بیٹے کو کھانسی رہنے لگی۔ ڈاکٹر سے چیک اپ کروایا تو پتا چلا کہ بیٹے کے گلے اور سینے میں شدید انفیکشن ہوگیا ہے۔

جب بیٹے سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ دوست کے گھر میں لڑکے خوشبودار تمباکو حقے میں بھر کر پیتے تھے۔ اس کی ایسی عادت پڑ گئی ہے کہ ہفتہ میں تین چار ضرور پینے جاتے ہیں۔

ہم نے اپنے بیٹے کا ڈاکٹری علاج شروع کردیا ہے۔ دوران علاج بھی وہ دو تین مرتبہ یہ نشہ کرآیا ہے۔

جواب: رات سونے سے پہلے 101 مرتبہ سورہ بقرہ کی آیت 169-168

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○

گیارہ گیارہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر اپنے بیٹے پر دم کردیں۔ نشہ کی عادت سے نجات کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کریں۔

رحم میں رسولی

☆☆☆

سوال: میری عمر تیس سال ہے۔ میں غیر شادی شدہ ہوں۔ مجھے چار پانچ ماہ سے ایام پندرہ سے بیس دن تک رہتے تھے۔ میں نے لیڈی ڈاکٹر سے رجوع کیا انہوں نے بہت سارے ٹیسٹ کروائے۔

ڈاکٹر نے بتایا کہ رحم میں چھوٹی چھوٹی رسولیوں کا گچھا سا بن گیا ہے۔

ڈاکٹر نے تین مہینے کے کورس کرنے کو کہا تھا جو میں نے مکمل کرلیا لیکن تکلیف میں کوئی خاص افاقہ نہیں ہوا۔

برائے کرم کوئی حکیمی یا روحانی علاج بتادیں۔

جواب: خواتین کے کئی امراض اور بانجھ پن میں مبتلا لاتعداد خواتین کو عظیمی دواخانے میں علاج سے الحمدللہ شفا ہوئی ہے۔

ہفتے میں ایک دن طبیبہ وسیم فاطمہ بھی عظیمی دواخانے میں مطب کرتی ہیں۔ آپ کراچی میں مقیم ہیں۔ اگر چاہیں تو مطب میں آکر بالمشافہ ملاقات کرلیں۔ الٹرا ساؤنڈ اور دیگر رپورٹس ساتھ لے آئیں۔

مزید معلومات کے لیے درج ذیل ٹیلی فون نمبر پر رابطہ کیا جاسکتا ہے۔

021-36688931

ساس کی جلی کٹی باتیں

☆☆☆

سوال: میری شادی کو آٹھ ماہ ہوگئے ہیں۔ میرے کے شوہر دو بھائی اور تین بہنیں ہیں۔ شوہر بہن بھائیوں میں سے چھوٹے ہیں۔ سب بہن بھائی شادی شدہ ہیں۔ میرے شوہر چھٹیوں پر پاکستان آئے تھے۔ شادی کے ایک ماہ بعد دوبارہ واپس چلے گئے ہیں۔

میری ساس شوہر کے سامنے تو میرے ساتھ اچھی رہیں لیکن شوہر کے باہر جانے کے بعد ان کی سخت طبیعت کا نیا روپ سامنے آیا۔ ان کا حکم ہے کہ گھر کا کوئی کام ان سے پوچھے بغیر نہیں کیا جاسکتا، میکہ دو ماہ بعد صرف ایک دن کے لیے جانے کی اجازت ہوگی جبکہ ان کی بیٹیاں ہر ہفتے دو دن کے لیے رہنے آتی ہیں۔

کچن کا سارا کام میرے ذمہ ہے جو میں بڑی خوش دلی سے کرتی ہوں لیکن اس کے باوجود میرے کام میں کوئی نہ کوئی نقص نکال کر مجھے سب کے سامنے ڈانٹتی رہتی ہیں۔

تین چار ماہ بعد شوہر کا فون آیا لیکن مجھے نہیں بتایا گیا بلکہ میرے شوہر کو کہا گیا کہ میں ان سے بات نہیں کرنا چاہتی۔ ایک مرتبہ میں اپنی ساس کے پیر دبا رہی تھی تو شوہر کا فون آگیا فوراً مجھے پانی لینے باہر بھیج دیا۔ میں واپس آئی تو کہنے لگیں کہ تمہارے میاں تم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے فون پر سلام کیا تو جواب دینے کے بجائے مجھے برا بھلا کہنے لگے اور خوب ڈانٹا اور میں صفائیاں پیش کرتی رہ گئی۔ انہوں نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا بس ایک جملہ کہہ کر فون بند کردیا کہ میری ماں کے ساتھ آئندہ بدتمیزی کی تو میں تمہیں فارغ کردوں گا۔

میں نے ساس کو فون واپس کر دیا۔ ان کے چہرے پر فتح کی مسکراہٹ تھی۔

جواب: رات سونے سے پہلے 101 مرتبہ سورہ الملک (67) کی پہلی دو آیات

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۞ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۞

گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر اپنی ساس کے رویہ میں مثبت تبدیلی اور پرسکون زندگی کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کریں۔ یہ عمل چالیس روز یا نوے روز تک جاری رکھیں۔

جوڑوں میں درد

☆☆☆

سوال: میری عمر پچاس سال ہے۔ میں گزشتہ دس سال سے جوڑوں کی تکلیف میں مبتلا ہوں۔ علاج کروانے سے وقتی فائدہ ہو جاتا ہے۔

سردیوں میں درد میں اضافہ ہو جاتا ہے ۔ اکثر گھٹنوں کے جوڑوں پر ورم آجاتا ہے۔ تکلیف ناقابل برداشت ہو جاتا ہے۔ میں چل پھر نہیں سکتی۔ سارا دن بستر پر بیٹھی رہتی ہوں۔ کبھی کبھی درد کی شدت کی وجہ سے بخار بھی ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ گھٹنوں میں انجکشن لگوائیں لیکن میں ڈرتی ہوں کہ اگر آرام نہ آیا تو کیا ہو گا۔

جواب: ڈاکٹری علاج کے ساتھ ساتھ سورنجان 12 گرام، سونٹھ 12 گرام، ہڑ زرد 24 گرام، سونف 24 گرام، گلاب (پتی) 24 گرام

ان تمام ادویہ کو گرائنڈر میں باریک پیس کر سفوف بنالیں۔ یہ سفوف صبح نہار منہ اور شام تین تین گرام مقدار میں پانی کے ساتھ لیں۔

عظیمی لیبارٹریز کی تیار کردہ ہربل کریم بوٹا ویرا درد سے آرام کے لیے مفید ہے۔ ہربل کریم بوٹا ویرا گھٹنوں کے جوڑ پر ہلکے ہاتھ سے مالش کریں۔

دفتری مخالفین

☆☆☆

سوال: میرے شوہر سرکاری ملازم ہیں۔ کچھ عرصے پہلے دوسرے شہر سے چند لوگوں کا تبادلہ ہوا۔ ان لوگوں نے میرے شوہر کے خلاف ایک محاذ کھڑا کر رکھا ہے۔ ان لوگوں کی سازشوں کی وجہ سے میرے شوہر کو شوکاز نوٹس بھی مل چکا ہے۔ اب میرے شوہر ڈپریشن میں رہنے لگے ہیں۔ وہ بہت دھیمے مزاج کے تھے لیکن اب گھر میں غصہ بھی کرنے لگے ہیں۔

جواب: رات سونے سے پہلے 101 مرتبہ سورۂ یوسف (12) کی آیت 64 کا آخری حصہ

فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۖ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۞

گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر اپنے اوپر دم کرلیں اور مخالفوں کے شر سے حفاظت کے لیے دعا کریں۔

ہر کام بوجھ لگنے لگا ہے

☆☆☆

سوال: دو سال پہلے میری شادی ہوئی تھی۔ ہماری ایک بیٹی ہے۔ میری اہلیہ بیٹی کے پیدائش کے بعد سے بہت سستی و کاہلی کا مظاہرہ کرنے لگی ہیں۔ گھر کے کام ادھورے پڑے رہتے ہیں۔ میرے کپڑے اس طرح دھوتی ہیں کہ انہیں مجھے دوبارہ دھونا پڑتا ہے۔

میری اہلیہ گھر کا ہر کام بوجھ سمجھ کر کرتی ہیں۔

جواب: آپ کی اہلیہ کو توجہ اور مناسب علاج کی ضرورت ہے۔ وہ آپ کی بیٹی کی ماں ہیں۔ آپ ان کی صحت اوران کے موڈ کا اچھی طرح خیال رکھیے۔ اگر انہیں لیکوریا کی شکایت ہے تو اس کا مناسب علاج کروایا جائے۔

آپ کے گھر کا ماحول اچھا رہے گا۔ اس طرح آپ کی بیٹی کی نشو نما اور تربیت بھی اچھی ہو سکے گی۔

ہو سکتا ہے کہ کیلشیم اور وٹامن ڈی کی کمی کے مسائل بھی درپیش ہوں۔ اپنی اہلیہ کے کچھ ٹیسٹ کروالیں اور معالج کے مشورے کے مطابق انہیں کوئی دوا یا سپلیمنٹ دیں۔

خوف ناک خواب کے اثرات

☆☆☆

سوال: میری تین بیٹیاں ہیں۔ دو کی شادی ہو چکی ہے۔ ایک بیٹی انٹر میں ہے۔

میری اہلیہ گزشتہ تین سال پہلے آدھی رات کو ڈر کر نیند سے بیدار ہوئیں۔ انہوں نے کوئی خوفناک خواب دیکھا تھا۔ اس کے دو تین ماہ بعد سے انہیں شدید خوف اور پھر ڈپریشن ہو گیا۔

ڈاکٹر سے رجوع کیا۔ ادویات استعمال کر رہی ہیں۔ کچھ طبیعت ٹھیک ہوئی ہے مگر ہر بات میں تاریک پہلو نکالنے کی عادت ختم نہیں ہوئی۔

وہ کسی بھی بات میں کوئی نہ کوئی منفی و تاریک پہلو نکال کر مجھ سے لڑنا شروع کر دیتی ہیں۔

کوئی وظیفہ عنایت فرما دیجیے کہ اہلیہ کو صحت عطا ہو۔

جواب: ڈاکٹری علاج کے ساتھ ساتھ رات سونے سے پہلے اکتالیس مرتبہ سورہ مائدہ (05) کی آیت نمبر 8 کا آخری حصہ

اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ

گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر اپنی اہلیہ کے اوپر دم کر دیں اور دعا کریں۔

پسینے کی ناگوار بُو

☆☆☆

سوال: میری عمر پینتیس سال ہے۔ میرے تین بچے ہیں۔ گزشتہ تین سال سے میرے پسینے میں بہت بدبو ہوگئی ہے۔ اس بات پر اکثر میرے شوہر مجھ سے ناراض بھی ہو جاتے ہیں۔ میں نے کئی ٹوٹکے استعمال کیے لیکن کوئی فرق نہیں پڑا۔

دو تین ڈاکٹرز کو بھی دکھایا انہوں نے باڈی اسپرے استعمال کرنے کا مشورہ دیا ہے لیکن میری نظر میں یہ کوئی مستقل حل نہیں ہے۔

جواب: یونانی مرکب شربت مصفی خون صبح اور شام دو دو ٹیبل اسپون پئیں۔

روغن نیم تین تین قطرے کسی کیپسول میں ڈال کر دوپہر اور رات کھانے سے پہلے پئیں۔

ڈھائی تین مہینے تک گوشت استعمال نہ کیجیے۔